مجموعہ
سیرت الرسول ﷺ

حصہ دوم

زیر نگرانی
شیخ محمد احمد [illegible]

ترجمہ
مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار
شیخ جامعۃ العلوم الاسلامیہ
صدر مجلس دعوت و تحقیق اسلامی کراچی

دار التصنیف جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی [illegible] ۵۰۰

مجموعہ سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ دوم (آخری)

عربی تصنیف: زیر نگرانی

شیخ محمد احمد برانق

ترجمہ

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست (جلد دوم)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۷	غزوۂ احزاب	۴۵۸
۱۸	ادب و پاکدامنی	۴۹۲
۱۹	صلح حدیبیہ	۵۲۹
۲۰	غزوۂ خیبر	۵۶۲
۲۱	عمرۃ القضاء	۵۹۴
۲۲	فتح مکہ	۶۲۹
۲۳	غزوۂ حنین	۶۶۴
۲۴	غزوۂ تبوک	۶۹۶
۲۵	کمال و تکمیل	۷۲۸
۲۶	کمالِ انسانیت	۷۶۰
۲۷	رحلتِ نبویؐ	۷۹۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۶)

غزوۂ احزاب

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۤءٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ .
فَرِحِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ
مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(آل عمران ۔ ۱۶۹ و ۱۷۰)

اور آپ نہ سمجھیں مردہ ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے سے اس لئے کہ نہ ان پر ڈر ہے اور [illegible]۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے بالکل درست و سچا وعدہ فرمایا اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا جو پیغام اپنے مسلمان متبعین کو پہنچایا وہ بالکل سچا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پکے مومن پیروکار جنگوں اور جہاد میں اپنی جان و تن کی قطعاً پرواہ کرتے تھے، نہ اس کے بارے میں بخل سے

کام لیتے تھے۔ اس لئے کہ اگر وہ دشمن پر فتحیاب ہو گئے تو انہیں نصرت خداوندی اور اللہ کی رضا حاصل ہو گئی اور اگر وہ مارے گئے تو شہادت کا درجہ پا کر اس جنت کی بشارت کے مستحق بن گئے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جنگ احد میں جو شکست ہوئی تھی اس سے اگرچہ یہود کو خوشی اور مشرکین کو سرور اور منافقین کو ہنسنے اور شماتت کا موقعہ تو ملا لیکن اس سے صحابہ کے نفوس میں بزدلی یا ضعف قطعاً پیدا نہ ہوا بلکہ جنگ احد کی صبح کو ہی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہہ کر قریش کے کفار کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے تھے تاکہ اگر وہ لوگ لوٹ کر مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنا چاہیں تو ان کو روک دیا جائے اور ان کے دانت کھٹے کر دیئے جائیں۔

اور ہوا بھی یہی کہ قریش نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ مدینہ منورہ کو آسانی سے فتح کر سکیں۔ اس لئے کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی قوت کمزور پڑ چکی ہے اور ان کی معنوی طاقت ضعیف ہو چکی ہے لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ مسلمان ان سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں تو وہ دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے بلکہ انہوں نے فتحیاب اور صحیح سالم مکہ مکرمہ واپس لوٹنے کو اس پر ترجیح دی کہ وہاں ناکام و شکست خوردہ ہو کر لوٹیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جنگِ احد کے بعد کچھ دن ایسے گذرے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے مختلف قبائل کے درمیان کئی معرکے ہوئے اور بہت سی جھڑپیں ہوئیں جن میں سے بعض میں مسلمان فتحیاب ہوئے تھے اور مالِ غنیمت حاصل کر چکے تھے اور بعض میں کچھ مسلمان حضرات شہید ہوئے ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ بنو نضیر کے مدینے سے جلاوطنی کا تھا۔ ہوا یوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نضیر کی خیانت اور غدر اور آپ کو اچانک قتل کرنے کی سازش کا علم ہوا تو آپ نے انہیں جلاوطن کرنے کا حکم دے دیا۔ اس جلاوطنی کی وجہ سے ان یہودیوں کے دل حسد و کینہ سے بھر گئے اور وہ آپ کے خلاف مکر کرنے لگے اور یہ کوشش کرنے لگے کہ آپ کے خلاف لڑنے کے لئے اہل عرب کو اکٹھا کر دیا جائے۔

غزوۂ احد کے موقعہ پر قریش نے مسلمانوں کو اگلے سال مقام بدر پر لڑنے کی جو دھمکی دی تھی قریش اس پر عمل نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے ایسے وفود کو بھیجنا شروع کیا جو مسلمانوں کی وحدت کو ختم کر سکیں اور ان کو ڈرا دھمکا سکیں ——— ——— اور ان کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ قریش کا لشکر بہت بڑا ہے ان کے افراد و ساز و سامانِ جنگ کی مقدار بہت زیادہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا نہ آپ ڈرے اور نہ اپنے ارادے سے باز رہے اور آپ نے اس بات پر اصرار کیا کہ آپ مقررہ وقت پر جنگ و قتال کے لئے

ضرور نکلیں گے خواہ آپ کو تن تنہا کیوں نہ نکلنا پڑے۔

چنانچہ آپ کے صحابہ کرام آپ کے ساتھ نکل پڑے ان کے ساتھ تجارت کا وہ ساز و سامان بھی تھا جو بدر کے بازار میں فروخت کرنا تھا جہاں ہر سال ایک بازار لگتا تھا۔ بدر پہنچ کر آٹھ رات قریش کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔

قریش مجبوراً مسلمانوں کے لشکر سے ٹکرانے کے لئے نکل پڑے لیکن نہ تو اپنا سفر جاری رکھ سکے اور نہ ہی اپنی ہمت و عزم کو قابو میں رکھ سکے۔ اور لشکر کے سردار ابوسفیان نے دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اپنے لشکر میں یہ اعلان کیا: اے قریش کی جماعت! تمہارے فائدہ و نفع کا سال وہ سال ہے جو سرسبز و شاداب ہو لیکن یہ سال تو قحط سالی کا ہے۔ اس لئے میں تو واپس جا رہا ہوں تم بھی واپس لوٹ چلو۔

اور اس طرح سے لشکرِ قریش الٹے پاؤں واپس ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر سمیت وہاں آٹھ دن تک قریش کی آمد کے منتظر رہے اور جب وہ لوگ نہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر مدینہ منورہ واپس ہو گئے اور اس عرصہ میں بدر کے بازار میں مسلمانوں نے خوب تجارت کی اور نفع بھی کمایا۔ واپسی پر مسلمانوں کے لشکر کی زبانوں پر اللہ کے انعامات اور قریش کی بزدلی اور مسلمانوں کا آمنا سامنا کرنے سے کتراتے اور الٹے پاؤں بھاگنے کا تذکرہ تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور پھر سے دعوت اسلام کے پھیلانے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی حتیٰ کہ آپ کی جہاد اور مقابلوں کا میدان حجاز سے شام کے اطراف تک پھیل گیا۔

اس واقعہ کے بعد قریش نے پھر کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کا ارادہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ جو نضیر جن کو آپ نے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا۔ ان کے سردار قریش کے پاس آئے جن میں حیی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق وغیرہ کئی سردار تھے جنہوں نے قریش کو اپنے ساتھ ملا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی یہ کہہ کر دعوت دی کہ: ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ ہیں جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیخ کنی اور استیصال نہیں ہو جاتا اور ہم اس بات پر آپ لوگوں سے معاہدہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ بات سن کر قریش کے سینہ کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے ان کی دعوت پر ہمارا خوش آمدید کہتے ہوئے کہ: آپ لوگوں کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں اور ہمیں سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہماری مدد کرے۔ پھر قریش نے ان سے پوچھا: اے یہود کی جماعت آپ لوگ پہلی کتاب والے ہو، علم تمہارے پاس ہے ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ایک اختلاف ہے اس لئے آپ لوگ بتائیں کہ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین؟

یہودیوں نے جواب دیا: تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ حق کے قریب ہو۔

یہودیوں نے اس طرح چالاکی اور ریاکاری کر کے قریش کے سرداروں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف مرتے دم تک جنگ کرنے کا معاہدہ کر لیا اور اس دن کے لئے آپس میں ایک وقت مقرر کر لیا اور یہودیوں نے قریش کے ساتھ معاہدہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ دوسرے ان عرب قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہے اور جن یہود اور مشرکین کو اپنے ساتھ ملا سکے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ یہ یہودی قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور انہیں یہ لالچ دلایا کہ اگر وہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ان کے ساتھ ہو گئے تو انہیں خیبر کے پھلوں کی ایک سال کی آمدنی دے دی جائے گی۔

اسی طرح یہ یہودی دیگر قبائل کے پاس بھی گئے جن میں سے بنو سلیم، بنو اسد، بنو فزارہ، بنو اشجع اور بنو مرہ بھی ہیں ان کو جنگ پر ابھارا اور لالچ و طمع دلائی اور اس طرح سے جزیرہ عرب کے یہود اور مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور اس طرح سے تاریک و سیاہ دل اور مجرم و گندی ذہنیتیں حق سے جنگ کرنے اور ایمان کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو گئیں، اور ایک عظیم الشان لشکر جس کے جنگجوؤں کی تعداد

toobaa-elibrary.blogspot.com

دس ہزار ایسے افراد پر مشتمل تھی جو اسلحہ سے لیس تھے یہ سب کے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے چل پڑے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جب اس عظیم لشکر کی اطلاع ملی جس میں بہت سے قبائل اور جزیرہ عرب کے اطراف کے لوگ یکجا جمع ہو کر مدینہ کا رُخ کر چکے تھے تو سوچنے کی بات یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اس جیسے لشکر کا مقابلہ کس طرح کریں گے اور اس کے لئے کیا تدابیر اختیار کریں گے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مشورہ کے لئے جمع کیا تو سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ مدینہ کو نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ یہیں رہ کر دشمن سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

حضرت سلمان فارسی نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھود دی جائے تاکہ مدینہ منورہ دشمن کے حملہ سے محفوظ رہے۔ یہ تدبیر فارس کے کسریٰ اختیار کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تدبیر پسند آئی اور آپ نے اس پر فوری عمل کرنے کا حکم دے دیا۔

مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نافذ کرنے میں نہایت تیزی دکھائی اور زبردست نشاط کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ کدالیں پھاوڑے کلہاڑیاں اور ٹوکریاں اکٹھا کی گئیں جن کی اکثریت مسلمانوں نے اپنے حلیف ومعاہدین بنو قریظہ والوں سے عاریۃً لی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور نقشہ کے مطابق مدینہ منورہ کے شمالی جانب میں مشرقی قلعوں سے غربی قلعوں تک خندقیں کھودنا شروع ہو گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو اپنے صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر جماعت کو ایک حصہ کا ذمہ دار بنا دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود بھی مسلمانوں کے ساتھ کام میں عملاً حصہ لیتے رہے تاکہ ان کی ہمت افزائی ہو اور وہ اور محنت سے کام کر سکیں۔

مسلمانوں نے نہایت محنت سے کام شروع کر دیا اور خندق کھودنے لگے اور اس کی مٹی جبل سلع (ایک پہاڑ کا نام ہے) کی جانب منتقل کرتے اور وہاں سے پتھر اپنی ٹوکریوں میں بھر کر لے آتے اور خندق کے کنارے پر ان کو لگا دیتے تاکہ بوقت ضرورت دشمن کے خلاف ان کو استعمال کر سکیں۔ ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے اس کے ان اطراف میں جو غیر محفوظ تھے ان میں خندق کھود کر تیار ہو چکی تھی حتیٰ کہ اس کے کناروں کو مضبوط بھی کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کا لشکر نکل کھڑا ہوا اور جہاں پڑاؤ ڈالنے کا آپ نے حکم دیا تھا اس جانب روانہ ہو گیا اور یہ وہ حصہ تھا جو جبل سلع اور خندق سے تقریباً دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھا مجاہدین کے ساتھ مدینہ منورہ کے چند نو عمر لڑکے بھی نکلے جو اپنے والدین

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کرنا چاہتے تھے تاکہ اپنے دین و وطن سے مدافعت کر سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میدان کارزار میں طلب کیا اور جس کی عمر پندرہ سال سے زائد تھی۔ اس کو اجازت دے دی لیکن جس کی عمر اس سے کم تھی اسے واپس کر دیا۔

ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ مشرکین کے لشکر کا اگلا حصہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا۔ ابو سفیان کو یہ خیال تھا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو احد پہاڑ کے پاس پائے گا لیکن اس کو جب آپ وہاں نہ ملے تو وہ اپنے لشکر کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیا اور مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا اور غطفان والوں اور ان کے ساتھی نجد والوں نے جبل احد کے پاس پڑاؤ ڈالا۔

مشرکین کے لشکر کے جاسوس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لشکر کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لئے نکل پڑے لیکن اچانک انہوں نے خلاف توقع ایک ——چیز دیکھی—— ایسی چیز جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی اور وہ خندق تھی جس نے مدینہ منورہ کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگے کہ اس خندق کو اس لئے بنایا گیا کہ وہ مدینہ منورہ اور مشرکین کے اس لشکر کے درمیان حائل ہو جائے جو ان کو نیست و نابود کرنے کے لئے جمع کیا گیا تھا؟ یہ جاسوس لشکر والوں کے پاس نہایت منحوس

خبر لے کر گئے اور مشرکین پر بجلی سی گر گئی اور وہ کہنے لگے: بخدا یہ تو ایسی تدبیر ہے کہ جسے اہل عرب اختیار نہیں کر سکتے۔

مسلمان مجاہدین کو دشمن کے آ پہنچنے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر کے پڑاؤ کی جگہ آ گئے اور جبل سلع کے کنارہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سرخ چمڑے کا جو خیمہ لگایا گیا تھا آپ اس میں تشریف لے آئے اور اپنے تقریباً تین ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کے کئی حصے کر دیئے اور خندق کی جماعتیں بنا دیں۔ کسی جماعت کا کام یہ تھا کہ وہ خندق کی نگرانی کرے اور کسی کا کام یہ تھا کہ کمزور حصوں پر نظر رکھے اور باقی لشکر والے اپنی کمانوں کو تھام کر خندق کا رُخ کر کے بیٹھ گئے۔

قریش نے خندق کو پھلانگنا چاہا لیکن نہ پھلانگ سکے اور اسی اثناء میں مسلمانوں نے ان پر تیروں کی بارش برسا دی جس کی وجہ سے وہ واپس ہونے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح سے شام تک دونوں لشکر ایک دوسرے پر تیر برساتے رہے اور پھر رک گئے۔ دوسرے دن قریش کے آدمیوں نے دوبارہ خندق کو پھلانگنا چاہا لیکن پھر وہی حشر ہوا جو کل ہوا تھا اور وہ اس کو پھلانگ نہ سکے۔ اور نہایت غصہ اور طیش کے عالم میں واپس ہو گئے اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ اس سلسلہ میں ان کی تمام محنتیں رائیگاں جائیں گی۔ ہواؤں کے تیز چلنے اور سخت سردی نے ان کے غصہ اور ناراضگی کو اور بڑھا دیا۔ سردی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اتنی شدید تھی کہ انسان کو ہلاک کر دے اور رگوں میں خون جم جائے۔

لشکر والوں نے اپنے آپ کو ملامت کرنا اور یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کریں گے؟ حیی بن اخطب کو یہ ڈر ہوا کہ لوگ اپنے آپ کو ملامت کر کے کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اگر صورت حال کا کسی ایسی تدبیر سے تدارک نہیں کیا گیا جس سے لشکر والے ثابت رہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہل عرب کو جنگ کے لئے جمع کرنا بے سود و رائیگاں چلا جائے گا۔ اس کی خاطر حیی بن اخطب ابوسفیان کے پاس آیا اور اس سے کہا:

میری قوم قریظہ والے تمہارے ساتھ ہیں اور وہ نہایت طاقتور ہیں

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ پھر تو تم ان کے پاس جاؤ اور ان کو یہ مشورہ دو کہ وہ اس عہد کو توڑ ڈالیں جو ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔ چنانچہ حیی بنو قریظہ کے قلعوں کی جانب گیا تاکہ ان سے کسی تدبیر سے اس عہد کو تڑوا دے جو ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔

بنو قریظہ کے اس سردار نے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اس نے حیی بن اخطب کے آنے کو تاڑ لیا اور قلعہ کا دروازہ بند کر دیا اور اس سے ملنے سے انکار کر دیا اور وہ سمجھ گیا کہ حیی کس غرض سے آیا ہے جس نے قلعہ کے پیچھے سے اسے آواز دی اور قسم دی کہ وہ اس کے لئے دروازہ

کھول دے اور اس سے کہا: تم نے قلعہ کا دروازہ اس لئے بند کرایا ہے تاکہ میں تمہارے ساتھ تمہارے کھانے میں شریک نہ ہو سکوں۔

یہ سن کر کعب کو غصہ آ گیا اور اس نے حیی کے لئے دروازہ کھول دیا تو حیی نے کہا: اے کعب تمہیں کیا ہو گیا ہے میں تو تمہارے پاس زمانہ کی عزت لے کر آیا ہوں ایسا لشکر لایا ہوں جو عظیم الشان ہے۔ میں تمہارے پاس قریش و غطفان کا لشکر ان کے تمام سرداروں اور قائدین سمیت لایا ہوں اور ان سب کے سب نے مجھ سے یہ عہد اور وعدہ کیا ہے کہ وہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی بیخ کنی نہ کر دیں۔

کعب نے کہا: تم تو میرے پاس ساری عمر کی ذلت و رسوائی لے کر آئے ہو اس لئے کہ میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر چکا ہوں اور میں ان کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو ہرگز نہیں توڑ سکتا اس لئے کہ میں نے انہیں سچا اور وعدہ پورا کرنے والا ہی پایا ہے۔ حیی یہ سن کر بھی مایوس نہیں ہوا اور کعب کو اپنا یہودی ہونا یاد دلاتا رہا اور یہ جتلانے لگا کہ یہود کی ذلت و رسوائی اور سیادت و عزت ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کئے ہوئے عہد کو توڑ ڈالیں اور ان یہود اور دوسرے لشکروں کے درمیان راستہ آزاد چھوڑ دیں چنانچہ بنو قریظہ والے سیلاب کی مانند

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان لشکروں سے جا ملیں گے اور اس طرح سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کے ساتھیوں کا ذرا سی دیر میں کام تمام کر دیں گے اور اس طرح سے جزیرۂ عرب یہودیوں کے دین کے لئے خالی ہو جائے گا۔

کعب کے دل پر اس بات کا اثر ہوا اور یہ بات اس کے دل میں اترنے لگی لیکن کعب ابھی عہد توڑنے کے سلسلہ میں متردد رہے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش و غطفان وغیرہ شکست کھا کر واپس ہو جائیں اور ہمیں یعنی بنو قریظہ کو تن تنہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابل چھوڑ جائیں، اور ہمارا بھی ان کا حشر بھی وہی ہو جو حشر بنو قینقاع اور بنو نضیر کا ہوا۔ لیکن کعب کے تمام شکوک و شبہات ذرا سی دیر میں دور ہو گئے اور حیی نے کہا کہ اگر بالفرض کافروں کے لشکر شکست کھا گئے تو حیی بھی کعب کے ساتھ ان کے ساتھ ان کے قلعہ میں رہے گا اور اس تمام ذلت میں برابر ان کے ساتھ مل کر برداشت کرے گا جو ان لشکروں کی شکست کی صورت میں اٹھانا پڑے گی۔ حیی کو یہ پختہ یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دینا اس کے ہاتھ میں ہے اور ان کو شکست دینے میں صرف اتنا وقت لگے گا جتنی دیر میں

بنو قریظہ تیار ہو رہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بنو قریظہ کے عہد توڑنے اور کافروں کے لشکر کے ساتھ مل جانے کی اطلاع ملی جس کا ان

حضرات پر بہت شدید اثر ہوا۔ اس لئے کہ بنو قریظہ کے ان کافروں کے ساتھ ملنے سے مسلمانوں کو اپنے لشکر اور اپنے شہر کے لئے شدید خطرہ محسوس ہونے لگا تھا اور یہ بات بھی تھی کہ بنو قریظہ کے ان کے ساتھ ملنے اور عہد توڑنے سے مسلمانوں کے مدد کا راستہ بند ہو گئے، اور دشمنوں کے ساتھ ان کے مل جانے سے دشمنوں کو مسلمانوں تک پہنچنے کے لئے آسان راستہ مل جانے کا خطرہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح صورت حال معلوم کرنے اور اس خبر کی تصدیق کے لئے اپنے آدمی بھیجے اور وہ یہ خبر لے کر واپس آئے کہ اطلاع بالکل صحیح اور درست ہے اس لئے کہ انہوں نے یہودیوں میں نقل و حرکت اور قلعہ کے اندر تیاری کرنے کو واضح طور سے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ اور اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ (جو کہ قریظہ کے حلیف تھے) کو بنو قریظہ کے سردار کعب کے پاس اس اطلاع کی تصدیق کے لئے بھیجا اور ان سے کہا کہ اگر بات واقعی درست ہو تو چپکے سے آکر مجھے خبر دے دیں تاکہ مسلمانوں کو اس سے دکھ نہ ہو اور اگر جھوٹ ہو تو کھلم کھلا سب کے سامنے بتلا دیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں قاصد جب وہاں گئے تو بنو قریظہ کو بہت خطرناک حالت میں پایا اور خیانت اور غدر کے آثار کھلے ہوئے محسوس کر لئے اور ان کے سردار کعب سے بڑی بری باتیں سنیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

بلکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی کی اور کہا کہ اللہ کے رسول کون ہیں؟! ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان نہ کوئی معاہدہ ہے نہ عہد و پیمان۔ بات اتنی بڑھ گئی کہ قریب تھا کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے لڑ پڑیں مگر یہ کہ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھی کو یہ کہہ کر واپس چلنے پر آمادہ کر لیا۔ ہمارے اور ان کے درمیان معاملہ اس سے زیادہ بڑھ چکا ہے۔ (مزید کسی بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں ہے)

دونوں قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خبر دینے آئے اور آپ سے چپکے سے بات چیت کر لی لیکن یہ خبر جلد ہی سارے مسلمانوں میں مشہور ہو گئی بلکہ تمام اہل مدینہ میں پھیل گئی، اور سب پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب جبکہ قریظہ والے بھی کافروں کے لشکر سے مل گئے ہیں تو اب خندقوں سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اس لئے کہ قریظہ والوں نے پیچھے کے راستے اور قلعے دشمنوں کے لئے کھول دیئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگے جس کے ذریعے مسلمانوں پر سے ان مختلف کافروں کی جماعتوں کے دباؤ کو کم کیا جا سکے۔ چنانچہ آپ نے ایک قاصد غطفان والوں کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ اگر وہ جنگ کا ارادہ ترک کر کے چلے جائیں اور کافروں کی ان جماعتوں کا ساتھ چھوڑ دیں تو انہیں مدینہ منورہ کے پھلوں کا ایک تہائی دے دیا جائے گا۔

غطفان والوں کا میلان اس مشورہ کی جانب ہو گیا اور انہوں نے ابوسفیان سے مخفی طور پر اپنے قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاہدہ کرنے کے لئے بھیجے کہ انہیں تہائی کے بجائے آدھا حصہ دیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس اس بارے میں مشورے کے لئے آدمی بھیجا تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے یا آپ نے یہ تدبیر ہماری خاطر پسند فرمائی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں یہ تمہاری وجہ سے کر رہا ہوں تاکہ سب قبائل جو تم سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھا ہو گئے ہیں ان کا بوجھ تم سے کچھ کم کر دیا جائے۔ حضرت سعد نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں عزت بخشی ہے اس لیے اب ان لوگوں کے لئے ہمارے پاس صرف تلوار ہی ہے۔

غطفان کے پیغام پر لوگ واپس لوٹ گئے اور ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی بات طے نہ ہو سکی۔

غطفان سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نعیم بن مسعود اندر ہی اندر دل سے تو اسلام لے آئے تھے لیکن انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ نعیم اپنی قوم اور ابوسفیان سے چھپ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۷۴

کا اظہار کیا اور پیش آپ کر پیش کرکے عرض کیا؛

اے اللہ کے رسول، میرے اسلام لانے کا کسی کو بھی علم نہیں ہے اس لئے آپ مجھے جس بات کا حکم دینا چاہیں دے دیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے نعیم تم ایک اکیلے آدمی ہو اس لئے ہم سے جتنا دور رہ سکتے ہو رہو اور جو چاہے کہتے رہو تمہیں کوئی ملامت نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ نعیم وہاں سے چلے گئے اور کسی ایسی تدبیر و حیلہ کی سوچ میں پڑ گئے جس کے ذریعہ سے ان مختلف لشکروں کو دھوکہ دے سکیں اور ان میں پھوٹ ڈال دیں۔

کافروں کے لشکروں میں یہ طے ہو چکا تھا اور قریظہ والوں کے ساتھ معاہدہ کے بعد ان کے سامنے ان خندقوں کی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان حائل تھیں اور اب ان کے سامنے راستہ صاف اور آسان تھا بلکہ خود لشکر والوں نے پختہ تین ہتھے بنا لئے تھے اور خندق کا تمام اطراف سے محاصرہ کر لیا تھا تاکہ ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مرعوب کیا جا سکے اور ان کے لئے تمام راستے مسدود کر دی جائیں، اور ان کے شہسوار صبح و شام مسلمانوں پر نیزے مارتے اور تیر پھینکتے رہتے تھے اور اس دن کے منتظر رہتے تھے کہ جس دن وہ اپنے حلیف اور مصیبت سے نجات

دینے والا قبیلہ بنو قریظہ والوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کر دیں۔

اس صورت حال سے مسلمان بے چین ہو گئے اور انہوں نے نہایت تنگ دلی اور گھٹن کی حالت میں رات گذاری اس لئے کہ انہیں یہود کے غدر کا اس سے زیادہ خوف تھا جو ادھر خندق کی جانب سے آنے والے دشمن سے تھا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑنے والوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ رات کو مدینہ منورہ کے راستوں اور ٹیلوں میں صبح تک گشت کرتی رہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہودی غداری اور خیانت کریں اور ان بچوں اور عورتوں کو نقصان پہنچائیں جو اپنے گھروں اور علاقوں میں کسمپرسی میں پڑے ہیں۔

یہود غداری کرنے کے لئے مسلمانوں کے حالات جاننے کی جستجو میں لگے رہتے تھے تاکہ اپنے حملہ کرنے کے لئے راستہ کو منتخب کر سکیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے یہودیوں کی ایک جماعت نکل گئی مسلمان ان کے مذموم مقصد کو سمجھ گئے اور ان سے جنگ کر کے انہیں بھگا دیا۔

مسلمانوں کے شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعہ کے پاس سے ایک یہودی گذرا، اور قلعہ کے ارد گرد چکر لگانے لگا۔ حضرت حسان کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت تھی جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا بھی تھیں، انہوں نے جب اس یہودی کو دیکھا تو گھبرا کر حضرت حسان سے کہا۔

اے حسان تم دیکھ رہے ہو یہ یہودی قلعہ کے ارد گرد چکر لگا رہا ہے۔ اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ یہ یہودیوں سے ہماری مخبری کر دے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی یہاں نہیں ہیں اس لئے تم نیچے اتر کر اس کو قتل کر ڈالو۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبدالمطلب کی بیٹی اللہ آپ کی مغفرت کرے، بخدا آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں اس لائن کا آدمی نہیں ہوں۔ حضرت صفیہ کے پاس اور کوئی چارہ کار نہ تھا اس لئے انہوں نے خود لوہے کا ایک ستون اٹھایا اور قلعہ سے نیچے اتریں اور اس سے اس یہودی کو مار مار کر قتل کر ڈالا۔ پھر جب وہ واپس لوٹیں تو انہوں نے حضرت حسان سے کہا: اے حسان جاؤ اور جا کر اس کا ساز و سامان لے آؤ، میں خود اس لئے نہ لے سکی کہ وہ مرد تھا اور میں ایک عورت ہوں۔ حضرت حسان نے کہا اے عبدالمطلب کی بیٹی مجھے ان کے ساز و سامان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور اس طرح سے اہل مدینہ یہود کی غداری، خیانت اور نفاق کی وجہ سے خوف و ہراس کی حالت میں رہتے اور اسی وجہ سے بعض جنگ کرنے والے مجاہدوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر واپس لوٹنے کی اجازت مانگی تاکہ وہاں موجود اپنی عورتوں و بچوں کی حفاظت کر سکیں۔

toobaa elibrary.blogspot.com

دوسری طرف منافقین مسلمانوں کو رائی کا پہاڑ بنا کر بتاتے رہے اور ان کے ارادوں کو پست کرنے اور ان کے دلوں و ذہنوں میں خوف و ڈر بٹھانے کی کوشش کرتے رہے اور یہ کہتے گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہم سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم کسریٰ اور قیصر کے خزانے میں لگے لیکن آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لئے نکلتے ہوئے بھی اپنی جان جانے کا خوف کرتے ہیں۔

کافروں و مشرکین کی جماعتیں کئی دن تک بنو قریظہ کے منتظر رہیں تاکہ وہ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا راستہ کھول دیں اور اس عرصہ میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان خندق کے پیچھے سے تیر اندازی اور نیزہ بازی ہوتی رہی اور ان کے شہسوار خندق کے کناروں پر نہایت تکبر غرور اور اکڑ کے ساتھ صبح و شام چکر لگاتے رہتے تھے اور ایک روز ان کی ایک جماعت نے خندق میں ایک تنگ سی جگہ پائی جہاں پہرہ و نگرانی بھی زیادہ سخت نہ تھی۔ چنانچہ وہ تکبر و غرور میں اسے گھوڑوں سمیت پھلانگ گئے اور خندق اور جبل سلع کے درمیان دوڑنے لگے لیکن فوراً ہی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ہمراہ ان کے مقابلہ پر آگئے، اور سرحد کے اس مقام پر ان کو گھیر لیا جہاں سے پھلانگ کر وہ لوگ آئے تھے۔

ایک دوسرے کے مدمقابل آنے والوں میں عکرمہ بن ابی جہل، ضرار بن الخطاب اور عمرو بن عبدوُد بھی تھا جو میدان کارزار کے وسط میں مقابلہ کا چیلنج دینے کے لئے پہنچ گیا تھا، چنانچہ اس کے مقابلہ کے لیے حضرت علی آگے بڑھے تو عمرو نے ان کو معمولی اور کمزور سمجھتے ہوئے کہا: بھتیجے تم ایسا کیوں کر رہے ہو میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا: لیکن میں تو تمہارے قتل کرنے کا خواہشمند ہوں، یہ سن کر عمرو حمیت اور غیرت میں آگیا اور غصہ میں تلوار لے کر حضرت علی پر حملہ کرنے جھپٹا، حضرت علی بھی اس پر حملہ آور ہوئے اور ایک دوسرے پر وار کرتے رہے اور تھوڑی سی دیر میں عمرو حضرت علی کی تلوار کے وار سے زمین پر تڑپنے لگا۔ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور کلمہ باواز بلند پڑھا اور عمرو کے دوسرے مشرک ساتھی یہ دیکھ کر بھاگ گئے اور جہاں سے آئے تھے وہیں واپس ہو گئے۔

خندق عبور کرنے کی یہ خبر مشرکوں میں پھیل گئی تو بہت سے اور مشرکین نے بھی خندق کو عبور کرنے اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ سورج غروب ہونے اور تاریکی پھیلنے کے بعد ایک اور جماعت آئی اس جماعت کے ہمراول دستہ میں نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ تھا اس نے خندق عبور کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی وہ بھی خندق

پھلانگنے بھی نہیں پایا تھا کہ گر گیا اور نوفل کی گردن ٹوٹ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے ساتھی دہشت زدہ ہو گئے، اور کہا جاتا ہے کہ ابو سفیان نے مسلمانوں سے اس کی لاش دیت یعنی سو اونٹوں کے بدلے واپس مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہمیں اس کی دیت کی ضرورت نہیں ہے تم اس کو لے جاسکتے ہو اس لیے کہ یہ گندی لاش ہے جس کی دیت بھی گندی ہے۔

چنانچہ مشرکین نے اپنے مقتول کی لاش لے لی اور واپس ہو گئے لیکن وہ اس کے بعد بھی خندق عبور کرنے کے ارادے سے باز نہیں آئے بلکہ دن رات اس کو پھلانگنے کی تدبیر میں لگے رہتے اور منظم جماعتوں کی شکل میں خندق کے اردگرد پھرتے رہے اور جب ایک جماعت آرام کرنے چلی جاتی تھی تو دوسری اس کی جگہ آجاتی تھی۔

اور اس طرح سے مسلمانوں پر کئی سیاہ و تاریک راتیں گذریں جن میں عورتیں اپنے گھروں پر آرام سے نہ بیٹھ سکیں اور نہ بچے آنکھیں جھپکا کر سو سکے۔ ایسی صورت میں بھلا ان مردوں کا کیا حال ہوگا جو حملہ کو روکنے کے لئے اور حصار کو مضبوط کرنے کے لیے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نازک گھڑی میں جس میں یہودیوں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

مشرکوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا آپ قلب و روح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کی نصرت و مدد کے طلبگار تھے۔ اور محاصرہ کے تنگ ہونے پر خدا سے صبر اور اسلام کی فتح کے لئے نصرت کے سائل تھے۔

اس فیصلہ کن گھڑی میں جس میں موت نے اس مدینہ منورہ کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا جہاں مسلمانوں نے پناہ حاصل کی تھی، اور دشمن مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کرنے کے لئے ان کی ذرا سی غفلت کا منتظر تھا، اور خندق کے کسی ذرا سے کمزور اور غیر محفوظ کنارے کی تلاش میں تھا کہ اسے پھلانگ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکے۔ اس نازک و فیصلہ کن گھڑی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سرحدوں میں سے ایک سرحد کی بذات خود بنفس نفیس نگرانی کر رہے تھے اور اس کی حفاظت کے لئے رات بھر کھڑے رہتے تھے اور اگر ضرورت کے سبب ذرہ دیر کے لئے بھی کہیں جانا ہوتا تو اپنی جگہ کسی اور کو متعین کر جاتے تھے اور پھر جلد ہی دوبارہ اس جگہ واپس آ جاتے اور اس کی حفاظت شروع کر دیتے تاکہ آپ کے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دلجمعی اور ہمت بلند رہے جو آپ کی اتباع میں مدینہ منورہ کی حفاظت کر رہے تھے اور اپنی زبردست نگرانی اور بے مثال استطاعت و وحدت کی وجہ سے دشمن کو حملہ آور ہونے کا قطعی کوئی موقع نہیں دے رہے تھے۔

یہ ایک ایسی گھڑی تھی جس میں محاذوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کی طاقت تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک محاذ تو اس دشمن کا تھا جو عظیم الشان لشکر لے کر خندق کی جانب سے حملہ آور ہو گیا تھا اور ایک محاذ اس غدار دشمن کا تھا جو انہیں پیچھے سے نیزے مارنے اور ان پر حملہ کرنے کی کوشش میں تھا اور وہ بنو قریظہ کے یہودی تھے۔

صبح سے شام ہو جاتی، اور مسلمان اپنے اپنے محاذ و مقام پر تعب، تکان اور بھوک پیاس کے باوجود ویسے ہی ثابت قدم رہتے اور کوئی شخص بھی نہ اپنی جگہ سے ہلتا نہ اپنی جگہ کو خالی چھوڑتا۔ اس لئے کہ مشرکین کے لشکر خندق کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے شہسواروں کے لئے راستہ بنانے کے لئے مستقل تیر اندازی کرتے رہتے تھے۔

اس نیزہ بازی اور تیر اندازی کی وجہ سے کئی مشرک مارے گئے اور کئی مسلمان شہید ہوئے اور دونوں جماعتوں کے بہت سے آدمی زخمی بھی ہوئے جن میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے بازو میں ایک تیر لگا جس سے ایک رگ کٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا تو انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ:

اے اللہ اگر قریش سے جنگ کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے تو مجھے بھی اس وقت تک کے لئے زندہ رکھ، اس لئے کہ مجھے کسی بھی قوم سے جہاد کرنا اس قوم سے جہاد

toobaa elibrary.blogspot.com

کرنے کی بنسبت زیادہ محبوب نہیں جس قوم نے آپ کے رسول کو یہ اذیت پہنچائی اس کی تکذیب کی اور انہیں اپنے شہر سے نکال دیا، اور اے اللہ اگر آپ نے ہماری اور ان کی جنگ بند کرا دی ہے تو مجھے شہادت نصیب فرما اور مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک بنو قریظہ کو سزا نہ مل جائے اور اسے دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

اے حضرت سعد اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور اے بنو قریظہ کے غدار خائن یہودیو تمہارے لئے ہلاکت ہو تم پر خدا کی مار ہو [illegible] کہ اگر ان یہودیوں کی جانب سے خیانت اور غداری نہ ہوتی تو کافروں کی جماعت کی کمر مضبوط نہ ہوتی اور نہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اس پامردی سے ثابت قدم رہتے اور نہ ان کے گرد محاصرہ کو تنگ کرتے اور ہمارے اس وقت کے انتظار میں اپنی پوری قوت صرف نہ کرتے۔

ہم مسلمان اس پیش آمدہ پریشانی میں مبتلا تھے اور آنکھیں درماندہ اور کلیجہ منہ کو آ رہا تھا اور منافقین ہماری ناراضگی اور ناپسندیدگی کے اظہار سے باز نہیں آ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے دھوکہ دیا۔ ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی و سرور اور خوشخبری کے آثار ظاہر ہونے لگے اور آپ کی آنکھوں میں قریبی فتح پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے اس صورتحال

میں آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے اس بات کی دعوت تھی کہ وہ آپ کی خوشی کو دیکھ کر خوشخبری حاصل کریں اور وہ لوگ اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ اس کے پیچھے اللہ کی تائید و نصرت میں سے کسی نشانی کا ہاتھ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ وہ یہود و مشرکین کی ہمت پست کرنے کے لئے جو صورت مناسب سمجھیں اسے اختیار کریں۔ جب حضرت نعیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر کسی ایسی شکل کے بارے میں سوچنے لگے جس سے فتنہ کیا جائے اور ان کو اس غرض کے لئے اس سے اچھی کوئی اور ترکیب سمجھ میں نہ آئی کہ مسلمانوں سے لڑنے والے دونوں فریقوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر جنگ کرا دی جائے۔

چنانچہ حضرت نعیم فوراً بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس گئے۔ بنو قریظہ والے ان کو بخوبی جانتے تھے اور ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہتے تھے لہذا انہوں نے نہایت پرتپاک طریقہ سے ان کا استقبال کیا اور ان کو خوش آمدید کہا۔ جب وہ ان کے سرداروں اور بڑے حضرات کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ چکے تو انہوں نے اپنی مقصد کی بات شروع کر دی اور کہا اے بنو قریظہ والو تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تم سے کتنا تعلق ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے بالکل سچ کہا اور ہمیں آپ پر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

انہوں نے کہا، تم لوگوں نے محمد رصلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے قریش اور غطفان والوں سے معاہدہ کیا ہے اور اگر تم ان پر فتحیاب ہو گئے تو تم اور وہ دونوں ایک دوسرے کے شریک ہو گئے اور اگر تم کو شکست کھا گئے تو وہ تو اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں گے، اور تمہارے اور محمد رصلی اللہ علیہ وسلم، کے درمیان جنگ کا کھلا میدان چھوڑ جائیں گے، اور تمہیں یہ معلوم ہی ہے کہ تمہارے مکانات ان کے شہر میں ہیں، تمہارے اموال ان کی دسترس میں ہیں، لہذا ایسی صورت میں تمہارا حشر بنو قینقاع، اور بنو نضیر سے زیادہ بدتر ہو گا۔

بنو قریظہ کے سرداروں نے ان سے پوچھا اے ابن مسعود پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ تو انہوں نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہ ہو جب تک کہ گارنٹی کے طور پر ان کے کچھ معزز آدمیوں کو تم اپنے پاس بطور رہن نہ رکھ لو تاکہ اس بات کی ضمانت ہو کہ وہ لوگ اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک محمد رصلی اللہ علیہ وسلم، کو ختم نہ کر ڈالیں، بنو قریظہ نے کہا اے نعیم آپ کی رائے بہت عمدہ ہے اور ہم اسی پر عمل کریں گے۔

بنو قریظہ کو حضرت نعیم نے یہ وصیت کی کہ وہ اس بات کو بالکل مخفی رکھیں اور ان سے یہ وعدہ لے کر حضرت نعیم بنو قریظہ کے پاس سے رخصت

ہو کر ابوسفیان اور دیگر اہل قریش کے پاس آئے اور ان سے کہا اے قریش کی جماعت! تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے اور مجھے ایک اطلاع ملی تھی، اسی لئے میں نے ضروری سمجھا کہ تم تک وہ خبر پہنچا دوں تاکہ تم لوگ ہوشیار رہو، انہوں نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟

انہوں نے کہا مجھے یہ اطلاع ملی کہ بنو قریظہ نے محمد رصلی اللہ علیہ وسلم، کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو جو توڑا ہے اس پر وہ شدید نادم ہیں، اور انہوں نے محمد رصلی اللہ علیہ وسلم، کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ ان سے اس شرط پر صلح ہو جائیں کہ وہ ان کے پاس ان کے عوض قریش اور غطفان کے معززین میں سے کچھ آدمی بھیج دیں تاکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اس لئے یہ بات یاد رکھنا کہ اگر بنو قریظہ والے تم سے یہ مطالبہ کریں کہ تم اپنے کچھ آدمی ان کے پاس بطور رہن رکھو اور تو ایسا ہرگز نہ کرنا اور اپنا کوئی آدمی ان کے پاس بطور رہن نہ رکھنا قریش نے ان کو بہت شکریہ ادا کیا اور یہاں سے حضرت نعیم غطفان والوں کے پاس گئے، اور جو بات قریش سے کی تھی وہی بات ان کو بھی بتلا دی۔

حضرت نعیم کی اس بات کا قریش اور غطفان پر بہت گہرا اثر ہوا اور بنو قریظہ کی طرف سے جو اطلاع ملی تھی ان کے بارے میں ان کے سردار مشورہ کرنے کے لئے جمع ہو گئے، اور کافی دیر مشورہ اور بحث و مباحثہ کے بعد

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ طے پایا کہ بنو قریظہ کے پاس پیغام بھیجا جائے اور ان سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے فوری طور سے نکلے ساتھ آکر مل جائیں، اس لئے کہ اب ہم لوگ اس جگہ اس سے زیادہ ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

اس پیغام کو پہنچانے کے لئے ان لوگوں نے دونوں قبیلوں کے کچھ آدمیوں کے ایک وفد کو منتخب کیا۔ وفد ان سے جاکر ملا تو انہوں نے کہا، کل تو ہفتہ کا دن ہے اور اس دن ہم جنگ نہیں کر سکتے اس لئے کوئی اور دن متعین کرو لیکن شرط یہ ہوگی کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہیں کریں گے جب تک تم لوگ اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بطور رہن نہ رکھ دو تاکہ ہمیں یہ اطمینان رہے کہ اگر جنگ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پلہ بھاری رہا تو تم لوگ ہمیں چھوڑ کر نہیں بھاگو گے۔

یہ بات سن کر قریش اور غطفان والوں کو یقین ہو گیا کہ نعیم نے بالکل ٹھیک کہا تھا اور یہ کہ بنو قریظہ والے یہ بہانہ بنا کر لڑائی سے کنارہ کشی کر رہے ہیں جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ انہیں کچھ آدمی بطور رہن دے دئے جائیں جن کو وہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو راضی و خوش کرنے کے لئے پیش کرنا چاہتے ہیں، اس بات سے کافروں کی ان جماعتوں کی ہمت اور پست ہو گئی اور عزم کمزور پڑ گئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ دن بھی اور دنوں کی طرح گذر گیا۔ رات کو نہایت شدید آندھی آئی اور اس کے ساتھ نہایت زور دار موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور پھر اور تیز آندھی بھی آئی اور بارش کی تیزی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ مشرک اپنے خیموں اور پناہ گاہوں کی طرف دوڑے تاکہ آندھی کی شدت اور تیزی سے اپنے آپ کو بچا سکیں لیکن آندھی نے ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتی وہ اور تیز ہی ہوتی رہی اور اس کی آواز اور خوفناک ہوتی رہی اور اس کے ساتھ صحرا کی ریت اور کنکر بھی اڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں، رسیاں ٹوٹ گئیں اور ہانڈیاں پلٹ گئیں، اور ساز و سامان بکھر گیا اور ریت کے آنکھوں میں بھر جانے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو ہاتھوں کے سہارے تلاش کرنے لگے اور آندھی اور ہواؤں کی آواز کے ساتھ ساتھ ان کی آوازیں بھی بلند ہونے لگیں؛

بچ نکلنے کی کوشش کرو، چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرو، اور ابو سفیان کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔ اے قریش کی جماعت بخدا تم لوگ ایسی جگہ پر نہیں ہو جہاں ٹھہرا جا سکے، اونٹ اور چوپائے ہلاک ہو گئے اور بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ خلافی کی اور ان کی جانب سے ہمیں ناپسندیدہ خبر ملی اور اب آندھی سے ہمارا جو نقصان ہوا ہے وہ تمہارے سامنے ہے ہی اس لئے اب تم لوگ کوچ کر چلو میں جا رہا ہوں، اور یہ کہہ کر ابوسفیان

جلدی سے اپنی اونٹنی پر سوار ہو گیا اور اس کی قوم نے بھی اس کی پیروی کی اور کوچ کر گئے۔

ہفتہ کا وہ دن طلوع ہوا جو دن کافروں کے لشکروں اور بنو قریظہ کے درمیان مسلمانوں پر حملہ کرنے کے اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لئے طے ہونے والا تھا، لیکن ان کافروں کے پڑاؤ کی جگہ خالی اور ویران پڑی تھی اور ہواؤں اور آندھی نے ان کے تمام آثار و نشانات مٹا ڈالے تھے، اور قریش کے پیچھے پیچھے غطفان قافلے بھی جا چکے تھے، اور اللہ تعالٰی نے کافروں کے غیظ و غضب اور مکر و تدبیر کو واپس انہیں کی طرف لوٹا دیا اور انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا اور اسی طرح سے اللہ تعالٰی نے مؤمنین کو جنگ سے بچا لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے گھروں کو یہ فرما کر واپس ہونے کی اجازت دے دی کہ اس سال کے بعد قریش تم سے جنگ کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے بلکہ اب تم ان سے جنگ کرو گے۔

دوسرے دن مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا: جو شخص سن رہا ہو اور اطاعت کرنے والا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ عصر بنو قریظہ پہنچ کر پڑھے۔

مسلمان باوجود تھکے ماندے ہونے کے خوشی خوشی بنو قریظہ کی

جانب روانہ ہو گئے اس لئے کہ خوشی نے ان کے تھکاوٹ کو ختم کر دیا تھا اور سرور نے ان میں نشاط پیدا کر دیا تھا اور اب انہیں یہ وقت قریب آ گیا تھا کہ وہ بنو قریظہ کو وہ شکست دے دیں جو بنو قریظہ ان مسلمانوں کو کافروں کی جماعت کے ساتھ مل کر پہنچانا چاہتے تھے۔

یہودی اپنے قلعہ میں بند ہو گئے اور یہود کے محاصرہ پر کئی دن گذر گئے اور اس محاصرہ کی شدت سے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے تو ان کے سردار کعب بن اسد نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اسلام قبول کر کے ان کی پیروی اور اتباع کر لیں تاکہ جان بھی بچ جائے اور مال بھی، لیکن انہوں نے اس رائے کو نہ مانا، اور یہ کہا کہ: ہم توراۃ سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے اور نہ اس کے بدلے کسی اور کتاب کو اختیار کریں گے۔

تو ان کے سردار نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالیں، اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کے لئے تلواریں لے کر نکل پڑیں، پھر اگر وہ مر گئے تو ان کے پیچھے کوئی بھی نہ ہوگا اور اگر زندہ رہے تو اور عورتوں سے شادی کر لیں گے اور بچے پیدا کر لیں گے، لیکن یہود کو یہ رائے بھی پسند نہ آئی اور انہوں نے اس پر نکیر کرتے ہوئے کہا کیا ان مسکین اور بے قصوروں کو ہم قتل کر ڈالیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے مرنے کے بعد ہماری زندگی کا کیا فائدہ، کافی مشورہ اور غور و خوض کے بعد، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ انہیں بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح شام کے مقام اذرعات کی جانب جانے کی اجازت دے دی جائے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس رائے کو رد کر دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے بارے میں ان کے معاہدین و حلفاء میں سے اوس کا ایک آدمی فیصلہ کرے جس کے فیصلے کو وہ پسند کرتے ہوں بدقسمتی در شامت اعمال سے انہوں نے اس فیصلہ کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کی جائیداد اور اموال کو تقسیم کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سعد کے اس فیصلہ کو سنا تو فرمایا: اے سعد تم نے وہ فیصلہ کیا جو خدا کا فیصلہ تھا۔

مدینہ منورہ کے بازار میں خندقیں کھود دی گئیں اور وہاں جماعت کی شکل میں یہودیوں کو لے جایا گیا اور ان کی گردن مار کر ان کو خندقوں میں ڈال دیا گیا۔ ان مقتولین کی پہلی جماعت میں حُیَیّ بن اخطب بھی تھا۔ اس فیصلے کے کچھ دن بعد حضرت سعد کا اس زخم کی وجہ سے انتقال ہو گیا جو

toohaa elibrary.blogspot.com

انہیں تیر کی وجہ سے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا پوری کر دی تھی اور بنو قریظہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں مختصر جنگ کی غداری کی وجہ سے مسلمانوں کی ہلاکت قریب آ پہنچی تھی مگر بالغرض خدا کی نصرت و غیبی مدد اور خدا کی فوج سے مسلمانوں کی امداد نہ ہوتی تو مسلمان ہلاک ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت و مدد کو اس طرح بیان کیا ہے۔

«یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ اِذۡ جَآءَتۡكُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا وَّجُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا»	اے ایمان والو یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر بھیج دی ہم نے ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔

(الاحزاب - ۹)

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

۱۷

ادبِ و بیباک ذہنی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ. (الاحزاب - ۵۳)

اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے والے اس کے پکنے کی لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جاؤ پھر جب کھا چکو تو خود چلے جاؤ اور جی لگا کر آپس میں باتیں کرنے نہ بیٹھو تمہاری اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ کے پیچھے سے اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دلوں کے لئے بھی اور ان کے دلوں کے لئے بھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa elibrary.blogspot.com

ان آیات کریمہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بلادعوت نہ جائیں یا یہ کہ اگر ان کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے تو پھر جب وہ اس سے فارغ ہو جائیں جس کے لئے انہیں بلایا گیا ہے اور ان کو واپسی کی اجازت ہو جائے تو ان کو اپنے مقام کی طرف واپس ہو جانا چاہیئے۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پریشانی سے بچایا جو آپ کو اس وقت پیش آیا کرتی تھی جب مسلمان کو کھانے کی دعوت دی جائے یا کسی مشکل مسئلہ کے حل کے لئے یا کسی پیش آمدہ ضرورت کے موقعہ پر آپ کے گھر آتے اور زیادہ دیر بیٹھے رہتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات کریمہ ایسے وقت نازل فرمائیں تھیں جب آپ سخت تنگ ہو چکے تھے اور آپ کی شدت حیا اس بات سے مانع تھی کہ آپ مسلمانوں کے سامنے اس چیز کا اظہار کریں جس سے آپ کو تکلیف پہنچتی تھی یا یہ کہ اپنے پاس گھر پر آنے والے مسلمانوں سے صراحتاً وہ بات کہہ دیں جو آپ کے دل میں تھی۔

اس کی مثال یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعتوں کو کسی مناسبت سے کھانے کی دعوت دی تھی چنانچہ گروہ بہ گروہ مدعو حضرات کھانا کھانے کے لئے آتے رہے اور اس طرح سب اس کھانے میں شریک ہوتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا، کچھ کر بعض حضرات تو واپس چلے گئے مگر بعض حضرات وہیں بیٹھے قصہ گوئی میں مشغول رہے اور باتیں کرتے رہے اور بڑی دیر تک باتوں میں مشغول رہے یہاں تک کہ ان کی مجلس کے طویل ہونے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھک گئے اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ وہ باتیں ختم کر کے گھر سے چلے جائیں لیکن وہ بیٹھے باتیں کرتے ہی رہے اور انہوں نے اٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ کیا اور نہ واپس جانے کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اپنی بعض ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے گئے اور ان سے خیر خیریت معلوم کی اور پھر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ بعض مدعوئین اب تک بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی اور دل کو دکھ ہوا لیکن آپ کی نرم مزاجی اور شدت حیا نے آپ کو پھر بھی اپنے مہمانوں سے کسی بات کا اظہار نہ کرنے دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے کمروں کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہو گئے یہ دیکھ کر ان حضرات نے محسوس کر لیا کہ وہ مجلس طویل کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھ کا سبب بنے ہیں۔ چنانچہ وہ فوراً وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تنگ ہونے کو محسوس کر لیا تھا اس لئے جب یہ حضرات چلے گئے تو حضرت انس فوراً حضرت عائشہ کے گھر گئے تاکہ لوگوں کے چلے جانے کی اطلاع آپ کو دے دیں، تو کیا دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے دروازے سے مندرجہ بالا آیات تلاوت کرتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں جو آپ پر اللہ تعالیٰ نے اس وقت نازل فرمائی تھیں۔

حضرت انس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ کو، اپنی آمد کی غرض بتلا دی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا کر حضرت انس اور گھر والوں کے گھر کے درمیان کا پردہ گرا دیا اور اس طرح سے حجاب کی ابتداء اور مشروعیت ہوئی اور عورتیں مردوں سے پردہ کرنے لگیں۔

ان آیات اور ان کے علاوہ دیگر آیات کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عورتوں پر پردہ فرض کر دیا گیا اور تمام عورتوں پر یہ فرض کر دیا کہ وہ اپنی زینت و محاسن کو سوائے اپنے شوہروں اور عزیزوں کے کسی اور کے سامنے ظاہر نہ کریں اور ان کی عزت و کرامت کی حفاظت اور دلوں کی پاکیزگی کی خاطر، و حفاظت کے لئے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ بن سنور کر اس طرح سے باہر نہ نکلیں جس طرح پہلے جاہلیت کے دور میں نکلا کرتی تھیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس پردہ کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کے درمیان فرض کیا مسلمانوں کی اجتماعی و معاشرتی زندگی میں بہت سی نئی سنتیں جاری کر دی گئیں اور اس پردہ کے ذریعہ مسلمان مرد و عورت کے درمیان احترام کی ایک خاص قسم پیدا کر دی گئی اور ان کے درمیان معاشرت میں خاص قسم کی شروط مشروع کر دی گئیں۔

اس حکم کے بعد اب مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر یا تو آپ کی زیارت سے جاتے یا مدعو ہوتے تو جاتے اور جب اس کام سے فارغ ہو جاتے جس کے لئے گئے تھے تو فوراً وہاں سے رخصت ہو جاتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو قصہ گوئی اور بات چیت کی جگہ نہ بناتے۔

اور اس موقعہ پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر کامل نعمتوں کی بارش کی ہوئی تھی اور اس مرحلہ پر جب کہ مسلمانوں کو اپنے دشمن کفار قریش پر فتح حاصل ہوئی تھی اور ان کو بنو قریظہ کے ان یہودیوں سے نجات مل گئی تھی جنہوں نے ان کے ساتھ غداری کی تھی۔

اس موقعہ پر مسلمانوں نے راحت و اطمینان کا سانس لیا اور اپنی نفوس میں اطمینان و سکون کو محسوس کیا اور اس کا واضح اثرات کی زندگی پر ظاہر ہونے لگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے اموال میں سے فقراء و مساکین اور مسافروں کے لئے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر باقی حصہ مسلمانوں پر تقسیم

کر دیا تھا اور اسی طرح ان کی عورتوں اور بیٹیوں کو بھی غلام و باندی کے طور پر تقسیم فرما دیا تھا اور قیدیوں کی ایک جماعت کو نجد بھیج کر ان کے بدلے میں گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے اور اس طرح سے مسلمانوں کی طاقت و قوت میں اضافہ ہوا اور وہ اور زیادہ محفوظ ہو گئے اور اس طرح سے مسلمانوں کو سکون نصیب ہوا اور اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے ان کے نفوس کو راحت ملی۔

بنو قریظہ کے قیدیوں میں سے ریحانہ نامی باندی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی تو آپ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اس سے کہا کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو آپ اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیں گے اور اس طرح سے وہ بجائے باندی بننے کے ام المومنین کا درجہ حاصل کر لے گی لیکن اس نے اس بات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہودی رہنے پر اصرار کیا اور اس طرح سے اس نے آزادی حاصل کر کے نکاح تک آنے سے یہ کہہ کر اعراض کیا کہ آپ مجھے اپنی ملک میں رکھیں یہ میرے لئے اور آپ کے لیے دونوں کے لئے زیادہ آسان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا اگرچہ آپ کو دل ہی دل میں اس پر غصہ بھی تھا اور اس کی بات سے آپ کو سخت دکھ بھی ہوا تھا پھر دوں بعد ریحانہ اسلام لے آئی جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس عہد اور مدت میں جس میں مسلمان مدینہ منورہ میں امن کے سایہ تلے زندگی گذار رہے تھے اور راحت و سکون ان کو حاصل تھا اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فکر میں مشغول تھے کہ ایسے اسباب مہیا کئے جائیں جن سے مسلمانوں کا یہ امن باقی رہے اور یہ راحت ان کو مستقل حاصل رہے اور اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی آپ ان کی تلاش میں تھے اور دعوت اسلام کے پھیلانے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں مشرکین کو اس کی دعوت دینے اور درست پر لانے کے لئے جو راستہ اختیار کرنا چاہیئے آپ اس کی جستجو میں تھے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بھی نہیں بھلایا تھا کہ ان قبیلوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے جن کے ساتھ معاہدہ نہیں کیا گیا تھا یا جن کے ساتھ معاہدہ نامہ نہیں لکھا گیا تھا اور آپ ان قبیلوں کی طرف سے بھی غافل نہ تھے جو غداری کر چکے تھے یا جن سے خیانت کی توقع تھی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاصدوں اور جاسوسوں کو ادھر ادھر بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ جس قدر بھی خبریں حاصل کر سکیں وہ آپ کے پاس لے آئیں تاکہ ان کی مدد سے آپ مناسب تدابیر اختیار کریں اور ان خبروں کی روشنی میں جو تدبیر اور جو راستہ اختیار کرنا چاہیئے اسے عملی جامہ پہنا سکیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طریقہ کو اختیار کرتے تھے وہ یہ تھا کہ جس قبیلہ کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ آپ اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے تو اس سے پہلے کہ وہ حملہ کرے آپ خود اس پر حملہ آور ہو جاتے اور اس طرح جس کو آپ نے امان دیا ہوتا یا اس کے ساتھ نرم برتاؤ کیا ہوا ہوتا اور اس کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ خیانت کر رہا ہے یا غداری کر رہا ہے اس پر بھی آپ فوری حملہ کر دیا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نہ بھلا سکے جنہیں آپ نے بعض قبیلے والوں کے پاس قرآن کریم سکھانے اور دین اسلام کی تعلیم دینے اور اسے سمجھانے کے لئے بھیجا تھا لیکن انہوں نے غداری کی اور ان حضرات کو شہید کر ڈالا۔ اسی لئے جب آپ کو قریش پر فتح حاصل ہو گئی اور آپ نے بنو قریظہ کو ختم کر ڈالا، جس پہلو پر آپ نے سب سے پہلے سوچنا شروع کیا وہ یہ تھا کہ بنو لحیان کے خلاف جہاد کے لئے نکلا جائے تاکہ ان سے ان حضرات کے خون کا بدلہ لے سکیں جنہیں یوم الرجیع کو شہید کر دیئے گئے تھے۔ یعنی حضرت خبیب بن عدی اور ان کے وہ ساتھی جو اپنی وفاداری کی وجہ سے قربان ہو گئے اور جنہوں نے دین کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہدین کے ساتھ بنو لحیان سے جنگ کے لئے نکلے لیکن آپ نے اپنے اس ارادے کو کھلم کھلا ظاہر نہیں فرمایا تاکہ دشمن

پر اچانک بے خبری کی حالت میں حملہ کر سکیں۔ بجائے اس کے کہ آپ جنوب کی جانب واقع بنو لحیان کی آبادی کا مکہ کے قریبی راستہ سے قصد کرتے، اس کے بجائے آپ مدینہ منورہ سے شمال کی جانب رخ کر کے شام کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپ نے یقینی طور سے یہ محسوس کر لیا کہ وہاں کوئی ایسا جاسوس نہیں ہے جو آپ کی نقل و حرکت دیکھ سکے اور دشمن مقصود پر مطلع ہو سکے تو آپ جنوب کی جانب مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہو گئے، اور مدینہ منورہ سے دور ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے چلے یہاں تک کہ آپ غران مقام پر بنو لحیان کی آبادی تک پہنچ گئے لیکن آپ نے دیکھا کہ ان کے مکانات پر سکون ہیں ان میں کسی قسم کی نقل و حرکت نہیں۔ نہ وہاں لوگ ہیں اور نہ کوئی قابل ذکر ساز و سامان اور آپ نے یہ محسوس کر لیا کہ بنو لحیان والوں نے آپ کے آنے کو اس وقت محسوس کر لیا تھا جب آپ ان کے شہر کی طرف آ رہے تھے اور ان کے جاسوسوں نے آپ کو ان کی طرف آتا دیکھ کر ان کو اس کی اطلاع کر دی اور وہ لوگ چٹانوں کے درمیان گھاٹیوں میں اپنے سامان سمیت چلے گئے اور اپنی جان بچانے کے لئے پہاڑ کی چوٹیوں کا رخ کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب عسفان مقام پر کچھ دنوں کے لئے پڑاؤ ڈالا لیکن جب قریش کا کوئی فرد بھی میدان میں نہیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی پر ابھی چند راتیں ہی گزری تھیں کہ مدینہ کے بعض اطراف پر غطفان کے کچھ آدمیوں نے حملہ کر دیا جن کی سربراہی عیینہ بن حصن کر رہا تھا۔ ان لٹیروں نے اپنے سامنے اونٹوں کو چرتے ہوئے دیکھا جن کی رکھوالی ایک مرد اور اس کی بیوی کر رہی تھی، ان لٹیروں نے اس شخص کو قتل کر ڈالا اور اس کی بیوی اور اونٹ اپنے ساتھ لے گئے اور جلدی سے واپس لوٹ گئے اور یہ سمجھے کہ انہیں یہ مال مل گیا ہے اور انہیں کسی نے دیکھا نہیں ہے لیکن محض ان کی غلط فہمی تھی اس لیے کہ اس جگہ کے قریب سے ہی حضرت سلمہ بن عمرو بن الاکوع اسلمی کمان اور تیر اٹھائے جنگل جانے کے ارادہ سے گزر رہے تھے ان کے پیچھے ان کا غلام گھوڑا لیے جا رہا تھا حضرت سلمہ کی نگاہ ان لٹیروں پر پڑ گئی اور انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ عورت کو پیچھے بٹھائے ہوئے اونٹوں کو لے کر بھاگے چلے جا رہے ہیں تو انہوں نے بلند آواز سے مدد کے لیے، کہہ کر پکارا کہ حملہ ہو گیا ہے بچاؤ مدد کرو۔

پھر وہ خود ان لٹیروں کو پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور تھوڑی دیر میں ان تک پہنچ گئے اور تان تان کر تیر مارنے لگے حضرت سلمہ کی یہ آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی اور آپ نے مدینہ مدینہ میں خطرہ کا اعلان کرا دیا، فوراً مدینہ منورہ کے شہسوار فوراً ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ نے انہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان لٹیروں کے تعاقب کا حکم دے دیا اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کا لشکر لے کر نکل کھڑے ہوئے اور لپکتے ان سواروں سے جا ملے جنہوں نے لٹیروں سے کچھ اونٹ چھڑا لیے تھے جن میں سے ایک اونٹنی پر وہ مسلمان عورت بھی سوار تھی جسے یہ لٹیرے اغوا کر کے لے جا رہے تھے لیکن لٹیرے جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور جا کر اپنی قوم غطفان میں چھپ گئے لیکن پھر بھی اس سے پہلے پہلے مسلمان ان میں سے بعض کو قتل کر چکے تھے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول اگر آپ اجازت دیں تو میں سو آدمیوں کو لے کر ان لوگوں پر حملہ کر ڈالوں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اب جب کہ یہ لٹیرے اپنی قوم غطفان والوں تک پہنچ گئے ہیں تو اب اس حملہ سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور اونٹوں کو چرانے والی وہ عورت جو لٹیروں سے خلاصی پا چکی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی اے اللہ کے رسول میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے

اس اونٹنی کے ساتھ نجات دے دی تو میں اس کو ذبح کر دوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا۔ تم تو اسے بہت برا بدلہ دے رہی ہو۔ اللہ نے تمہیں اس پر سوار کیا اور اسی کے ذریعہ تمہیں نجات دلائی اور تم پھر بھی اس کو ذبح کر دو گی یاد رکھو اللہ کی نافرمانی کی نذر درست نہیں ہوتی، اور اس طرح اسی چیز کی نذر بھی جس کی تم مالک نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو المصطلق عرب کی مختلف جماعتوں کو آپ سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھا کر رہے ہیں اور ان جماعتوں کا سربراہ بنو المصطلق کا سردار الحارث بن ابی ضرار ہے یہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بنو المصطلق والوں سے ان کے گھروں میں لڑنے کے لئے نکلنے میں تاخیر نہ کی اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ آپ نکل پڑے چونکہ بنو المصطلق کی آبادی مدینہ منورہ سے کوئی زیادہ دور نہ تھی اس لئے عبداللہ بن ابی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں نکل پڑا اور اس کے ساتھ منافقوں کی ایک جماعت بھی ساتھ ہو لی جن کا مقصد اس آسانی سے مال غنیمت کو حاصل کرنا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور ان میں سے جس کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے تھے

حسب عادت اس مرتبہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ اندازی کی اور قرعہ فال حضرت عائشہ کے نام کا نکلا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج نے بنو المصطلق کی فوج پر اچانک بے خبری کے عالم میں اس سے پہلے حملہ کر دیا کہ وہ اپنی تیاری مکمل کریں اور ساز و سامان تیار کریں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب کی جماعتیں بنو المصطلق سے تتر بتر ہو کر ادھر ادھر بھاگ گئیں اور انہوں نے بنو المصطلق والوں کو مسلمانوں کے لئے یک و تنہا شکار بنا دیا مسلمانوں اور بنو المصطلق والوں کا آمنا سامنا بنو المصطلق کے ایک چشمہ کے پاس ہوا جس کا نام مریسیع تھا، دونوں جماعتوں کے باہمی جنگ کوئی زیادہ دیر نہ چل سکی اور جلد ہی بنو المصطلق شکست کھا گئے اور ان کے اونٹ اور حیوانات اور بچے اور عورتیں مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن گئیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس انعام سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور مریسیع چشمہ کے پاس آرام کرنے اور سیراب ہونے کے لئے ٹھہر گئے۔ چشمہ پر آنے والوں میں حضرت عمر بن الخطاب کا ایک ملازم بھی تھا جو ان کا گھوڑا بان تھا اور اس کو جہجاہ بن مسعود کہا جاتا تھا چشمہ پر جہجاہ کا خزرج کے آدمیوں میں سے ایک آدمی سے جھگڑا ہو گیا اور آپس میں لڑائی ہونے لگی۔ خزرجی نے آواز لگائی: اے انصار کی جماعت اور جہجاہ نے آواز لگائی: اے مہاجرین کی جماعت:

toobaa-elibrary.blogspot.com

مہاجرین و انصار دونوں کے کچھ حضرات ان جھگڑا کرنے والوں کے پاس پہنچ گئے اور ان کا جھگڑا ختم کر دیا۔ یہ خبر عبداللہ بن اُبی کو بھی ملی جو اپنے بدکار منافقوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا وہ سخت ناراض ہو گیا اور کہنے لگا یہ مہاجرین ہمارے شہر میں بہت بڑھ گئے ہیں، اور ہماری اور ان کی مثال بالکل وہی ہے جو پہلے کہہ گئے ہیں کہ، اپنے کتے کو موٹا کرو وہ تم کو ہی کھا جائے گا بخدا اگر ہم مدینہ واپس لوٹ گئے تو ہم میں سے جو زیادہ معزز ہوگا وہ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دے گا اور پھر اس نے اپنی قوم کے ان افراد سے جو اس کے پاس بیٹھے تھے یہ کہا

یہ مصیبت تم نے خود ہی اپنے سر مول لی ہے۔ ان لوگوں کو اپنے شہر میں لا ٹھہرایا اور ان میں اپنا مال تقسیم کر دیا بخدا اگر تم ان کو وہ مال نہ دیتے جو تمہارے پاس تھا تو یہ تمہیں چھوڑ کر کہیں اور چلے جاتے عبداللہ بن اُبی کی یہ بات حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت نوعمر لڑکے تھے سن لی چونکہ زید سچے مومن اور پکے مسلمان تھے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عبداللہ بن اُبی جو فتنہ پھیلانا چاہتا تھا اور مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو فتنہ و فساد اور شر اس کے دل میں تھا اس کی اطلاع آپ کو دے دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر نہایت شدید غصے کے

آثار ظاہر ہوئے لیکن آپ نے حضرت زید سے کہا: اے لڑکے ہو سکتا ہے تم سے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

انہوں نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے نبی ایسا نہیں ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو سکتا ہے تم سمجھ نہ سکے ہو۔

انہوں نے عرض کیا بات وہ ہی ہے جو میں سن چکا ہوں اے اللہ کے رسول!

اس بات چیت کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے اور جب انہوں نے عبداللہ بن اُبی کی اس خیانت کے بارے میں سنا تو ان کو بہت سخت غصہ آیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ہم میں سے کسی شخص کو اس کے قتل کرنے کا حکم دے دیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا۔

اے عمر یہ تو بتاؤ کہ اگر لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں تو پھر کیا ہوگا؟ اس لئے ایسا نہ کرو بلکہ لوگوں میں کوچ کا اعلان کر دو۔

مسلمانوں کے لشکر میں واپسی کے لئے تیار ہونے کی منادی ایک ایسے وقت کر دی گئی جب سخت گرمی اور دھوپ میں تیزی تھی اور عام طور سے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے اس لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسے وقت کوچ کرنے کے اعلان سے صحابہ دہشت زدہ اور متحیر ہو گئے لیکن جلد ہی ان میں عبداللہ بن اُبی کی بات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر مطلع ہونے، اور اس سے ناراض ہونے کی بات مشہور ہو گئی۔

چنانچہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول، آپ نے ایسے وقت میں کوچ کرنے کا حکم دیا ہے جس میں آپ کوچ کرنے کا حکم نہیں دیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں اپنے ساتھی عبداللہ بن اُبی کی بات کا علم نہیں ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس پہنچ گیا تو باعزت لوگ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔

حضرت سعد نے فرمایا: اے اللہ کے رسول اگر آپ چاہیں تو اسے نکال دیں، اس لئے کہ وہی ذلیل ترین ہے اور آپ معزز ترین ہستی ہیں۔

اور حضرت عبادہ بن صامت عبداللہ بن اُبی کے پاس گئے اور اس سے کہا: اے عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر معافی مانگ لو۔

عبداللہ بن اُبی نے ان کی بات سن کر اعراض کیا اور گردن پھیر لی تو حضرت عبادہ نے فرمایا: خدا کی قسم تمہارے اس اعراض اور منہ پھیرنے پر قرآن کریم کی ایسی آیت نازل ہوگی جو تلاوت کی جاتی رہے گی۔

لیکن اس سب کے بعد عبداللہ بن اُبی بزدل ہو گیا، اور جو بات اس

کی طرف سے نقل کی گئی تھی اس کا انکار کرنے لگا بلکہ اس سے بڑھ کر خدا کی قسم کھانے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس کی بات پہنچائی گئی ہے اس نے وہ بات کہی ہی نہیں ہے، حضرت زید بن ارقمؓ کے پاس کچھ جو گئے اور بعض ان کا مو، خذہ کرنے لگے، اور اس بات پر ان کو ملامت کرنے لگے کہ انہوں نے عبداللہ بن اُبی کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کیوں پہنچائی، اور بعض حضرات ان کی تکذیب کرنے لگے، اور ان کی سنی ہوئی بات کو غلط فہمی پر محمول کرنے لگے، لیکن حضرت زید اپنی صداقت پر مُصر رہے اور برابر یہ کہتے رہے کہ انہوں نے بالکل سچی و درست بات پہنچائی ہے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک فرما دیا کہ:

مجھے تو یہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بارے میں آیت نازل فرمائیں گے جس سے آپ لوگوں کو میرے سچے ہونے کا علم ہو جائے گا۔

مسلمان بنو المصطلق کے مکانات سے کوچ کر گئے، اور ان کے ساتھ قیدی، اور مالِ غنیمت بھی تھا۔ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تیزی سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ تھے اور راستہ میں سونے یا ضرورت کے علاوہ کسی جگہ نہ ٹھہر رہے تھے۔

ایک روز حضرت زید بن ارقم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

چل رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک دراز کیا اور حضرت زید کا کان پکڑ کر کھینچ کر فرمایا۔ اے لڑکے تمہارے کان نے بالکل صحیح سنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے۔

پھر اپنے ارد گرد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ یہ وہ شخص ہیں جن کے صحیح سننے کی اللہ نے تصدیق کر دی ہے! اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی آیات کریمہ نازل فرما دی ہیں جن سے عبداللہ بن اُبی کی غداری اور خیانت اور بدباطنی ثابت ہو گئی ہے اور حضرت زید بن ارقم کی سچائی اور اخلاص واضح ہو گیا ہے۔

تمام مسلمانوں کو عبداللہ بن اُبی کے جھوٹ کا اندازہ ہو گیا اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جیب، منافقین کے نفاق پر مطلع کر دیا ہے اور یہ واضح کر دیا کہ وہ مسلمانوں میں تخریب اور اختلافات پیدا کرنے کے لئے اندر اندر کس طرح سے کوشاں ہے تو آپ اس کی نظروں سے اسے قتل کر دیں گے۔

اس واقعہ کے بعد بہت سے مسلمانوں نے عبداللہ بن اُبی کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کر دیا اور اس سے بات کرنا بند کر دی اور بعض حضرات اس کو اس کی اس حرکت پر سخت سست اور برا بھلا کہنے لگے۔ لیکن عبداللہ بن اُبی نہایت شرمندگی اور رسوائی کی حالت میں صرف یہ کہتا۔ آئندہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

مسلمانوں کا قافلہ تیزی سے مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھا۔
قافلہ کے افراد تھکے ماندہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور اندیشی اور ایک مصلحت کی خاطر ایسا کیا تھا اور وہ یہ کہ قافلے والے عبداللہ بن اُبی کی بات کی طرف توجہ نہ کر سکیں اور اس کے فتنہ سے غافل رہیں یہاں تک کہ ان کے سفر کی آخری دور مدینہ میں داخلہ سے پہلی رات آ گئی۔ اس وقت آرام کرنے کے لئے ٹھہرنے کا حکم ملتے ہی قافلوں والوں نے جیسے ہی پہنچ کر زمین پر ٹیک لگائی فوراً ہی گہری نیند نے ان پر قبضہ کر لیا اور وہ سو گئے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے کوچ کرنے کا اعلان کر دیا

اس وقت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کے لشکر سے نکل کر ضرورت قضاء حاجت کے لئے گئی ہوئی تھیں ان کے گلے میں ان کا پسندیدہ ایک ہار پڑا ہوا تھا جو سفید و سیاہ موتیوں کا بنا ہوا تھا جب وہ قافلہ میں واپس آئیں اور لوگ کوچ کے لیے تیاری کر رہے تھے تو انہیں ہار گم ہونے کا احساس ہوا، تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا تو انہیں یہ خیال ہوا کہ جس جگہ وہ قضاء حاجت کے لئے گئیں تھیں ہار وہاں نہ گر گیا ہو لہٰذا واپس جا کر تلاش کیا اور وہ ہار مل گیا۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس جگہ واپس پہنچیں جہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا تو وہاں لشکر کا نام و نشان نہ تھا اس لئے کہ لوگوں نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جلدی سے کجاوے کسے اور اس جگہ سے فوراً ہی رخصت ہو گئے حضرت عائشہ اس جگہ حیران و پریشان کھڑی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اس لئے کہ تمام قوم ان کو لق و دق صحرا میں تن تنہا چھوڑ کر رخصت ہو چکی تھی اور وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عائشہ اپنے ہودج میں، اس اونٹ پر سوار ہیں جو ان کے قافلے کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

دراصل ان حضرات نے یہی سمجھا بھی تھا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ہودج کے اٹھانے والے، اور اونٹ ہنکانے والے حضرات کی عادت یہ تھی کہ وہ ہودج کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ کے سامنے لا کر رکھ دیا کرتے تھے۔ یہ اپنے خیمہ سے نکل کر اس میں بیٹھ جاتی تھیں۔ لوگ آتے اور ہودج کو اونٹ کے اوپر رکھ کر باندھ دیا کرتے تھے اور اس کی نکیل پکڑ کر منزل مقصود کی جانب لے جایا کرتے تھے۔

اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا کہ لوگوں نے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دبلی پتلی اور نوعمر تھیں اس لئے ان اٹھانے والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ام المومنین حضرت عائشہ اس میں نہیں ہیں اور پھر انہوں نے خیمہ اکھاڑ کر سفر شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً صورت حال سمجھ لی اور یہ یقین کر لیا کہ لوگ جب یہیں ہودج میں اونٹ پر نہ پائیں گے تو ان کو تلاش کرتے ہوئے

اس جگہ واپس پہنچ جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی ان کو کچھ سکون ہوا، اور انہوں نے چادر اوڑھ لی اور دھڑکتے دلوں کا انتظار کرتے ہوئے اسی جگہ بیٹھ گئیں۔

اتفاق یہ ہوا کہ لشکر سے پیچھے رہنے والوں میں سے حضرت صفوان بن معطل سلمی بھی تھے۔ وہ اپنے اونٹ پر سوار اس کو تیزی سے دوڑا کر اپنے ساتھیوں تک پہنچنے کے خواہش مند تھے کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو صحرا کی ریت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حضرت صفوان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کے حکم سے پہلے دیکھا ہوا تھا انہیں دیکھتے ہی حضرت صفوان دہشت زدہ ہو گئے اور گھبراہٹ میں سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے کہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ آپ پر رحم کرے آپ کیسے پیچھے رہ گئیں اور پھر حضرت صفوان نے اپنے اونٹ کو حضرت عائشہ کے قریب کر دیا اور ان سے عرض کیا کہ آپ سوار ہو جائیے۔

اور پھر خود پیچھے ہٹ گئے حتیٰ کہ وہ سوار ہو گئیں۔ پھر حضرت صفوان آگے بڑھے اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر تیزی سے چلنے لگے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قافلے کے ساتھ مل سکیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنی تیزی سے سفر کر رہے تھے کہ حضرت صفوان اپنے اونٹ کو لے کر ان تک نہ پہنچ سکے اور مسلمان مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے اور ان کے پیچھے پیچھے حضرت صفوان اس اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے داخل ہوئے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت

toobaa- elibrary.blogspot.com

عائشہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔

اہل مدینہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قافلے سے بچھڑنا معلوم ہوا اور حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے رہ جانے کا سبب بتلا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات میں غور و فکر کرنے کے لئے یکسو ہو گئے اور بنو المصطلق میں جو مال ذخیرہ حاصل ہوا تھا وہ مسلمانوں میں تقسیم فرمانے لگے۔

بنو المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ایک انصاری ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ جویریہ نے یہ چاہا کہ اپنے آپ کو قید سے چھڑا لے اور ثابت بن قیس کو اپنی جان کے بدلے مال دے دے۔ حضرت ثابت نے فدیہ کی رقم کی مقدار زیادہ بڑھا دی۔ چنانچہ جویریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امداد کی طالب بن کر یہ کہتی ہوئی آئی۔

میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی ہوں اور میں ایک پریشانی میں گرفتار ہو گئی ہوں جو آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں میں نے ان سے مال کے بدلے اپنے کو آزاد کرانا چاہا تھا اس سلسلہ میں میں آپ کی مدد کی خواستگار ہوں آپ میری مدد فرما دیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ کیا میں تم کو اس سے اچھا اور بہتر مشورہ نہ دوں؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے سب فدیہ کا مال ادا کر دیتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی کر لو۔

انہوں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول یہ ٹھیک ہے۔

اور اس طرح سے جویریہ مسلمان ہو گئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں باندیوں کی صف سے نکال کر امہات المومنین و مومنوں کی ماؤں کی صف میں کھڑا کر دیا۔

مومنوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح کر کے انہیں بہت اعزاز بخشا ہے تو انہوں نے بنو المصطلق کے ان قیدیوں کو جو ان کے پاس تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔

اور اس طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جویریہ سے نکاح ان کی قوم کے لئے بڑا فائدہ مند ثابت ہوا حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لئے جویریہ سے زیادہ بابرکت اور فائدہ مند ثابت ہوئی ہو۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد مسلمانوں عبد اللہ بن اُبی کے بارے میں بھی

ریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا انتظار کرتے رہے اور ان کو اس بات کا تقریباً
یقین سا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں قرآن کریم کی آیات تک
نازل فرما دی ہیں تو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قتل کا حکم ضرور دیں
گے۔ لیکن عبداللہ بن اُبی کے صاحبزادے عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس یہ کہتے ہوئے آیا:

اے اللہ کے رسول مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرنا چاہتے ہیں
اس لئے اگر آپ یہ کرنا ہی چاہتے ہیں تو آپ مجھے حکم دے دیجئے میں ان کا سر
آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا اس لئے کہ بخدا خزرج کو معلوم ہے کہ ان میں
مجھ سے زیادہ کوئی شخص اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا نہیں ہے اور
مجھے ڈر یہ ہے کہ اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو ان کے قتل کا حکم دے دیں تو شاید
میں اپنے والد کے قاتل کا دیکھنا گوارہ نہ کر سکوں اور اس شخص کو مار ڈالوں تو گویا
میں ایک کافر کے بدلے میں مومن کو قتل کر دوں گا اور اس کی وجہ سے جہنم میں
داخل ہو جاؤں گا۔

خوشخبری ہو تمہارے لئے اے عبداللہ! تمہارے دل میں کیسی زبردست
آگ بھڑک رہی تھی اور آپ خود ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کر رہے
ہیں کہ اپنے والد کا سر ان کی خدمت میں پیش کر دیں؟!
آپ کے دل کی اس وقت کیا حالت ہوگی جب آپ میں دو طرح کے

دو جذبے اور عوامل موجود ہوں ایک عامل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لانے کا اور دوسرا عامل اپنے باپ سے حسن سلوک کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبداللہ کی طرف
عظمت و جلال اور شفقت کی نظر سے دیکھ کر فرمایا:

نہیں ہم اس کے ساتھ نرم معاملہ کریں گے اور وہ جب تک ہمارے
ساتھ ہے ہم برابر اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے۔

سبحان اللہ! اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا عفو و درگذر کتنا زیادہ
اور آپ کی نرمی کتنی بلند و بالا ہے۔

اور اس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کو معاف فرما
دیا اور اس کی جان بچا لی اور اس واقعہ کے بعد اس کی زندگی اس کے بیٹے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایا میں سے ایک ہدیہ ہو گئی۔

اور اس طرح سے پھر جب کبھی عبداللہ بن اُبی سے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے خلاف کوئی حرکت سرزد ہوتی تو اس کی قوم اس کو ملامت کرتی
اور برا بھلا کہتی اور اس کو یاد دلاتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر کتنا بڑا
احسان ہے حتیٰ کہ ایک دن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر
بن الخطاب سے فرمایا۔

اے عمر تمہاری کیا رائے ہے۔ بخدا اگر میں عبداللہ بن اُبی کو اس روز

toolaa-elibrary.blogspot.com

قتل کر ڈالتا جس دن تم نے مجھے اسے قتل کرنے کو کہا تھا تو اس کی وجہ سے بہت سے لوگ بھڑک جاتے اور اگر انہی لوگوں کو میں آج اس کے قتل کرنے کا حکم دوں تو وہ خود اس کو قتل کر ڈالیں گے اور یہ بالکل صحیح بات تھی، اس لئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء ہی میں اس کے قتل کی اجازت دے دیتے تو اس کی وجہ سے اس کی قوم کے بہت سے لوگ ناراض ہو جاتے۔ لیکن آپ کے حُسنِ معاملہ اور حسن تدبیر نے تمام لوگوں کو اس کے خلاف کر دیا اور سب اس سے ناراض ہو گئے اور اس سے نفرت کرنے لگے حتی کہ اس کا بیٹا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اس بات کی اجازت مانگ رہا تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کر دے اور اس وجہ سے حضرت عمر سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے:

بخدا میں نے یقین کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم میرے حکم سے زیادہ بابرکت اور مفید تھا۔

ٹھیک اس وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ آپ غزوہ بنو المصطلق کے بعد سفر سے فارغ ہو چکے ہیں اور عبداللہ بن اُبی کے فتنہ کی سرکوبی کر دی ہے لیکن اس وقت مدینہ منورہ کی فضاؤں میں کچھ اور ہی گردش ہو رہی تھی، اور مجلسوں میں ایک بات پر کانا پھوسی ہو رہی تھی اور ادھر سے اُدھر کچھ باتیں دائرہ میں گردش کر رہی تھیں جن کا محور

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلمانوں کے لشکر سے پیچھے رہ جانا اور حضرت صفوان بن معطل کے ساتھ تنہا مدینہ منورہ آنا، بس یہی تھا بعض چغلخوروں نے تو ایک ہاتھ اور آگے بڑھ کر حضرت عائشہ اور حضرت صفوان کے بارے میں کھلم کھلا غلط بات کہنا شروع کر دی جن لوگوں نے ان دونوں کی طرف صراحۃً غلط بات کی نسبت کی تھی اور اس بات کو آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا ان میں سے ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن حمنہ بنت جحش اور شاعر اسلام حسان بن ثابت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک عزیز مسطح بن اثاثہ بھی تھے۔

عبداللہ بن اُبی کو ان افواہوں میں اپنی شریر نفس کا دل خوش کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بھڑاس اور کینہ و حسد نکالنے کے لئے بہترین موقعہ مل گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اس کے ہاتھ آگیا تھا چنانچہ وہ ان باتوں کے ادھر اُدھر پھیلانے اور مشہور کرنے میں لگ گیا۔

جس وقت اہل مدینہ میں یہ باتیں گردش کر رہی تھیں اس وقت حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھیں اور ان کو کچھ پتہ نہ تھا کہ ان کے بارے میں کیا کیا غلط باتیں مشہور کی جا رہی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ان کی والدہ ام رومان ان کی دیکھ بھال میں مشغول تھیں اور ان کو خوب معلوم تھا کہ ان کی بیٹی کے بارے

میں یہ غلط پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے لیکن وہ ابھی تک ان باتوں میں سے کسی بات کا تذکرہ کرنے کی طاقت نہ رکھتی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان باتوں کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا اور آپ کو اس سے سخت صدمہ اور دکھ ہوا اور آپ اس کشمکش و پیچ میں گرفتار ہو گئے کہ کیا اس بات پر کان دھریں اور اعتماد کریں جو حضرت عائشہ اور صفوان کے بارے میں اہل مدینہ کہہ رہے ہیں یا اس کے بجائے حضرت عائشہ کے ایمان، پاکبازی، اور عفت و بلند نفسی جس کا آپ کو بخوبی علم تھا اور حضرت صفوان کے خلوص و تقویٰ کی وجہ سے ان دونوں کو پاک باز اور بے عیب تصور کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بے چین اور مضطرب تھے اور آپ نہ کسی ایک رائے پر قائم رہ سکے اور نہ ایک حالت پر قرار رہ سکے اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ جب آپ حضرت عائشہ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے تو ان سے اور ان کی والدہ سے اتنا کہنے کے اور کچھ نہ کہہ پاتے۔ کیا حال ہے؟ کیسی طبیعت ہے اور پھر اس سے زیادہ اور کوئی بات کہے بغیر وہاں سے واپس ہو جاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان اور حیرت زدہ ہو گئیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں صحت کی حالت میں عزت و محبت اور شفقت و پیار کا عادی بنایا تھا اور اب جبکہ وہ بیمار ہو کر کمزور اور صاحب فراش تھیں تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ صحت سے زیادہ عزت و محبت کی امید تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ جس کا سبب حضرت عائشہ کو معلوم نہ تھا اس کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا اور اس کی وجہ سے وہ سخت غمگین ہو گئیں اور ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میری بیماری آپ پر شاق ہو رہی ہے آپ سے عرض کیا: اگر مجھے آپ اجازت دے دیں تو میں اپنی والدہ کے یہاں چلی جاؤں وہ میری تیمارداری کر لیں گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کوئی حرج نہیں چلی جاؤ۔

حضرت عائشہ وہاں سے اپنے والد کے گھر منتقل ہو گئیں جہاں ان کی والدہ ان کی تیمارداری کرتی رہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خشک برتاؤ سے سخت متعجب اور غمگین رہیں۔ بعض لوگوں کی باتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا تھا کہ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لائے اور کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا، اے لوگو! بعض لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ میرے اہل و عیال کے بارے میں باتیں کر کے مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور غلط باتیں کرتے ہیں بخدا میں نے انہیں اچھا اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاک باز ہی پایا اور یہ الزام ایک ایسے شخص پر لگاتے ہیں جس کو بخدا میں نے شریف اور نیک ہی پایا ہے اور وہ میرے گھروں میں سے کسی بھی گھر میں میری غیر موجودگی میں کبھی داخل نہیں ہوا۔

یہ سن کر اوس کے سردار حضرت اسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول اگر یہ لوگ اوس سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم ان کا بندوبست کریں گے، اور اگر وہ لوگ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہیں تو ان کے بارے میں آپ ہمیں جو حکم دینا چاہیں دے دیں اس لئے کہ خدا کی قسم یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں چونکہ حضرت عائشہ وصفوان کے بارے میں غلط باتیں کرنے والوں کی اکثریت کا تعلق خزرج سے تھا اس لئے عبداللہ بن ابی نے اپنی قوم میں یہ بات پھیلانے اور مشہور کرنے میں بہت نشاط سے کام کیا تھا، اس لئے حضرت اسید بن حضیر کی یہ بات سن کر خزرج والے غصہ میں کھڑے ہوگئے اور قریب تھا کہ اوس وخزرج میں سخت جنگ چھڑ جائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت و تدبیر سے اس کو رفع دفع کرا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ اس معاملہ میں اپنے بعض مخلصین سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ اپنے پاس علی بن ابی طالب اور اسامہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بن زید کو بلایا اور لوگوں کی مشہور کردہ باتوں کے بارے میں ان سے ان کی رائے پوچھی تو حضرت اسامہ نے حضرت عائشہ کی بہت تعریف کی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ آپ کی اہلیہ ہیں اور آپ نے انہیں اچھا ہی پایا ہے اور یہ بات جو لوگ پھیلا رہے ہیں یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔

حضرت علی نے یہ فرمایا کہ اے اللہ کے رسول اور عورتیں بہت ہیں اور آپ ان کے علاوہ دوسروں سے شادی کر سکتے ہیں آپ باندی سے پوچھ لیجئے وہ سچی بات بتلا دے گی۔

چنانچہ حضرت عائشہ کی باندی بریرہ کو بلایا گیا اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت عائشہ کی بہت تعریف کی۔ حضرت علی نے ان کو دھمکایا اور مارا اور اس سے کہا اللہ کے رسول سے بالکل سچ سچ کہو، لیکن وہ حضرت عائشہ کی تعریف کرنے میں تھک نہیں رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ بخدا مجھے تو ان کے بارے میں خیر اور بھلائی کا ہی علم ہے اور میں حضرت عائشہ کو کسی بات پر ٹوکتی تھی تو صرف یہ تھی کہ میں آٹا گوندھ دیا کرتی تھی اور ان سے کہا کرتی تھی کہ اس کی نگرانی کرنا، اور دیکھ بھال رکھنا لیکن وہ سو جایا کرتی تھی اور بکریاں آکر اسے کھا لیا کرتی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے پاس معلومات کرنے تشریف لے گئے جن کی بہن حمنہ ان لوگوں میں

سے تھیں جنہوں نے اس مسئلہ پر باتیں کی تھیں۔ حضرت زینب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، میں تو اپنی آنکھ اور کانوں کی حفاظت کرتی ہوں اور غلط بات سے بچاتی ہوں۔ میں نے حضرت عائشہ کو نیک و صالح ہی پایا ہے۔

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ آپ حضرت عائشہؓ کے پاس جاکر ان کو وہ باتیں بتلا دیں جو لوگوں نے ان کے سلسلہ میں مشہور کر رکھی تھیں اور پھر ان سے صحیح بات کے بارے میں معلوم کریں۔

اس وقت تک حضرت عائشہ کو بھی لوگوں کی ان باتوں کا علم ہو چکا تھا اور ان کو ان کی ایک قریبی عزیزہ نے یہ سب کچھ بتلا دیا تھا۔ یہ باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت پر بہت بڑا اثر پڑا تھا اور وہ شفایاب ہو چکی تھیں لیکن یہ باتیں سن کر دوبارہ بیمار پڑ گئیں اور نہایت کمزور ہو گئیں، اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایسی لڑی جاری تھی جو رکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ چنانچہ وہ مستقل روتی رہتی تھی، اور اب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دور دور رہنے اور الگ تھلگ ہونے کے راز کا علم ہو چکا تھا اور ان کو یہ بات بہت شاق گذری تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ایسی بدگمانی پر کان کیوں دھرے اور آپ ان کے سلسلہ میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

شک و شبہ میں کیوں مبتلا ہوئے۔

حضرت عائشہ نے اپنی والدہ سے بھی اس بات کی شکایت کی کہ انہوں نے یہ بات ان سے چھپائے کیوں رکھی۔ چنانچہ اپنی والدہ سے فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، لوگوں کو جو باتیں بنانا تھیں وہ بناتے رہے اور آپ نے مجھ سے کسی بات کا تذکرہ نہیں کیا۔ تو ان کی والدہ نے فرمایا میری پیاری بیٹی ذرا تحمل سے کام لو، اس لئے کہ بخدا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس خوبصورت بیوی ہو اور وہ شخص اس کو چاہتا بھی ہو اور اس عورت کی اور سوکنیں بھی ہوں تو وہ اس کے خلاف طرح طرح کی باتیں بناتی ہیں اور دوسرے لوگ بھی باتیں بناتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت عائشہ کے پاس ان کے والدین بھی بیٹھے تھے اور وہ رو رہی تھیں اور ان کے برابر ایک انصاری عورت بھی بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے عائشہ، بات یہ ہے کہ جو بات تم کو لوگوں کی طرف سے پہنچی ہے وہ تو ہو چکی اب خدا سے ڈرو اور اگر بالفرض تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ سے توبہ کرلو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ فرما چکے تو حضرت عائشہ کی بُری و پاکباز اور غیر مجرم نفس کی قوت اور کرامت و عزت کے شعور کے جوش نے ان کی آنکھوں سے آنسو خشک کر دیئے، اور وہ اپنے والدین کی طرف دیکھتی رہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیتے ہیں لیکن ان کے والدین بالکل خاموش رہے اور ایک لفظ بھی نہ بولے تو انہوں نے ان دونوں سے کہا: آپ دونوں جواب کیوں نہیں دیتے؟! ان کے والدین نے کہا: بخدا ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ ہم کیا کہیں۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ ان کے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی کوئی بات نہیں کر رہے ہیں جو انہیں آپ کی نظروں میں بَری کر سکے تو ان کے آنسوؤں نے ان کا دم گھونٹ دیا اور وہ دوبارہ رونے لگیں اور پھر فوراً ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

خدا کی قسم آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کی معافی میں ہرگز نہیں مانگوں گی اور نہ توبہ کروں گی اس لیے کہ بخدا مجھے یہ معلوم ہے کہ اگر میں اس بات کا اعتراف کر لوں جو لوگ کہہ رہے ہیں حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں اس سے قطعاً بری ہوں۔ تو میں اس بات کا اقرار کیوں کر لوں گی جو ہوئی نہیں ہے اور اگر میں اس بات کا انکار کر دوں جو لوگوں نے مشہور کر رکھی ہے تو آپ لوگ

میری تصدیق نہیں کریں گے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئیں اور پھر فرمایا: میں تو وہی بات کہوں گی جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے فرمائی تھی:

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (یوسف ۱۸)	اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتی ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو۔

اس دردناک آزمائش و امتحان میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حضرت عائشہ کی توقع سے زیادہ ان کے قریب تھی اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی کچھ زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ آپ کی وہ کیفیت ہو گئی جو وحی نازل ہونے کے وقت ہوا کرتی تھی۔ حاضرین نے آپ کو چادر اڑھادی اور سرہانے تکیہ رکھا اور سب یہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پریشانی اور بے چینی کو دور کرنے کے لیے آپ پر اپنی وحی نازل فرمائے گا۔ حضرت عائشہ نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے کسی قسم کے جزع فزع اور گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا لیکن ان کے والدین کی حالت یہ تھی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ختم نہیں ہو گئی اس وقت تک یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس خوف و ڈر سے ان کی جان نہ نکل جائے کہ اللہ کی

toobaa elibrary.blogspot.com

جانب سے ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جس سے لوگوں کی مشہور کی ہوئی غلط بات کی تصدیق ہوتی ہو۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کر تشریف فرما ہو گئے اور اپنی پیشانی سے پسینے کے ان قطرات کو پونچھنے لگے جو آپ کے چہرۂ مبارک پر بہہ رہے تھے اور آپ کا چہرہ روشن، چمکدار اور ہشاش بشاش تھا۔ اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ خوشخبری سن لو اللہ تعالیٰ نے تمہاری بری ہونے کی وحی نازل فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آہستہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے رخصت ہو کر مسجد تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے اللہ کے اس فضل و رحمت کو بیان کیا جو حضرت عائشہ کے شامل حال تھا اور ان کو وہ آیات کریمہ تلاوت کر کے سنائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس مسئلہ کے بارے میں نازل فرمائی تھیں۔

پھر آپ نے حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، حمنہ بنت جحش (یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف علانیہ طور سے غلط بات کی نسبت کی تھی) کو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے کوڑے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مارنے کا حکم دیا تھا وہ کوڑے مارے گئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ میں یہ حکم دیا:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ»	اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں کو، پھر نہ لائے چار گواہ تو ان کو اسی درے مارو، اور قبول نہ کرو ان کی گواہی کبھی اور وہی لوگ نافرمان ہیں۔

(النور ۔ ۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

خوشا چشم کو دید آں روئے زیبا
خوشا دل کہ دارد خیال محمد

toobaa-elibrary.blogspot.com

(١٨)

صلح حدیبیہ

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ
وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ
أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

(الانفال۔ ٣٤)

اور ان میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ کرے ان پر اللہ اور وہ تو روکتے ہیں مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار والے نہیں، اس کے اختیار والے تو وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن ان میں اکثروں کو اس کی خبر نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پہ مطلع کرتے رہتے تھے کہ وہ ان مشرکین سے کس قدر ناراض ہیں جو نیک و صالح مسلمانوں کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے، اور اس کا حج کرنے سے منع کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے جو حرکتیں یہ لوگ اختیار کرتے ہیں، اس کا بدلہ لینے کے لئے ان مشرکین کے لئے جو عذاب مقرر کر رکھا ہے اور سزا تیار کر رکھی ہے وہ بیان کرتے رہتے تھے۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کئے ہوئے مسلمانوں کو چھ سال ہو

toobaa-elibrary.blogspot.com

چکے تھے اور اس عرصہ میں ان کے دل کعبہ کی زیارت کے مشتاق تھے۔ جس سے انہیں دور کر دیا گیا تھا اور ان کی خواہش اس بیت اللہ کے پاس جانے کے لئے بے تاب تھیں جس کے پاس تمام قبائل عرب کو جانے کی اجازت تھی لیکن قریش نے اس کو مسلمانوں کے لئے حرام کر رکھا تھا اور اس کی زیارت سے مسلمانوں کو روک رکھا تھا۔

ایک روز صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ۔ (الفتح: ۲۷)

تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن سے۔

یہ سن کر مسلمانوں کی خوشی و سرور کی کوئی انتہا نہ رہی وہ اتنے خوش ہوئے جسے بتایا نہیں جا سکتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہایت خوش کن خبر سنائی تھی اور مسلمانوں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی سچا خواب دکھایا گیا ہے جس سے ان کے سامنے اس آرزو پورا ہونے کے دروازے کھول دئیے ہیں جس کے وہ ایک عرصہ سے متمنی اور بے تاب تھے۔

مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ مسلمان اس کے

بیت عتیق مسجد حرام کی زیارت کریں۔

لیکن سوال یہ تھا کہ مسلمان مکہ میں کیسے داخل ہوں گے؟ اور بیت حرام کی زیارت کس طرح کر سکیں گے جب کہ قریش ان کے شدید دشمن ہیں اور ان کو نقصان پہنچانے کے منتظر ہیں؟ کیا مسلمان قریش سے جنگ کریں گے اور قریش مانع ہیں؟ یا یہ کہ قریش ان کے زیارت بیت اللہ جانے کے لئے راستہ کھول دیں گے؟!

ذی قعدہ کے مہینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے لوگوں میں حج کے لئے جانے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ مسلمان سفر کے لئے سامان تیار کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں پھیل گئے اور اللہ کے بیت کی تکریم اور اعزاز میں ذبح کرنے کے لئے بکریوں کو جمع کرنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب قبائل میں اپنے ساتھ حج پر جانے کی منادی کرا دی۔ چنانچہ بعض قبیلہ والوں نے آپ کی منادی پر لبیک کہی اور بعض نے تاخیر کی اور بہت سے قبائل پیچھے رہ گئے اور یہ عذر کرنے لگے کہ ہمیں اہل وعیال اور اموال نے مشغول کر دیا اور پھر ان میں کے بعض بعض سے یہ کہنے لگے کہ مسلمان تو دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اپنے گھر والوں اور اہل وعیال کے پاس کبھی بھی واپس نہ آ سکیں گے۔

مکہ کے سفر کے لئے مسلمانوں نے تیاری مکمل کر لی۔ چنانچہ حضرت مدینہ

منورہ سے نکلے اور جو اہلِ عرب ان کے ساتھ جانا چاہتے تھے وہ ان کے ساتھ ہو لئے اور سب کے سب چل پڑے اور چودہ سو آدمیوں کا یہ قافلہ عمرہ کا احرام باندھ کر چل پڑا۔ آگے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصویٰ نامی اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت ام سلمہ تھیں۔ قربانی کے لئے اپنے ساتھ ستر اونٹ اور بکریاں لے جا رہے تھے ہتھیاروں میں ان کے پاس صرف نیام میں رکھی ہوئی تلواریں تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی جانب چل پڑے، اور چلتے چلتے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا جس کا نام سرزمین عسفان تھا۔ وہاں خیمے لگا دیے، جانور باندھ دیے اور کھانا پکانے کے لئے آگ جلائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمرہ کی نیت سے نکلنے کی اطلاع قریش کو ملی اور وہ اس صورت حال سے ڈر گئے کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آ گئے اور اس کے باوجود کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جنگیں اور لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ پھر بھی آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔

قریش نے اپنے شہسواروں کا ایک لشکر تیار کیا جس کے امیر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل تھے چنانچہ یہ دونوں اس لشکر کو لے کر ذی طویٰ نامی جگہ پر پہنچے اور مسلمانوں کا انتظار کرنے کے لئے وہاں چھپ گئے۔

مسلمانوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ قریش نے ان کے استقبال کے لیے کیا کچھ

تیار کر رکھا ہے۔ ابھی مسلمان عسفان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہی تھے کہ انہوں نے ایک شہسوار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا اور وہ بنو خزاعہ کے بشر بن سفیان تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو یہ معلوم تھا کہ بنو خزاعہ کی اکثریت ان کی طرف ہے اور وہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی خیر خواہی اور بھلائی چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے بشر سے قریش کے بارے میں دریافت کیا۔ چنانچہ بشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور کہا:

قریش کو آپ کی روانگی کا علم ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی طبیعتوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور انہوں نے بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ اس لئے انہوں نے جنگجو شہسواروں کی ایک طاقتور جماعت آپ لوگوں کی جانب روانہ کر دی ہے اور وہ لوگ مکہ کے قریب ہی آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ اپنی کمین گاہوں سے آپ لوگوں پر اچانک بے خبری کی حالت میں حملہ کر کے آپ لوگوں کو ختم کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہلاکت ہو قریش کے لئے انہیں تو جنگوں نے ختم کر دیا۔ اگر یہ لوگ میرے اور دیگر تمام قبائل عرب کے درمیان رکاوٹ ختم کر کے راستہ کھلا چھوڑ دیتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا اس لئے کہ اگر وہ عرب مجھے ختم کر دیں تو ان کی تو خواہش و تمنا پوری ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ دے دیتا تو وہ کثرت سے اسلام میں داخل ہو

جاتے۔ بخدا جس دین کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے میں اس کے لئے اس وقت تک جہاد کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غلبہ نہ دے دے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف یہ فرماتے ہوئے توجہ فرمائی۔

اے میری قوم قریش تمہیں روکنے کے لئے نکلے ہیں۔ اس لئے اگر ہم اسی راستہ پر چلتے رہے تو ہمارے اور ان کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے گا جو خونریزی کا سبب بنے گا اور یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ بتلاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو ہمیں اس راستہ کے علاوہ کسی دوسرے راستہ سے لے جائے جس پر قریش ہمارے منتظر بیٹھے ہیں۔

صحرائی رستوں کے واقف قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے آگے بڑھ کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول۔ یہ کام میں انجام دوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر تم قافلہ کے آگے حصے میں چلے جاؤ اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے ہیں۔

چنانچہ ان صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی اور اسے لے کر پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ایک نامانوس اور غیر معروف راستہ پر چلنے لگے۔ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے تھے، یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کو ایک ایسی سرزمین پر لے گئے جو ہموار اور صاف ستھری تھی اور پھر انہیں داہنی

طرف لے چلے، اور ایک معروف راستہ پر چلتے رہے حتیٰ کہ نچلی جانب سے مکہ کی طرف تک پہنچ گئے۔ وہیں پر حدیبیہ مقام کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اسے اٹھانے اور چلانے کی بہت کوشش کی لیکن اس اونٹنی نے وہاں سے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے کوئی تکلیف ہو گئی ہے یا کسی روکنے والی چیز نے اسے روک دیا ہے۔

مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اونٹنی تھک گئی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ اس کا ٹھہر جانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور اللہ کی طرف سے اس میں کوئی حکمت ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو یہ فرماتے ہوئے وہیں اترنے کا حکم دیا، قریش آج کے دن مجھ سے جو بھی ایسا راستہ اختیار کرنے کو کہیں گے جس میں صلہ رحمی ہوتی ہو تو میں اس کو مان لوں گا۔

لوگوں نے سوال کیا اے اللہ کے رسول یہاں تو کوئی چشمہ بھی نہیں ہے جس پر ہم قیام کر سکیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر ان میں سے ایک صاحب کے حوالہ کیا وہ اس تیر کو لے کر چاروں طرف پھیلے ہوئے خشک کنوؤں ـــــــ میں سے ایک کنویں میں اترے اور اس میں اس کو گاڑ دیا۔ چنانچہ وہاں سے پانی ابلنے لگا۔ پانی کو بہتا دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطمئن ہو گئے اور وہیں پڑاؤ ڈال لیا اور خود بھی

سیراب ہونے لگے اور اپنے جانوروں کو بھی پانی پلانے لگے۔

مکہ کے کفار نہایت متفکر اور شدید پریشان ہو گئے اور انہوں نے اپنی تمام آرزوئیں اس امید پر قائم کی ہوئی تھیں کہ مسلمانوں کی تیاری اور جنگ کے لئے ہوشیار ہونے سے قبل ہی خالد بن ولید اپنے لشکر سمیت ان پر اچانک حملہ کر دیں گے، خالد کفار مکہ کے پاس آئے اور انہیں بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حدیبیہ مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ان کی تدبیر اور منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ اس لئے اب انہیں کیا کرنا چاہیئے؟۔

وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں کفار مکہ نے ان کے گھروں سے رات کو نکالا تھا اس وقت وہ ان کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ مہاجرین و انصار ان کے ساتھ ہیں اور ان کفار مکہ نے اگرچہ مسلمانوں کو جنگ احد میں وقتی شکست بھی دے دی تھی لیکن انہوں نے مسلمانوں کی شجاعت و بہادری اور دین و عقیدہ کی خاطر جفاکشی اور ثابت قدمی کا تجربہ بھی کر لیا تھا۔

قریش کے سربراہ و سرکردہ لوگ دوبارہ اپنی مشورہ گاہ دار الندوہ میں جمع ہوئے اور وہ بہت غمگین اور سخت ڈرے ہوئے تھے۔

اگر مسلمان ان کے شہر اور ان کے گھروں میں داخل ہو گئے تو اس کی وجہ سے تمام عرب قبائل سے قریش کا رعب و ہیبت ختم ہو جائے گی۔

اس لئے انہوں نے دوراندیشی کا مظاہرہ کیا اور قسم اٹھائی کہ جب تک ان کے جسموں میں جان ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔

تبادلہ خیال ہوتا رہا منصوبے بنتے رہے اور اس پر غور ہوتا رہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کے باہر ہوتے ہوئے ان کو ڈرا دھمکا رہے ہیں اور خود قریش میں ان کی پیروی اور اتباع کرنے والے موجود ہیں جو ان کے رسول ہونے پر ایمان لائے ہیں، اس لئے اگر بالفرض یہ لوگ بھی مسلمانوں سے مل گئے تو یہ قریش کی پشت میں ایک کانٹا بن جائیں گے۔

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: جیسے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس جنگ کرنے کی نیت سے نہیں آئے ہیں تو ایسی صورت میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم انہیں تدبیر اور بات چیت کے ذریعہ واپس کرنے کی کوشش کریں اور اگر وہ ہمارے خلاف کچھ کرنا چاہیں گے اور ہم پر جنگ مسلط کریں گے اور ہم سے لڑیں گے تو ہم جنگجو اور شہسوار ہیں اور جنگ احد کے آثار اب تک ان کے ذہنوں میں ہیں۔

ابوسفیان نے کہا، اے عرب کے بھائی تمہاری کیا رائے ہے؟

اس شخص نے کہا، میری رائے یہ ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بنو خزاعہ کے کچھ آدمی بھیج دیں جو ان سے مل کر ان کا مقصد معلوم کریں۔

ابوسفیان نے کہا: تم نے بنو خزاعہ کا انتخاب کیوں کیا ہے، ہمیں

ان کے مکر کرنے کا ڈر ہے اس لئے کہ وہ تو ان کے دوست اور مخلص ہیں۔

اس شخص نے جواب دیا، آپ بنو خزاعہ سے غداری کا خوف نہ کھائیے اس لئے کہ مکہ میں ان کی جائیداد اور بیوی بچے اور بوڑھے اور عورتیں ہیں۔ بھلا جب ان کی املاک اور جانیں ہمارے قبضے میں ہیں تو وہ ایسی صورت میں غدر کیسے کریں گے۔ قریش نے اس رائے کو پسند کیا اور اس سے اتفاق کیا اور اس غرض کے لئے ان کی نظر انتخاب بدیل بن ورقا خزاعی پر پڑی جو اس وفد کے سربراہ ہوں گے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل کا استقبال کیا۔ بدیل نے آپ کے سامنے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا۔

قریش کے پاس جاکر ان سے یہ کہو: ہم بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں اور وہ اس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں اس لئے اگر قریش اس بات پر صلح کر لیں کہ ہمیں راستہ دے دیں گے اور وہاں تک جانے دیں گے تاکہ ہم مذہبی شعائر کو ادا کریں اور پھر ہم طواف کر کے زیارت سے فارغ ہو کر وہاں سے چلے جائیں تو اس پر صلح کر لیں۔

وفد مکہ مکرمہ واپس چلا گیا اور قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا پیغام پہنچا دیا۔ پیغام سن کر قریش میں از سر نو اختلاف پیدا ہوگیا۔

ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی جائے اور ان کو بیت الحرام آنے دیا جائے۔ دوسرا فریق اس کے خلاف تھا اور اس رائے کی مخالفت کر رہا تھا۔

ابوسفیان نے کہا، کیا تم اپنے دشمنوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو اس بات کی اجازت دو گے کہ وہ تمہاری سرزمین کو اپنے پاؤں تلے روندیں، اس طرح سے تو تم اپنے سروں پر ہمیشہ کے لئے ذلت و رسوائی کو باندھ لوگے۔

لوگوں نے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوسفیان نے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ تم ان کے پاس حبشیوں کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیج دو اس لئے کہ وہ ایک ایسی قوم کا سردار ہے جو طاقت و قوت اور جنگ میں مشہور ہے اس لئے اگر حلیس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم سے روک سکے تو مسئلہ حل ہوگیا اور اس کے ذریعہ ہم ان سے چھٹکارا حاصل کریں گے اور وہ ہمیں ان کے شر سے بچا لے گا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی بات نہ مانی اور اسے واپس کر دیا تو وہ غیرت میں آجائے گا اور ہمارے ساتھ مل کر اور ہماری صفوں میں شامل ہو کر ان سے جنگ کرے گا۔

حلیس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آتے دیکھا تو اپنے صحابہ سے فرمایا۔ یہ دیکھو حلیس آرہا ہے اور اس کا ایک ایسی قوم سے تعلق ہے جو خدا کو مانتی ہے اور ھدی کی تعظیم و احترام کرتی ہے اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھول دو تا کہ وہ دیکھ لے اور یہ سمجھ لے کہ ہم صلح و آشتی کی فضا میں صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں نے اونٹوں، اور بھیڑوں دنبوں کو کھول دیا۔ حلیس نے ان جانوروں کو دیکھا کہ ان کے گلے میں قلادے پڑے ہوئے ہیں جو اس بات کی علامت ہیں کہ یہ جانور اللہ کے راستہ میں قربانی کرنے کے لئے ہیں اور زیادہ وقت گذرنے کی وجہ سے ان قلادوں نے وہاں سے بال ختم کر دیئے تھے۔ یہ دیکھ کر حلیس نہایت متاثر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے بغیر ہی مکہ واپس ہوگیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ قریش کو بتلا دیا تو قریش نے اس سے کہا: تم تو دیہاتی بدو ہو تمہیں کیا پتہ ہے۔

یہ سن کر حلیس سخت ناراض ہوگیا اور اس نے ان سے کہا: بخدا ہم نے تم سے اس لئے معاہدہ نہیں کیا تھا! اور نہ اس پر صلح کی تھی؟ کیا جو اللہ کے گھر کی تعظیم کے واسطے آئے تم لوگ اس کو روک دو گے؟ یہ عجیب بات ہے کہ بیت اللہ کے حج کے لئے تمام عرب قبائل تو آئیں لیکن اس سے

عبد المطلب کے اس صاحبزادے کو روک دیا جائے۔ جو حسب و نسب و عزت و شرافت والے ہیں۔ سن لو اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بیت اللہ آنے سے روکا تو تمام کے تمام حبشہ والوں کو بیک آواز جمع کر لوں گا اور ان کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔

قریش حلیس کے غصہ و ناراضگی سے خوف زدہ ہوگئے اور ان کو راضی کرنے کی کوشش کرنے لگے اور ان سے کہنے لگے: اے حلیس تم ذرا سا ٹھہر جاؤ تاکہ ہم اپنے لئے جو پسند کرتے ہیں اسے طے کریں۔

قریش نے پھر یہ سوچا کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی شخص کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجنا چاہیئے تاکہ وہ شخص ان کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دے۔ چنانچہ انہوں نے اس کام کے لئے عروۃ بن مسعود کو منتخب کیا۔ چنانچہ جب قریش کے سرکردہ لوگوں نے اس موضوع پر عروۃ سے گفتگو کی تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ اس سے پہلے جو پیغامبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے تھے قریش نے انہیں کس طرح بے وقوف گردانا تھا یہ سوچ کر عروہ نے اس کام کے کرنے سے معذرت خواہی کی لیکن وہ ان سے کہتے رہے اور ان کو مجبور کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفیر بن کر جانا منظور کر لیا۔

عروۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے عرض کیا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ اپنے شہر اس ارادہ سے آئے ہیں کہ اس کو اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لئے ان لوگوں کے ساتھ مل کر فتح کر لیں جنہیں آپ نے مختلف قبائل عرب سے اکٹھا کیا ہے ؟ یاد رکھیے کہ قریش آپ کے مقابلہ کے لئے نکل چکے ہیں اور آپ لوگوں سے جنگ کرنے کے لئے انہوں نے چیتوں کی کھال پہن رکھی ہے اور اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ آپ ان کے شہر میں زبردستی ہرگز داخل نہیں ہو سکتے اور میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ جنہیں آپ نے اکٹھا کیا ہے یہ آپ کو چھوڑ کر تتر بتر ادھر ادھر منتشر ہو جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کی بات کاٹ کر آواز بلند فرمایا۔

تو ذلیل و رسوا ہو جاؤ۔ کیا ہم نبی رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہرگز نہ بھاگیں گے۔

عروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے ہوئے آپ کی لحیہ مبارکہ کو ہاتھ لگاتا جاتا تھا حضرت مغیرہ بن شعبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے تھے جب بھی عروہ اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لحیۂ مبارکہ پر لگانا چاہتا تو حضرت مغیرہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر کہتے: اپنے ہاتھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک

سے دور رکھو۔

عروہ نے یہ محسوس کر لیا اور یقین کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مکہ مکرمہ صرف اس بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں جو تمام عرب کا کعبہ ہے۔ اور آپ کی آمد کا مقصد اس گھر کی تعظیم و تکریم ہے نہ کہ قتل و غارت کرنا اور خون خرابہ کرنا۔

عروہ قریش کے پاس یہ سب کچھ دیکھ کر واپس آیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی ان کے لئے کیسے جاں نثار اور شیدائی ہیں اور اس نے قریش کے سرکردہ لوگوں سے کہا۔

اے قریش کی جماعت میں کسریٰ کی بادشاہت کے دور میں کسریٰ کے یہاں اور قیصر کے دور حکومت میں قیصر کے یہاں اور نجاشی کی بادشاہت میں نجاشی کے یہاں گیا ہوں الغرض میں نے کسی بادشاہ کو کسی ـــــــــ قوم میں ایسا معظم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں میں ہیں وہ وضو نہیں کرتے مگر یہ کہ ان کے جاں نثار ان کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ ان کے جسم کا کوئی بال نہیں جھڑتا مگر یہ کہ وہ اسے اٹھا لیتے ہیں اور میں نے تو ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو ان کو ہرگز کسی کے حوالے نہیں کر سکتی اس لئے تم اپنی رائے پر غور و فکر کر لو۔

یہ سن کر قریش حیرت میں پڑ گئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کے مقابلہ کے لئے کس سے کو اختیار کرنا چاہیئے، اس لئے کہ ہمیں بخوبی معلوم ہو چکا تھا کہ آپ بیت اللہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ آپ جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ خصوصاً جب کہ یہ بات ان کے یہاں دلیل سے ثابت ہو چکی تھی اور اس کی دلیل یہ تھی کہ ان کے بے وقوفوں اور ناسمجھوں کی ایک جماعت مسلمانوں کے خیموں کی طرف چلی گئی، اور ان پر پتھر اور تیر برسانا شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے ان کو پکڑ لیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر کے قریش کے پاس جانے دیا اس لئے کہ آپ خون خرابہ نہیں کرنا چاہتے تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آپ اپنے ایک قاصد کو قریش کے پاس اپنے آنے کا مقصد بتانے کے لئے بھیج دیں اور ان سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ وہ لوگ آپ کو آپ کا مقصد و ارادہ کو پورا کرنے دیں

اس مقصد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، چنانچہ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کی اپنے ایک عزیز ابان بن سعید سے ملاقات ہوئی جو انہوں نے حضرت عثمان کو قریش کی تکالیف سے بچانے کے لئے اپنی حمایت اور پناہ میں لے لیا تاکہ وہ پیغام رسانی کر سکیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل قریش سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے مسلمانوں کی بات پر بیٹھ گئے یا ان کے ارادے کے سامنے گردن جھکانے اور اسے ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت عثمان سے کہا:

اے عثمان اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو طواف کر لیجئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا: میں تو اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں۔

عبد اللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھا، قریش نے اس کو پیغام بھیجا کہ اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو آ جاؤ اور طواف کر لو، تو ان کے بیٹے نے ان سے کہا:

میرے ابا: میں آپ کو خدا کا خوف یاد دلاتا ہوں آپ ہمیں ہر جگہ ذلیل نہ کریں کیا آپ خود طواف کر لیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہیں کیا ہو گا؟!

یہ سن کر عبد اللہ بن ابی نے بھی قریش کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور قریش کا پیغام لانے والے سے کہا: میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہیں کر لیتے۔

عبداللہ بن اُبی کی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم ہوئی اور آپ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔

قریش کے سرداروں اور حضرت عثمان بن عفان کے درمیان طویل بات چیت و مذاکرات ہوتے رہے اور اس طرح حضرت عثمان کو مکہ میں کافی وقت تک رکنا پڑا حتیٰ کہ مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ یہ سن کر سخت ناراض ہو گئے اور محرم اور حرام مہینے میں اس غداری کی خبر سن کر آپ اپنے صحابہ سے یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ: ہم اس وقت تک اس جگہ سے نہیں ہلیں گے جب تک قریش سے مقابلہ نہ کر لیں۔

اور باوجود اس کے کہ آپ جنگ سے بچنا چاہتے تھے لیکن جب حضرت عثمان کو شہید کرنے کی اطلاع آپ کو ملی تو آپ نے جنگ کا عزم کر لیا اور تمام مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کی اور یہ عہد کیا کہ اس وقت تک لڑیں گے جب تک جسم میں جان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

مسلمان ابھی بیعت کر ہی رہے تھے کہ قریش نے یہ طے کیا اور اس

بات پر تیار ہو گئے کہ حضرت عثمان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سہیل بن عمرو کو بھیجا جائے تاکہ وہ آپ سے یہ صلح کر لیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سال واپس ہو جائیں اور آئندہ سال زیارت کے لئے آئیں اور وہ یہ کہنے لگے۔ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عرب ہمارے بارے میں یہ کہنے لگیں کہ وہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے شہر میں زبردستی طاقت کے بل بوتے پر داخل ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے پاس لوٹ آئے اور ان کے پیچھے پیچھے سہیل بن عمرو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے آگیا اور سہیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

میں آپ کے پاس ایک ایسا معاہدہ لایا ہوں جس میں آپ اور ہمارے دونوں کے لئے بھلائی اور سلامتی ہے اور ہماری اور آپ کی دونوں کی جانوں کی حفاظت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ کیا شرطیں ہیں جو تمہاری قوم نے تمہیں بتلا کر بھیجی ہیں!

سہیل نے کہا: اس سال آپ لوگ مکہ مکرمہ سے بغیر زیارت کئے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آپ لوگ آجائیں ہم تین دن کے لئے آپ لوگوں کے لئے بیت اللہ خالی کر دیں گے تاکہ آپ ان میں مناسک

اور شق نزاد کریں لیکن آپ لوگوں کے ساتھ سوائے تلوار کے، اور کوئی ہتھیار نہ ہوگا اور تلواریں بھی نیام میں ہوں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور کیا بات ہے؟

سہیل نے کہا، آپ لوگ ہم سے یہ معاہدہ کریں کہ قریش کا جو شخص آپ کے پاس اپنے سرپرست و ذمہ دار کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر آئے گا اسے آپ مکہ واپس بھیج دیا کریں گے، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو شخص مکہ آئے گا قریش اس کو مسلمانوں کی طرف لوٹانے کے پابند نہ ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کے لئے خاموش رہے پھر آپ نے فرمایا اور کیا شرائط ہیں؟

سہیل نے کہا، آپ لوگ ہم سے دو سال کے لئے صلح کریں جن میں جنگ نہ ہوگی اور لوگ اس عرصہ میں امن و سکون سے رہ سکیں گے اور ایک دوسرے سے اپنے آپ کو دور رکھیں گے۔ یہ قریش کی شرطیں ہیں اس لئے آپ لوگ سوچ لیں مشورہ کر لیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی یہ شرطیں مان لیں، یہ دیکھ کر مسلمان حیرت زدہ ہو گئے اور نہایت تعجب میں پڑ گئے۔ پھر وہ جوش میں آ گئے اور غصہ سے بھر گئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے

لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی ان شرطوں کو کیوں قبول کر رہے ہیں؟ ہم جنگ کر سکتے ہیں اور اگر قریش ہمیں بات چیت اور نرمی سے بیت اللہ کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تو ہم اس کے لئے مکہ میں زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا،

اے ابوبکر، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟!

حضرت ابوبکر نے فرمایا: کیوں نہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

حضرت ابوبکر نے فرمایا، کیوں نہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا، کیوں نہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: تو پھر ہم اپنے دین کو نیچا کیوں کریں اور دین کے معاملے میں ایسی تکلیف دہ شرطوں کو قبول کر کے ذلت کو کیوں قبول کریں؟

حضرت ابوبکر نے فرمایا اے عمر اپنی جگہ اور مقام پر ہی رہو اس لئے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں حضرت عمر نے فرمایا اور میں بھی اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بھی وہی گفتگو کی جو حضرت ابوبکر سے کی تھی، جسے سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اور یہ اللہ کا فیصلہ ہے اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت عمر یہاں سے نہایت منکسر اور رنجیدہ ہو کر واپس ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا تاکہ سہیل بن عمرو کے ساتھ جن شروط پر اتفاق و معاہدہ ہوا ہے وہ لکھ لی جائیں ——————

—————— اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: لکھو: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

سہیل نے کہا: میں تو رحمن اور رحیم کو نہیں جانتا ہوں آپ یوں لکھیں باسمک اللھم۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو باسمک اللھم جب حضرت علی وہ لکھ چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو: یہ وہ شروط ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سہیل بن عمرو سے صلح و معاہدہ کیا ہے۔

سہیل نے حضرت علی کا قلم پکڑ لیا اور کہا ایسا نہ کریں، اس لئے کہ اگر قریش آپ کو رسول مان لیتے تو آپ سے ہرگز جنگ نہ کرتے، اس لئے آپ اور آپ کے والد کا نام لکھا جانا چاہئیے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی یوں لکھو: یہ وہ شرطیں ہیں جن پر محمد بن عبد اللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ہے اور اس طرح سے جن شروط کے ساتھ سہیل بن عمرو سے معاہدہ ہوا تھا وہ معاہدہ نامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو املاء کرا دیا اور اس صلح میں قبیلہ خزاعہ والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے تھے اور قبیلہ بنو بکر والے قریش کے ساتھ۔ بہرحال معاہدہ نامہ لکھ گیا اس پر دستخط ہو گئے، اور دونوں فریقوں کے کچھ آدمیوں نے بھی اس پر دستخط کر دئے۔

ابھی معاہدہ پر دستخط کئے ہی گئے تھے کہ مسلمانوں کے پاس قریش کے ایک صاحب آئے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کیا، ان صاحب کا نام ابوجندل بن سہیل بن عمرو تھا۔ سہیل نے جب اپنے بیٹے کو دیکھا اور اس کے آنے کی وجہ معلوم ہوئی تو اس نے اپنا ہاتھ اپنے بیٹے کے منہ پر رسید کر دیا اور پھر گلے سے پکڑ کر قریش کی جانب لے جاتے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اور آپ کے درمیان بات پکی ہو چکی ہے اور

اب آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو رکھیں جو قریش کے پاس سے آیا ہو۔

ابوجندل مسلمانوں سے فریادرسی اور مدد طلب کرنے کے لئے چیخنے لگے اور فرمانے لگے، اے مسلمانوں کی جماعت کیا مجھے مشرکوں کے پاس لوٹا دیا جائے گا تاکہ وہ مجھے میرے دین سے پھیر سکیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجندل سے اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکے کہ:

اے ابوجندل صبر کرو اور اجر کی امید رکھو کیونکہ اللہ تعالٰی تمہارے اور ان مسلمانوں کے لئے جو کمزور وضعیف ہیں آسانی اور عذاب سے بچنے کا راستہ پیدا کرنے والا ہے، ہم نے قریش سے معاہدہ کر لیا ہے اور انہوں نے اللہ کے نام کے واسطے سے معاہدہ کیا ہے اس لئے اب ہم ان کے ساتھ غدر نہیں کر سکتے۔

اس طرح سے مسلمان باوجود سخت غصہ اور غم و اندوہ کے ابوجندل کی امداد کے لئے آگے نہ بڑھ سکے اور ابوجندل کو باوجود مسلمان ہونے کے قریش سے معاہدہ کی وجہ سے قریش کے پاس لوٹ کر جانا پڑا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قربانی کے جانوروں کو ذبح کر دیا اور پھر مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

مسلمان جب مدینہ منورہ سے چلے تھے اس وقت ان کی کیفیت درحقیقت کچھ اور تھی اور اس وقت ان کی کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی اس لئے کہ یہ حضرات مدینہ منورہ سے اس بیت اللہ اور کعبہ کے حج کی غرض سے چلے تھے جس سے ان کو ایک طویل زمانہ سے محروم رکھا گیا تھا لیکن جب واپس ہونے تو وہ اس معاہدہ نامہ کی وجہ سے نہایت غمگین اور شکستہ دل تھے جس کی وجہ سے بظاہر قریش کو بہت فائدہ ہوا تھا اور مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا لیکن ان کے پاس اس معاہدہ کے قبول کرنے اور اس پر صلح کرنے کی کوئی وجہ اور سبب نہ تھی، جاتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ وہ عنقریب بیت اللہ کی زیارت کریں گے لیکن اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے ایک ایسا معاہدہ کر لیا تھا جو ان کے خیال میں مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ تھا اور جس مقصد کے لئے یہ نکلے تھے یعنی بیت اللہ کی زیارت اس کے بغیر ان کو واپس آنا پڑا تھا، اس میں کیا راز تھا؟ اور اس میں کیا حکمت مخفی تھی؟ مسلمان اس کو نہ سمجھ سکے اور نہ اس کا ادراک کر سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے لگے اور انہوں نے آپ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا لیکن حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی جواب نہ سنا حضرت

عمرؓ نے پھر سوال کیا اور پھر سوال کیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اس حالت میں واپس گئے کہ وہ بہت غمگین تھے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے یہ پوچھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچائی ہے اور قریش کی شروط قبول کرنے کے سلسلہ میں بار بار مراجعت کر کے تکلیف پہنچائی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ساتھیوں کے ساتھ چلتے چلتے اللہ تعالیٰ سے اس بات پر مغفرت طلب کر رہے تھے کہ ان سے اللہ کے رسول کے حق میں گستاخی ہوگئی ہے کہ یک پکارنے والے نے آواز لگائی۔ اے عمر بن خطاب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات سے ڈرتے ڈرتے گئے کہ کہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر قرآن کریم کی آیات نازل نہ فرما دی ہوں۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں اور خوشی کے مارے چہرہ مبارک چمک رہا ہے اور آپ یہ فرما رہے ہیں۔

مجھ پر یک ایسی سورت نازل کی گئی ہے جو مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وہ تلاوت کر کے سنائی۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا	ہم نے فیصلہ کر دیا آپ کے واسطے
لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ	صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے آپ کو
مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ	اللہ جو آگے ہو چکے آپ کے گناہ اور جو
نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ (الفتح ۲،۱)	پیچھے رہے اور پورا کرے آپ پر اپنا احسان۔

مسلمان سے سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کی پریشانی دور ہو گئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے جو صلح کی ہے اس صلح میں ان کے لئے فتح مبین ہے گرچہ اس وقت اس کی حکمت و راز ان سے مخفی تھا۔

اور مسلمانوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، ہمیں جو صدمہ تھا وہ اس بات پر تھا کہ آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کی زیارت اور طواف کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سفر میں زیارت کرو گے؟ تو صحابہ نے عرض کیا: جی نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: عنقریب تم اللہ کے حکم سے ضرور وہاں جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

مسلمان مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور ابھی انہیں وہاں آئے ہوئے زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ مکہ سے ان کے پاس ایک صاحب مسلمان ہو کر آئے جن کا نام ابو بصیر تھا اور انہوں نے مسلمانوں کی پناہ میں آنا چاہا

ان کے پیچھے ان کے سرپرستوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو عامر کے ایک شخص کے ہمراہ جس کے ساتھ اس کا آزاد کردہ غلام بھی تھا ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ باہمی متفقہ معاہدہ کے مطابق ابوبصیر کو واپس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر سے فرمایا۔

اے ابوبصیر جیسا کہ تمہیں معلوم ہے ہم قریش والوں سے معاہدہ کر چکے ہیں اور ہمارا دین ہمیں غدر کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اس لئے تم اپنی قوم کے پاس چلے جاؤ۔ ابوبصیر نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کیا آپ مجھے ان مشرکوں کے پاس واپس لوٹا دیں گے تاکہ وہ مجھے میرے دین سے ہٹا دیں حالانکہ اللہ نے مجھے ان کی قید سے بھاگنے کا موقع عنایت فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ جو کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے راستہ پیدا فرما دے گا اس لئے تم ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابوبصیر ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چل دئے لیکن ان مسلمانوں کے بیٹھنے کی وجہ سے ان کا دم گھٹا جا رہا تھا اور مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے ان کی ڈھارس بندھائی کہ: اے ابوبصیر خوشخبری حاصل کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے راستہ پیدا کرے گا۔

ابوبصیر قریش کے دونوں قاصدوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے

رخصت ہو گئے راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ پر رکنے کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے کہ ابوبصیر نے قریش کے قاصد عامری سے کہا کہ ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھا دو۔ اس نے تلوار ان کو دے دی ابوبصیر نے تلوار لے کر اس عامری کو مار ڈالا اس کے دوسرے ساتھی نے جب یہ دیکھا کہ ابوبصیر نے اس کے ساتھی کو قتل کر ڈالا ہے تو وہ مدینہ کی طرف بھاگ نکلا اور وہ شخص مسجد نبوی میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے آتے دیکھا تو فرمایا اس شخص نے کوئی دہشت ناک چیز دیکھی ہے۔ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا۔ کیا ہو گیا تم کیوں پریشان ہو؟

اس شخص نے جواب دیا۔ آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر ڈالا ہے۔ میں اس سے جان چھڑا کر بھاگ نکلا۔ اگر میں بھاگ کر جان نہ بچاتا تو وہ مجھے بھی میرے ساتھی کی طرح قتل کر ڈالتا۔ یہ شخص ابھی اپنی گفتگو بھی مکمل نہ کر پایا تھا کہ ابوبصیر اس عامری کی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے:

اے اللہ کے رسول آپ کا معاہدہ پورا ہو گیا اور اللہ نے آپ کے عہد کو پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان لوگوں کے حوالے فرما دیا تھا لیکن میں نے اپنے دین کو فتنہ و آزمائش سے اور اپنے آپ کو عذاب سے بچا لیا ہے۔

اور اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کو قریش کے

قاصد کے ساتھ واپس بھیج کر قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کو پورا کر دیا، اور ابو بصیر نے اپنے آپ کو اپنے محافظوں سے چھڑا لیا تھا اس لئے اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں آتی تھی۔

ابو بصیر مدینہ سے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

اس لئے کہ مکہ مکرمہ وہ خود واپس جانا نہیں چاہتے تھے اور قریش سے معاہدہ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں رک نہیں سکتے تھے۔ ابو بصیر کو سمندر کے ساحل پر ایک ٹھکانہ مل گیا چنانچہ وہ وہاں چلے گئے اور سمندر کی مچھلیوں اور اپنے ساتھ موجود کھجوروں پر گذارہ کرنے لگے۔

مکہ مکرمہ میں جو ضعیف و کمزور مسلمان تھے ان کو ابو بصیر کے اس انجام کار کا علم ہوا لیکن وہ پھر بھی قریش کے عذاب سے جان بچا کر ساتھ جا لگنے سے نہ رکے بلکہ وہ اور جری ہو گئے، اور وہاں سے ان بیچارے جان نکلنے اور ساحل سمندر پر ابو بصیر کے ساتھ جا ملے۔

اس طرح بھاگ کر آنے والوں کی ایک بڑی مضبوط جماعت بن گئی جو قریش کے ان تجارتی قافلوں کو لوٹتی تھی جو مسلمانوں سے اس معاہدہ کے بعد بلا خوف و خطر محفوظ و مامون طریقے سے اس متعارف راستہ کے ذریعہ سمندر کی سمت میں سفر کیا کرتے تھے۔

اس صورت حال سے قریش نہایت پریشان ہو گئے اس لئے کہ یہ

مسلمان جو ان کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے انہوں نے ماموں و پرسکون راستہ کو انہوں نے پرخطر بنا دیا تھا تاکہ تجارت کے ذریعہ اپنی ضروریات زندگی حاصل کر سکیں اور یہ اس لئے کہ ان کا ساز و سامان مکہ مکرمہ میں تھا اور یہ اس صورت حال پر اس لئے مجبور ہوئے تھے کہ قریش سے معاہدہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ میں روک نہیں سکتے تھے۔

اور قریش نے یہ محسوس کر لیا کہ انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو یہ شرط لگائی ہے اور اس کے ذریعہ ان پر اپنی حیثیت جتانا اور بڑائی کا اظہار کرنا چاہا ہے یہ ان کو فائدہ پہنچانے کے بجائے ان کے نقصان کا ذریعہ بنی ہے اس لئے کہ قریش نہ تو ان لوگوں کو واپس لے جا سکے جو ان کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے اور نہ وہ ان کو قید کر کے اپنے پاس محفوظ کر سکے اور نہ ہی وہ ان سے جنگ کرنے کی قدرت رکھتے تھے نہ اس کے لئے فارغ تھے۔

قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رشتہ کا واسطہ دے کر یہ درخواست کی کہ آپ ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا کر اپنے ساتھ ملا لیں تاکہ وہ لوگ ان کے حملوں لوٹ مار وغیرہ سے چھٹکارہ پا لیں۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے بھاگ کر آنے والے ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیا اور اس طرح سے قریش اس شرط سے دستبردار ہو گئے جس سے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمانوں کو تکلیف پہنچی تھی اور جو

ان کی ناراضگی کا سبب تھی اور اب مسلمان مکہ مکرمہ سے بے کسی روک ٹوک کے مدینہ منورہ آنے لگے، اور مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔

لیکن مکہ مکرمہ کی وہ عورتیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں اور وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آتی تھیں ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ مکہ مکرمہ میں، اسلام قبول کر چکی تھیں اور تنعیم کی جانب ایک گاؤں میں ان کے رشتہ دار رہا کرتے تھے جن سے ملنے یہ وقتاً فوقتاً جایا کرتی تھیں ایک مرتبہ انہوں نے اپنے گھر والوں سے یہ کہا کہ وہ ان عزیزوں سے ملاقات کے لئے جا رہی ہیں اور پھر مکہ سے مدینہ منورہ کے ارادہ سے نکل پڑیں تاکہ اپنی اور اپنے دین کی حفاظت اور عقیدہ کو بچانے کے لئے مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں اور ان کے زیر سایہ رہیں۔

راستہ میں ان کی ملاقات خزاعہ کے ایک شخص سے ہوئی جس کو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے اور مدینہ منورہ جانے کی اطلاع دے دی۔ چنانچہ ان صاحب نے ان کے ساتھ مدینہ منورہ تک جانے کا بیڑہ اٹھایا اور ان کو عافیت و سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

حضرت ام کلثوم ام المومنین حضرت ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئیں اور انہیں اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی اور یہ بتلایا کہ انہیں ڈر ہے کہ کہیں

قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مکہ واپس نہ بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام کلثوم کے معاملہ کی خبر دی تو آپ نے انہیں اطمینان دلایا اور ان کے خوف و ڈر کو ختم کر دیا۔

حضرت ام کلثوم کو واپس کرنے اور واپس لے جانے کا مطالبہ کرنے کے لئے ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید مدینہ منورہ آئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر واپس کر دیا۔

معاہدہ کا اطلاق ہجرت کرنے والی مسلمان عورتوں پر نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ عورت جب مسلمان ہو جائے تو وہ کسی کافر کے لئے حلال نہیں رہتی۔

اس اقدام کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مندرجہ ذیل آیات کے ذریعہ حکم دیا تھا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ. ممتحنہ۔۔۔	اے ایمان والو جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو ان کو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ، وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(ابوداؤد)

۱۹

غزوۂ خیبر

اے لوگو، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس لئے میری اس طرح سے مخالفت نہ کرنا جس طرح حواریین نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی مخالفت کی تھی۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو آپ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مندرجہ بالا جملہ فرما رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے پوچھا،

اے اللہ کے رسول حواریین نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی مخالفت کس طرح کی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا کہ: حضرت عیسیٰ نے نہیں اس چیز کی دعوت دی تھی جس کی دعوت میں نے تمہیں دی ہے پھر انہوں نے جس کو قریبی علاقہ میں بھیجا وہ راضی رہا اور ان کی بات مانتا رہا اور جس کو دور بھیجا اس نے وہاں جانے کو ناپسند کیا اور بوجھل بن گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اپنے ارادہ سے باخبر کردیا

تھا اور نہیں یہ بتلا دیا تھا کہ آپ ان میں سے بعض کو بعض اہم جہات کی طرف بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عزم کیا تھا اور جس مقصد کے لئے بعض صحابہ کو بھیجنا چاہتے تھے وہ یہ تھا کہ آپ اپنے کچھ قاصدوں کو بڑی بڑی حکومتوں اور ان ملک جو جزیرۂ عرب کو گھیرے ہوئے ہیں ان کے سربراہوں کے پاس بھیجنا چاہتے تھے تاکہ وہ ان بادشاہوں کے پاس آپ کے خطوط لے جائیں جن کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی دعوتِ دین کے قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا چاہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار اپنے صحابہ سے کہہ فرمایا تھا تاکہ اس کام سے پیچھے نہ رہیں اور اس سلسلہ میں کسی ہیبت یا گھبراہٹ میں گرفتار نہ ہوں یا ان بادشاہوں کے پاس جانے میں کوئی خوف محسوس نہ کریں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے پیغام کو لے جانے پر اپنی خوشی ورغبت آمادگی اور ان ممالک تک جانے پر اپنی مکمل تیاری کا اظہار کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے جو یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، اس میں آپ بالکل حق پر تھے۔ اس لئے نہیں کہ آپ کے صحابہ میں ہمت نہیں تھی یا وہ وہاں جانے میں

متردد ہو سکتے تھے۔ یہ بات ہرگز نہ تھی بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ جو پروگرام آپ کے ذہن میں تھا وہ اتنا عظیم الشان تھا اور بڑا تھا کہ جس کو وہی شخص عملی جامہ پہنا سکتا اور نافذ کر سکتا تھا جو اس دین کی طرف دعوت دینے میں اعتماد و اطمینان قلب رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ پر عظیم اعتماد و بھروسہ اور کامل یقین رکھتا ہو۔

اور اس عظیم کام کی ذمہ داری کو وہی اٹھا سکتا تھا جو اس کام کو دل سے پسند کرتا ہو اور اس کو پورا کرنے اور تکمیل تک پہنچانے کا اس میں داعیہ ہو، یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور ارادہ تھا اور وہی آپ کے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جواب تھا جو آپ پر پورا اعتماد کرتے اور آپ کی پُرحکمت باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط کے لکھنے کا حکم دیا جن کو بادشاہوں کے پاس اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں بھیجنا تھا، چنانچہ وہ خطوط لکھ دیئے گئے۔ اور یہ خطوط فارس کے کسریٰ ابرویز اور وہ حکومت جس نے اپنی طاقت وقوت سے دوسرے ممالک کو مغلوب کر رکھا تھا، اور روم کے قیصر ہرقل (جو کہ اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر اہل فارس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرنے اور ان کے زیر تسلط علاقوں کو ان سے چھیننے پر قادر ہو چکا)، اور مصر کے بادشاہ مقوقس اور حیرہ کے بادشاہ حارث غسانی اور مین

کے شاہ حارث حمیری وغیرہ بادشاہوں اور مختلف علاقوں کے رؤساء کے نام بھیجے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے نجاشی کے پاس دو خط بھیجے تھے۔ ایک میں اس سے مسلمان ہونے کا مطالبہ کیا تھا اور دوسرے خط میں اس سے ان مسلمانوں کے واپس بھیجنے کا مطالبہ کیا تھا جو ابتدائے اسلام میں قریش کے ظلم سے تنگ آکر پناہ کی تلاش میں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے، اور اس خط میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ ام حبیبہ سے آپ کی شادی کے سلسلہ میں آپ کی طرف سے وکیل بن جائیں۔ حضرت ام حبیبہ کا نام رملہ بنت ابی سفیان بن حرب تھا جو مسلمان ہو چکی تھیں اور ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش بھی مسلمان ہو گئے تھے اور دیگر مہاجرین کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے پھر عبید اللہ حبشہ میں جا کر عیسائی ہو گئے تھے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا تھا لیکن ام حبیبہ مسلمان ہی رہی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط پر مہر لگائی تھی جس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

جن قاصدوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خطوط لے کر جانے کے لئے منتخب کیا تھا وہ قاصد ان خطوط کو لے کر ان ممالک کی طرف روانہ ہو گئے جہاں انہیں بھیجا گیا تھا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوچنے لگے کہ اس

پروگرام اور منصوبہ کی وجہ سے کیا چیز وجود میں آ سکتی ہے، اور کس کس چیز کا احتمال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ ان بادشاہوں میں بہت سے بادشاہ ایسے تھے جو نرم طبیعت اور حلیم و بردبار تھے جیسے کہ حبشہ کے نجاشی اور ان میں ایسے بھی تھے جو ظالم و سرکش و متجبر تھے جیسے کہ فارس کا کسریٰ اور ان میں ایسے بھی بادشاہ تھے جو آپ کی دعوت پر عقل و ہوش اور غور و فکر سے کام لیتے اور ایسے بھی تھے جو اس کو غصہ اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے۔ ان میں سے ایسے بھی تھے جو آپ کی پیروی کرتے یا آپ کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتے اور ایسے بھی تھے جو آپ سے جنگ کرنے کے لئے دوسروں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے۔

صلح حدیبیہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی طرف سے مامون ہو گئے تھے اور ان کی عداوت و دشمنی کے شر سے بچ گئے تھے اور اس طرح سے آپ نے اپنے آپ کو اس فتنہ و شر سے بچا لیا تھا جس کا اہل مکہ سے اس صورت میں امکان تھا جب جزیرۂ عرب کے جنوبی جانب کی وہ حکومتیں ان کے ساتھ مل جاتیں جن کی جانب آپ نے اسلام کی دعوت و پیغام بھیجا تھا یا یہ حکومتیں آپ کے خلاف کسی اور کو ملا کر جنگ کی کوشش

کرتیں لیکن اب بھی وہاں پر جزیرہ نما عرب میں آپ کے دشمن موجود تھے اور وہ خیبر کے وہ یہودی تھے جن کے ساتھ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے بہت سے وہ یہودی بھی مل گئے تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا۔ ان کے علاوہ فدک اور تیماء وغیرہ کے یہودی بھی تھے۔

یہ تمام اعداء اسلام یہودی کسی وقت بھی ان لوگوں کے بہترین مددگار اور معاون بن سکتے تھے جو اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا چاہیں۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے ان یہودیوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا جو اس انتظار میں تھے کہ کسی مناسب موقعہ سے فائدہ اٹھا کر آپ کو نقصان پہنچائیں، اور جو اپنی قوت و طاقت پر فخر کرتے تھے اور اپنے قلعوں کے محفوظ ہونے پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے سینے تان کر یہ کہا کرتے تھے کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے لڑائی اور جنگ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟! ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ جو شخص صلح حدیبیہ میں موجود تھا وہ غزوہ خیبر کے لئے چلے، اور جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک نہیں تھے وہ اگر چلنا چاہیں تو چل سکتے ہیں، ان کو اجر و ثواب تو ملے گا لیکن ان کو مال غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اس قسم کے مجاہدین کی ایک بڑی جماعت نے آپ کی بات پر بیعت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مدینہ منورہ سے

ایک ہزار چھ سو جنگجوؤں اور ایک سو شہسواروں کے ساتھ خیبر کی جانب چل پڑے۔

ایک روز صبح سویرے خیبر کے یہودی اپنے کاشتکار اور باغوں کے رکھوالے اپنے باغات اور کھیتوں کی جانب کدالیں اور کھیتی باڑی کا ساز و سامان لئے نکلے کہ اچانک ان کی نظر مسلمانوں کے اس لشکر پر پڑی جو ان کی جانب آرہا تھا اور جنگی اسلحہ کو تھامے ہوئے تھا۔

یہودی کاشتکار گھبرا گئے اور ان پر دہشت طاری ہو گئی اور وہ بھی دم دبا کر دوڑتے ہوئے الٹے پاؤں واپس ہوئے اور کہنے لگے یہ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو ساتھ لئے آرہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چیخ و پکار اور اپنی قوم کو متنبہ کرنے والے نعرے سن لئے اور فرمایا۔ خیبر تباہ و برباد ہو گیا۔

یہود کے سردار فوری طور پر اکٹھا ہوئے اور مسلمانوں کے حملہ سے بچاؤ اور ان سے مقابلہ کی تدابیر سوچنے لگے، ان کے سردار سلام بن مشکم نے انہیں مشورہ دیا اور اس کے مطابق انہوں نے اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو اپنے قلعوں میں سے ایک قلعے میں داخل کر دیا اور ذخیرہ کی ہوئی چیزوں کو دوسرے قلعہ میں محفوظ کر دیا اور لڑنے والے اور وہ خود تیسرے قلعہ میں داخل ہو گئے۔

غطفان والوں کا یہود کے ساتھ معاہدہ تھا، اس لئے یہود نے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی مدد کے لئے اپنے آدمی بھیجیں جو ان کو محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) سے نجات دلانے میں مدد دیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر پہلے سے متنبہ تھے اس لئے آپ نے غطفان والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ یہود کی مدد نہ کریں اور یہود اور مسلمانوں کے درمیان رکاوٹ نہ بنیں تو مالِ غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ دیا جائے گا۔

اور اس طرح سے مسلمانوں نے خیبر کے یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا اور ان کے اور ان کے باغات اور کھیتوں کے درمیان حائل ہوگئے۔

یہود نے اپنے دفاع میں سردھڑ کی بازی لگادی اور مسلمانوں کے محاصرہ پر صبر کرکے نہیں بیٹھے بلکہ پہلے روز سے ہی مسلمانوں کے ساتھ شدید جنگ کی وجہ سے مسلمانوں کے زخمیوں کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔

لڑائی جاری رہی اور دن گذرتے رہے اور یہود اپنے قلعوں کی مدافعت میں نہایت بے جگری سے تیروں اور نیزوں سے جنگ کرتے رہے اور یہ لوگ کبھی تو مسلمانوں پر پتھر برساتے اور کبھی قلعے سے نکل کر آمنے سامنے لڑنا شروع کردیتے، اور پھر اپنے بچاؤ کی خاطر قلعوں میں گھس جاتے۔

اسی اثناء میں سلام ابن مشکم کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد حارث بن ابی زینب یہود کا قائد بن گیا، اور حارث مسلمانوں سے ہاتھ در ہاتھ جنگ کرنے کے لیے قلعے سے باہر آگیا لیکن مسلمانوں نے اسے الٹے پاؤں واپس کر دیا اور وہ اور اس کے ساتھی ازسرنو قلعہ بند ہونے پر مجبور ہوگئے۔

موجودہ صورت حال کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ضروری تھا کہ آپ ایسا اقدام کریں جس سے جلد از جلد قلعوں کو فتح کیا جاسکے۔ اس لئے کہ محاصرہ کی مدت طویل ہونے سے جہاں قلعہ والوں کے لئے بھوک و پیاس سے ہلاک ہونے کا امکان تھا اسی طرح اس سے محاصرہ کرنے والوں کے لئے بھی مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں اس لئے کہ مسلمان بھی بھوک اور پیاس کا نشانہ بن سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دے کر اس قلعہ کو فتح کرنے بھیجا جس میں لڑنے والے جمع تھے۔ حضرت ابوبکر پورے دن لڑتے رہے اور پھر اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آگئے لیکن قلعہ فتح نہ ہوسکا۔

دوسرے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ بھی دن بھر لڑتے رہے اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آگئے لیکن قلعہ پھر بھی فتح نہ ہوسکا۔

تیسرے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو جھنڈا دے کر فرمایا:

اس جھنڈے کو لے لو اور جاکر لڑو حتی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا لے گئے اور جب قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ

والے لڑنے کے لئے قلعہ سے باہر آگئے۔ یہ ان سے لڑتے رہے ایک یہودی نے ان کے ایک ضرب لگائی تو ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ حضرت علیؓ نے قلعہ کے پاس پڑا ہوا ایک دروازہ پکڑ لیا۔ اور اس کو ڈھال بنا لیا اور لڑتے رہے۔ اور وہ دروازہ ان کے ہاتھ میں رہا حتیٰ کہ اللہ نے قلعہ فتح کرا دیا اور اس معرکہ میں حضرت علیؓ نے قلعہ کے قائد حارث بن ابی زینب کو قتل کر دیا تھا۔

جس دروازہ کو حضرت علیؓ نے ڈھال بنایا تھا، اس کو مسلمانوں نے پل کے طور پر استعمال کر کے اس کے ذریعہ سے قلعہ کو عبور کر لیا اور قلعہ اور قلعہ میں جو کچھ سامان تھا سب پر غالب آگئے، یہودی جنگجو وہاں سے اپنے دوسرے قلعہ میں منتقل ہو گئے۔

ایک جنگ کرنے والا جس کا نام مرحب تھا جو نہایت مضبوط اور طاقت ور تھا وہ ہتھیار سے لیس ہو کر نکلا اور اس نے مسلمانوں کو مقابلہ کرنے اور لڑنے کی دعوت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو اپنے صحابہ سے فرمایا، تم میں سے کون اس شخص سے لڑے گا؟

مسلمانوں کی صفوں میں سے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا، اے اللہ کے رسول میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ بخدا میں وہ شخص ہوں جو مصیبت زدہ اور غصہ سے بھرا ہوا ہے میں وہ شخص ہوں جس کا بھائی کل شہید ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اس کے مقابلہ کے لئے چلے جاؤ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کے لیے یہ دعا کی۔

اے اللہ اس کے خلاف اس کی مدد فرما۔

حضرت محمد بن مسلمہ کے بھائی پر یہودیوں نے چکی کا پاٹ گرا دیا تھا وہ تکان کی وجہ سے یہود کے قلعوں میں سے ایک قلعہ کے سایہ میں آرام کی خاطر بیٹھے، اسی حالت میں چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا تو لوہے کا خود ان کے چہرے میں گھس گیا اور چہرے کا گوشت اڑ گیا، اور آنکھیں باہر نکل گئی تھیں اور تھوڑی ہی دیر میں وہ شہید ہو گئے تھے۔

حضرت محمد بن مسلمہ مرحب سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے جلدی سے آگے بڑھے اور اپنے بھائی کا بدلہ اور قصاص لینے کے جذبہ سے وہ سرشار تھے۔

دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل ایک ایسے مقام پر آگئے کہ ان کے درمیان ایک چھوٹا سا درخت حائل تھا جس کی ٹہنیاں بلند تھیں جن کو دونوں جنگ کرنے والوں نے اپنے لئے ذرہ بنایا ہوا تھا یہ دونوں ان ٹہنیوں کے درمیان لڑتے رہے یہاں تک کہ اس کی تمام شاخیں ختم ہو گئیں۔ اور ان دونوں کے درمیان اس درخت کا صرف تنہ رہ گیا۔

مرحب حضرت محمد بن مسلمہ پر کاری وار کرنے اور ان کو قتل کرنے کے لئے تلوار سے ان پر جھپٹ پڑا۔ ابن مسلمہ نے اس وار سے بچنے کے لئے اپنی ڈھال

فوری طور سے آگے کر دی اور تلوار ڈھال میں پھنس گئی اور مرحب اپنے ہتھیار کو اس ڈھال سے نہ نکال سکا۔ چنانچہ ابو دجانہ نے اس پر وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر یہود کے قلعہ میں سے مرحب کا ایک بھائی جس کا نام یاسر تھا وہ میدان میں آگیا اور لوگوں کو مقابلہ کے لئے للکارنے لگا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کی صفوں میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوام میدان میں کود پڑے۔ حضرت صفیہ ان عورتوں میں سے تھیں جو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھیں۔ ان کو یہ ڈر ہوا کہ یاسر ان کے بیٹے کو قتل نہ کر ڈالے اس لئے وہ آگے بڑھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرا بیٹا مارا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت و محبت کے لہجہ میں ان سے فرمایا بلکہ ان شاء اللہ تمہارا بیٹا اس کو قتل کر دے گا۔ اور یہی ہوا اور حضرت زبیر نے یاسر نامی اس یہودی کو قتل کر ڈالا اور وہ بھی اپنے بھائی مرحب کے ساتھ جہنم رسید ہو گیا۔

دس دن تک مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان نہایت سخت اور شدید جنگ ہوتی رہی اور یہود مسلمانوں کے لئے اپنا کوئی قلعہ بھی اس

وقت تک خالی نہیں کرتے تھے جب تک خوب جم کر لڑنے کے بعد مسلمان اس کا دفاع نہ کر لیں اور اپنی زمین کا ایک بالشت بھی وہ اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک اس کی خاطر زبردست مقابلہ نہ کر لیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محاصرہ کے طویل ہونے سے مسلمانوں کو سخت مشکلات پیش آنے لگیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک و پیاس اور کھانے پینے کے سامان کی قلت کی شکایت کی تو آپ نے انہیں گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی۔

ایک دن مسلمان یہودیوں کے گدھوں کے ایک ریوڑ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے، اور ان کو پکڑ کر ذبح کیا گوشت بنایا اور دیگوں کو آگ پر چڑھا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گذرے تو وہ لوگ گدھوں کا گوشت پکا رہے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا، کیا پکا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کے کھانے سے روک دیا اور ہانڈیاں اور دیگیں پلٹنے کا حکم دیا اور فرمایا، شہری گدھوں کا گوشت تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

ایک دن مسلمانوں نے یہود کی دنبوں میں سے دو دنبے پکڑ لئے اور اس دن دو دنبوں کا تھوڑا سا گوشت، اس کثیر تعداد میں کھانے والوں کے مقابلہ میں باوجود قلیل و کم ہونے کے مسلمانوں کے لئے نہایت خوشی اور

دعوت کا دن ہوگیا۔

اس عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی شخص آیا جو یہود کے دنبوں کے چرانے پر ملازم تھا، اس کے ساتھ وہ دنبے بھی تھے جنہیں وہ چرایا کرتا تھا۔ اس راعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرا دل اسلام کے لئے منشرح ہوگیا ہے اس لئے مجھ پر اسلام پیش کر دیجئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہوگیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر اس نے کہا:

اے اللہ کے رسول میں ان دنبوں کے مالک کے یہاں ملازم تھا اور یہ دنبے میرے پاس امانت ہیں میں ان کا کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو ان کے راستہ پر لے جاؤ اور ہنکاؤ خدا نے چاہا تو یہ اپنے مالک کے پاس لوٹ جائیں گی۔

وہ شخص کھڑا ہوا اور دنبوں کو ان کے راستہ پر لے گیا اور ان کو ہانکا اور سنگریزے ان کے مار کر کہنے لگا۔

اپنے مالک کے پاس چلی جاؤ اس لئے کہ میں مسلمان ہونے کے بعد تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جا سکتا۔ چنانچہ وہ دنبے چلے گئے اور یہود کے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں داخل ہوگئے۔

وہ چرواہا مسلمانوں کے ساتھ مل کر آگے آگے بڑھ کر قلعہ تک بند

یہودیوں سے جنگ کرنے لگا۔ ابھی کچھ زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ یہودیوں کی جانب سے ایک پتھر اس کے لگا اور وہ شہید ہوگیا۔ مسلمان اس کو اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے آپ کے پیچھے رکھ دیا اور کپڑے سے اس کو ڈھانک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول اس شخص نے اللہ کے لئے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا اور یہ مارا گیا ہے یہ مسلمانوں میں کیسے شمار ہوگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا یہ شہیدوں میں داخل ہے اور جنت والوں میں سے ہے، اور اس وقت اس کے پاس دو بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں اس کے چہرے سے مٹی کو صاف کر رہی ہیں اور یہ کہہ رہی ہیں۔ خدا اس شخص کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے تیرے چہرے کو خاک آلود کیا اور خدا اسے قتل کر دے جس نے تجھے قتل کیا ہے۔

مسلمانوں پر بھوک کی حالت کوئی زیادہ طویل نہیں ہوئی اس لئے کہ اللہ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ان پر وہ قلعہ فتح کر دیا جس قلعہ میں یہودیوں کا غلہ اور کھانے پینے کا سامان اور غذا اور مختلف قسم کا سامان محفوظ تھا اور اس طرح سے مسلمانوں کو کھانے پینے کا اتنا سامان مل گیا جو ان کے لئے کافی ہوگیا اور جس سے ان کی ضروریات پوری ہوگئیں۔ اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی معنوی قوت بہتر ہوگئی اور جسموں میں جان

آگئی اور ان میں ایسی قوت و عزم اور بہادری پیدا ہوگئی جو محاصرہ کے طویل ہونے میں ان کی مددگار اور جنگ کی شدت میں ان کی معاون بنی۔

یہودیوں کے قلعے مسلمانوں کے حملوں کی تاب نہ لا سکے اور فتح ہوتے گئے، اور وہ زیادہ دیر تک مسلمانوں کے حملوں کا مقابلہ نہ کر سکے سوائے قلعہ زبیر کے جس کے فتح کرنے کے لئے مسلمانوں نے یہ تدبیر کی کہ انہوں نے پانی کے اس رخ کو موڑ دیا جو پانی قلعہ میں جاتا تھا اور ان کی سیرابی کے کام آتا تھا اور اس طرح سے اس قلعہ والے اس پر مجبور ہو گئے کہ قلعہ سے نکل کر محاصرہ کرنے والوں سے جنگ کریں اور اس طرح سے یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا اس لئے کہ مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو جوش دلاتے رہے اور جہاد فی سبیل اللہ پر ان کو اور زیادہ ابھارتے رہے۔ آپ خود بھی ان کے درمیان اپنے گھوڑے پر موجود تھے اور آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اور اپنے سر اور چہرہ مبارک کو دو حفاظت کی چیزوں خود اور لوہے کی ٹوپی کے ذریعہ محفوظ کیا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اکثر قلعے فتح کر دیئے اور ان کی بہت سی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن گئے۔

یہ صورت حال دیکھ کر یہود نے اپنے لئے اس کے علاوہ اور کوئی

چارہ کار نہیں پایا کہ وہ اپنی جان اور مال بچانے کی خاطر آپ سے صلح کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک وفد جس کا سربراہ کنانہ بن ابی حقیق تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بات چیت کے لئے بھیجا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس شرط پر صلح قبول کی کہ ان کی جو زمینیں فتح کی وجہ سے مسلمانوں کی ملکیت بن چکی ہیں، ان زمینوں پر یہ یہود کاشت کریں گے اور اس سے جو بھی حاصل ہوگا وہ آدھا مسلمانوں کا ہوگا اور آدھا یہودیوں کا ان کی کاشت کاری وغیرہ محنت کے عوض۔

یہودیوں کے ساز و سامان اور اسلحہ کا بڑا حصہ مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ملا لیکن یہود کے وہ اموال اور سونا جو بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ منورہ سے نکلتے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے اس میں سے مسلمانوں کو کچھ نظر نہ آیا، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا،

اے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم، ان چیزوں کو ہم نے سامان جنگ پر خرچ کر ڈالا اس لئے اس میں سے ہمارے پاس کچھ بھی نہ بچا اور پھر اپنی بات کی سچائی کے اظہار کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خدا کی قسم بھی اٹھائی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر تمہارے پاس تمہارے اموال اور سونے کا کچھ بھی حصہ ہو تو تم، اللہ اور اس کے

رسول کے عہد و ذمہ سے بری ہو گئے؟ کنانہ نے جواب میں کہا، جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر یہود اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو گواہ بنا لیا، اور پھر یہود کے ان اموال اور سونے کی تلاش کا حکم دیا جن کے پائے جانے کا کنانہ نے انکار کیا تھا اور اس پر قسم اٹھائی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض ان یہودیوں سے جن کا کنانہ سے ربط تھا اس سلسلہ میں تحقیق شروع کر دی تو ان میں سے ایک یہودی نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے کنانہ کو یہود کے ان کھنڈرات میں سے ایک کھنڈر کے پاس پھرتے ہوئے دیکھا تھا مسلمانوں کو اس سے یہ بات صاف معلوم ہو گئی کہ یہود کے اموال ان کھنڈرات میں سے کسی کھنڈر میں ہی موجود ہیں۔

یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھنڈرات کی تلاشی اور ان کی زمینوں کے کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ کھنڈرات کی تلاشی لی گئی اور ان کی زمینیں کھودی گئیں تو ایک خوب صورت کھال کا بنا ہوا ایک تھیلا ملا جس میں یہود کے زیورات چھپائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ زیورات نکالے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنانہ کو دکھائے تو اس نے اس کا اعتراف کر لیا اور اس طرح سے اس کا قتل کرنا درست ہو گیا، اور اس کو قتل کر دیا گیا۔

پھر مسلمان یہودیوں کے قلعوں میں داخل ہو گئے اور اس کا سامان نکالنے لگے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں منادی کرا دی کہ کھاؤ پیو اور جانوروں کو کھلاؤ لیکن اپنے ساتھ کچھ نہ اٹھا کر لے جاؤ اور اس طرح سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو یہودیوں کے سامان اور دیگر چیزوں سے روک لیا سوائے اس کے جس کی ان کو اپنے کھانے پینے یا اپنے جانوروں کو کھلانے کی ضرورت تھی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل ہو سکے۔

یہود کے ہتھیار ڈالنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا اور ان کو تورات کے وہ صحیفے بھی واپس کر دئے جو مال غنیمت میں مسلمانوں کا حصہ بن گئے تھے۔

یہودیوں کے سابق سردار حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی کو یہ اعزاز بخشا کہ اس کو قیدیوں کی صف سے اٹھا کر مسلمانوں کی ماؤں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ ہوا یوں کہ قیدی عورتوں میں سے حضرت صفیہ حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھیں، مسلمانوں میں سے ایک صاحب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ قریظہ اور نضیر کی سردار صفیہ کو حضرت دحیہ کو دے رہے ہیں حالانکہ وہ تو صرف آپ کی شان کے ہی لائق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو بلالو تاکہ انہیں کوئی دوسری باندی دے دیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صفیہ کو لایا جائے چنانچہ ان کو اور ان کی ایک چچازاد بہن کو حضرت بلال لے کر آئے اور رستہ میں ان کا گذر یہود کے مقتولین کی لاشوں اور ان کے جسم کے ٹکڑوں پر سے ہوا۔ جب صفیہ اور ان کی چچازاد بہن نے اپنی قوم کی لاشوں کو دیکھا تو رونے لگیں اور ان کی چچازاد بہن چلانے لگی اور بہت زور زور سے چیخنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلال کا یہ فعل اچھا نہ لگا اور آپ نے یہ فرما کر نکیر کی، اے بلال کیا تم سے شفقت و رحمت چھین لی گئی تھی کہ تم دو عورتوں کو ان کی قوم کی لاشوں کے پاس سے لے کر گذرے۔

حضرت بلال نے معذرت خواہی کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ اس فعل کو ناپسند فرمائیں گے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ یہ دونوں اپنی قوم کی شکست کا مشاہدہ کر لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کی چچازاد بہن حضرت دحیہ کو دے دی اور صفیہ کو آزاد کر دیا اور ان کے مسلمان ہونے پر ان سے نکاح کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ جو نرمی برتی تھی،

اس سے وہ اپنی حکومت کے زوال اور اپنے اوپر پیش آمدہ واقعات کو نہ بھول سکے چنانچہ وہ دل ہی دل میں عداوت رکھتے تھے اور آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے چنانچہ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کی عورتوں میں سے ایک عورت مرحب کی بہن زینب بنت الحارث آئی اور اپنے ساتھ ایک بھنا ہوا دنبہ لائی اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور وہ دنبہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا، آپ نے صحابہ کو اس کھانے میں شرکت کے لئے بلایا اور پھر آپ نے اس کی دست کی جانب اپنا دست مبارک بڑھایا اور اس میں سے ایک ٹکڑا اٹھایا۔ آپ کو دست کا گوشت ہی پسند تھا، آپ نے اسے منہ میں رکھا، اور چبانا شروع کیا اور پھر اچانک فوراً ہی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اشارہ فرمایا کہ کھانے سے رک جائیں اور فرمایا:

ہاتھ روک لو، اس لئے کہ یہ دست مجھے بتلا رہی ہے کہ اس دنبہ میں زہر ملایا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت بشر بن براء جنہوں نے اس دست کا ایک ٹکڑا چبا لیا تھا یہ کہا۔ اے اللہ کے رسول بخدا مجھے بھی اس ٹکڑے میں یہ بات محسوس ہوئی تھی جو میں نے کھایا تھا لیکن میں اس کو اس لئے

نہ پھینک سکا کہ آپ کا کھانا بدمزہ ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بلوایا، جب وہ آ گئی تو آپ نے نہایت غصہ میں فرمایا: کیا تم نے دست میں زہر ملایا تھا؟ اس نے کہا آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا: دست کے گوشت نے۔

اس نے اقرار کر لیا آپ نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا، آپ نے میرے باپ چچا و شوہر کو قتل کر ڈالا اور میری قوم کو جو سزا دینا تھی وہ دی تو میں نے سوچا کہ آپ اگر نبی ہوں گے تو دنبہ آپ کو مطلع کر دے گا اور اگر بادشاہوں کی طرح ہوں گے تو آپ سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا اور چھوڑنے کا حکم دے دیا مگر کچھ دیر بعد بشر کی حالت دگرگوں ہو گئی اور جلد ہی انتقال کر گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر سے روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت معاذ بن جبل کو وصیت فرمائی کہ یہود کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور ان کو حکم دیا کہ ان یہودیوں کو ان کے دین پر برقرار رہنے دیں اور ان کو ان کے دین کے بارے میں تنگ نہ کریں۔

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی قری کے یہودیوں کا

رخ کیا وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور آپ نے جنگ شروع کر دی مگر وہ لوگ زیادہ دیر نہ رک سکے اور انہوں نے بھی خیبر کے یہودیوں کی طرح آپ سے صلح کر لی۔

لیکن فدک کے یہودیوں پر رعب بیٹھ گیا تھا اور خیبر کی خبروں نے ان کے دلوں پر ہیبت طاری کر دی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس جیسے ہی یہ پیغام بھیجا کہ وہ یا تو آپ کی رسالت پر ایمان لے آئیں یا اپنے مال و دولت سے دستبردار ہو جائیں تو انہوں نے فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا ایک وفد اپنے اموال کے نصف کے دینے پر صلح کے لئے بھیج دیا۔

تیماء کے یہود نے بغیر لڑائی اور جنگ کے اس جزیہ کے دینے پر آمادگی ظاہر کر دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مقرر کیا تھا اور اس طرح جزیرہ عرب کے یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شان و شوکت اور قوت ختم کر کے ان کے شر و فتنہ سے محفوظ ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کے یہودیوں کا رخ کیا تو قریش کی اکثریت یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ خیبر کے یہودیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان سے شکست کھا جائیں گے۔ اس لئے کہ انہیں خیبر

کے یہودیوں کی طاقت کا علم تھا اور وہ ان کے قلعوں کی مضبوطی اور محفوظ ہونے کو بخوبی جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان یہودیوں کو اپنے کثیر مال اور سرسبز و شاداب کھیتوں کا بہت فکر ہے اور ان کو پورا یقین تھا یہود کا اپنی طرف سے مدافعت کرنا ان کے لئے زندگی موت کا سوال ہے اس لئے انہیں یہ امید تھی کہ ان کو ایسی خبریں ملیں گی جن سے ان کے دلوں کو سرور حاصل ہوگا اور جو ان کے سینوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان بہم پہنچائیں گی اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست اور نقصان اٹھانے کا ایسا یقین تھا کہ قریش کے ان چند افراد کے ساتھ جو یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غلبہ حاصل کر لیں گے اور فتح پالیں گے انہی سے سو اونٹوں کی قیمت کی شرط لگاتے تھے۔

اور پھر قریش کو اطلاع مل گئی اور پہلی خبر اس طرح سے پہنچی کہ حجاج بن علاط سلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر آیا اور آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا حجاج کی بیوی اور مال و دولت مکہ میں تھی اسے یہ ڈر ہوا کہ اگر قریش کو اس کے مسلمان ہونے کی اطلاع مل گئی تو وہ اس کے مال کو روک لیں گے۔ اس لئے اس نے چاہا کہ کسی حیلہ و بہانہ سے اپنے اموال کو ان سے چھڑا لے، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل خیبر پر غالب آگئے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول! مکہ میں میری بیوی ام شیبہ بنت ابی طلحہ کے پاس میرا مال و دولت ہے اور کچھ مال مکہ کے مختلف تاجروں کے پاس ہے اس لئے آپ مجھے اس بات کی اجازت دے دیں کہ میں اس کو کسی تدبیر و حیلہ سے اکٹھا کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بات کی یہ کہہ کر اجازت دے دی کہ جو چاہو کہہ دو۔

چنانچہ حجاج خیبر سے مکہ کے ارادہ سے نکلے تب وہ احمد کے قریب پہنچ گئے تو مکہ والوں کی ایک جماعت سے ان کی ملاقات ہوئی جو اس لئے مکہ سے نکلے تھے تاکہ مسافروں اور گذرنے والوں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبریں معلوم کر لیں، انہوں نے جب ان کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ وہ دیکھو حجاج بن علاط آرہے ہیں اس کے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبریں ضرور ہوں گی۔

پھر وہ سب کے سب ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی خبریں اور حالات معلوم کرنے لگے لیکن ان کو قطعاً معلوم نہ تھا کہ حجاج اسلام قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ حجاج نے ان سے کہا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں میرے پاس ایسی خبر ہے جو تم سب کو مسرور اور خوش کر دے گی، یہ سن کر سب کے سب حجاج کی اونٹنی سے لپٹ گئے اور اس

کو چلنے سے روکنے لگے تاکہ وہ ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں بتلا دیں۔
اور یہ کہنے لگے اے حجاج بتلاؤ کیا خبر ہے۔

حجاج نے کہا، نہیں ایسی زبردست شکست اٹھانی پڑی ہے جس کی مثال نہیں ملے گی اور ان کے ساتھیوں کو ایسا قتل کیا گیا ہے جس کی نظیر تم نے نہ دیکھی ہوگی اور نہ سنی ہوگی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر لیا گیا ہے اور یہودیوں نے یہ کہا ہے کہ ہم ان کو اس وقت تک قتل نہیں کریں گے جب تک کہ انہیں اہل مکہ کے پاس نہ بھیج دیں تاکہ وہ انہیں اپنے سامنے ان لوگوں کے بدلے میں قتل کر دیں جنہیں انہوں نے مارا تھا۔

لوگ خوشی کے مارے نعرے بلند کرنے لگے اور ان کے ساتھ چلنے لگے یہاں تک کہ جب مکہ میں داخل ہو گئے تو وہاں والوں کو یہ کہہ کر اطلاع دینے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں جس خبر کا انتظار تھا وہ خبر آگئی اور اب تمہیں اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے کہ جب ان کو یہاں لاکر تمہارے سامنے قتل کیا جائے گا۔

اہل مکہ جلدی جلدی حجاج کے پاس پہنچے اور ان سے اس خبر کی تصدیق کرنے لگے وہ ان کے سامنے اس کی تصدیق کرتے رہے اور کہنے لگے اے میرے ساتھیو میرا جو مال مکہ میں ہے اس کے اکٹھا کرنے میں میری مدد کرو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ دوسرے تاجروں کے وہاں پہنچنے سے

پہلے خیبر جاؤں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی شکست سے فائدہ اٹھاؤں۔

اہل مکہ نے نہایت تیزی اور ہمت سے جلدی جلدی حجاج کے اموال کو جمع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حجاج کی نقل کردہ خبر آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو پہنچی تو ان کو سخت صدمہ ہوا اور وہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے اور حجاج کے پاس آئے اور ان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشہور خبر کی تنہائی میں تصدیق چاہی۔

حضرت حجاج نے محسوس کر لیا کہ حضرت عباس کو اپنے بھتیجے کی خبر کا کتنا صدمہ ہے اس لئے انہوں نے ان سے کہا:

میں آپ کے پاس تنہائی میں آؤں گا اور جو خبریں میرے پاس ہیں وہ آپ کو بتلا دوں گا۔ پھر جب حجاج اپنا تمام مال جمع کر چکے اور سفر کی تیاری مکمل کر لی تو حضرت عباس کے پاس آئے اور ان سے کہا۔

اے ابو الفضل میری خبر تین دن تک اپنے تک ہی محدود رکھیے گا پھر اس کے بعد جو چاہیں کریں۔ حضرت عباس نے یہ وعدہ کر لیا تو حجاج نے ان سے کہا: بخدا بات در اصل یہ ہے کہ میں آپ کے بھتیجے کو صحیح سلامت ایسے وقت میں چھوڑ کر آیا ہوں جب ان کی شادی خیبر کے سردار کی بیٹی صفیہ بنت حیی سے ہو رہی تھی اور وہ خیبر فتح کر چکے تھے اور جو کچھ وہاں تھا وہ سب اپنے

قبضے میں کر چکے تھے اور وہ تمام چیزیں ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ہو گئی تھیں۔

حضرت عباس یہ سن کر دہشت زدہ ہو کر کہنے لگے، اے حجاج تم کیا کہہ رہے ہو! حجاج نے کہا، بخدا میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں، اور میں نے اس کا انکار اس لئے کیا تھا اور اپنے مسلمان ہونے کو مخفی صرف اس لئے رکھا تھا تاکہ مکہ سے اپنے اموال نکال کر لے جا سکوں۔

حضرت حجاج مکہ چھوڑ کر رخصت ہو گئے اور جب تین دن گذر گئے تو قریش نے دیکھا کہ حضرت عباس نے نہایت شاندار پوشاک پہنی ہوئی ہے اور خوشبو لگائی ہوئی ہے اور ہاتھ میں عصا لئے ہوئے کعبے کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں۔

قریش حضرت عباس کی اس حالت کو دیکھ کر دہشت میں پڑ گئے لیکن پھر بھی وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہنے لگے، اے ابوالفضل بخدا یہ مصیبت کی سختی کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا ہے تو حضرت عباس نے نہایت طمانیت سے ان کو جواب دیا۔ بات ہرگز نہیں ہے قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہے، بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خیبر فتح کر چکے ہیں اور اس کے تمام اموال اکٹھا کر چکے ہیں اور وہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ملکیت بن گئے ہیں اور انہوں نے ان کے سردار حیی بن اخطب

کی بیٹی سے شادی کر لی ہے۔

ان کی یہ بات سن کر یہ لوگ سکتے میں پڑ گئے اور ان سے پوچھنے لگے، آپ کو یہ اطلاع کس نے دی ہے؟

انہوں نے فرمایا، میں نے جس نے تمہیں وہ خبر دی تھی جو تم مشہور کر رہے ہو وہ شخص مسلمان ہو کر تمہارے پاس آیا تھا اور اپنا مال و دولت لے گیا اور اب وہ یہاں سے رخصت ہو گیا ہے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مل جائے۔

یہ بات سن کر وہ مبہوت ہو گئے اور نہایت صدمہ کی حالت میں انہوں نے کہا، خدا کا دشمن جان بچا کر بھاگ گیا۔ بخدا اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی تو ہمارا اس کے ساتھ عجیب معاملہ ہوتا۔

اور پھر اس کے کچھ وقت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح و غلبہ کی خبریں قریش کے پاس مسلسل یکے بعد دیگرے آنے لگیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور پھر وہاں آپ کے پاس آپ کے وہ قاصد یکے بعد دیگرے آنے لگے جنہیں خطوط دے کر آپ نے بادشاہوں اور حکومتوں کے سربراہوں کے پاس اسلام کو قبول کرنے کی دعوت کے سلسلہ میں بھیجا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو اچھا جواب لائے تھے اور بعض ایسے تھے جو ناپسندیدہ جواب لائے تھے بعض ایسے تھے

جس کا جواب متوسط تھا نہ اچھا تھا نہ برا۔

چنانچہ روم کے قیصر ہرقل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمدہ و اچھا جواب بھیجا تھا اس کے باوجود کہ وہ اسلام میں داخل نہ ہوا تھا لیکن اس نے پھر بھی شائستہ جواب ارسال کیا اور جب حیرہ کے بادشاہ حارث غسانی نے اس کو یہ لکھا کہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کی اس لئے اجازت دے دی جائے کہ انہوں نے اس کے پاس ایسا خط کیوں لکھا تو ہرقل نے اس حملہ کو دبا دیا۔

فارس کے کسریٰ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب ملا تو وہ سخت ناراض ہوا اور اس نے آپ کا نامہ مبارک پارہ پارہ کر دیا اور یمن میں اپنے گورنر کو یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ وہ اس کے پاس حجاز کے اس شخص کا سر لے کر آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قاصد کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ کسریٰ نے آپ کے گرامی نامہ کو چاک کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ چنانچہ اس کے بعد کسریٰ پرویز زیادہ عرصہ تک حکومت نہ کر سکا اور اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا شیرویہ بادشاہ بن گیا۔ یمن پر فارس کی طرف سے مقرر کردہ گورنر نے اپنی صحیح رائے سے اندازہ کر لیا کہ فارس کی حکومت ختم ہونے والی ہے تو وہ

اسلام لے آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کا گورنر بن گیا۔

اسی طرح یمن اور عمان کے امیروں اور حاکموں نے بھی اچھا جواب نہ دیا۔ یمامہ کے حاکم نے لکھا کہ وہ اسلام قبول کرنے پر تیار ہے بشرطیکہ اسے حاکم مقرر کر دیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ کیا اور اس کے اسلام کو قبول نہ فرمایا۔

پس امیر بحرین خود بھی مسلمان ہو گیا اور اس کے ساتھ حکومت کے بیشتر افراد نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ مصر کے حاکم مقوقس نے اگرچہ اسلام کو قبول نہیں کیا لیکن جواب اچھا دیا اور ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ہدیہ بھیجا جو دو باندیوں ماریہ اور شیریں، اور ایک خچر ایک گدھے اور کچھ مال اور مصر کی عمدہ چیزوں پر مشتمل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول فرما لیا اور دونوں باندیوں میں سے ایک باندی شیریں کو حضرت حسان بن ثابت کو ہدیہ کے طور پر دے دیا اور دوسری باندی ماریہ کو اپنے لئے رکھ لیا۔

حبشہ کے نجاشی نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی باندیوں میں سے ایک باندی کو حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان کے پاس بھیجا اور ان سے یہ درخواست کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ جائیں۔ حضرت ام حبیبہ اس شرف کو سن کر بہت خوش ہوئیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ اعزاز

بخش رہے ہیں۔ اور نجاشی نے، ان کے پاس اس سلسلہ میں جو پیغام بھیجا تھا وہ انہوں نے قبول کر لیا۔ چنانچہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ان سے کردی اور آپ کی طرف سے ام حبیبہ کو مہر کے طور پر چار سو دینار دیئے۔

نجاشی نے اپنی کشتیوں میں سے دو کشتیوں میں مسلمانوں کو سوار کر کے حبشہ سے حجاز بھیج دیا ان مسلمانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب اور ام حبیبہ بھی تھیں جو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اور تمام مسلمانوں کی ماں بن چکی تھیں۔

اہل مدینہ نے حبشہ سے واپس آنے والے مسلمانوں کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفر سے مل کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے انہیں سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

مجھے معلوم نہیں کہ میں ان دو چیزوں میں سے کس کی وجہ سے زیادہ خوش ہوں فتح خیبر کی وجہ سے یا جعفر کے واپس لوٹ کر آنے کی وجہ سے۔

(۲۰)

عمرۃ القضاء

«لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ» الفتح ـ ۲۷	اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کو تحقیق تو البتہ تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن سے اپنے سروں کے بال مونڈتے ہوئے اور کترتے ہوئے بے خوف و خطر۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خواب دکھایا تھا اس کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا اور وہ وقت مقررہ قریب آپہنچا جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کا یہ معاہدہ ہوا تھا کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے تاکہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ پورا ہو جائے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان کیا کہ جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر موجود تھا اسے چاہیئے کہ وہ عمرۃ القضاء کے لئے نکلے اور پیچھے ہرگز نہ رہے۔

حدیبیہ والوں نے اس اعلان پر فوراً لبیک کہا اس لیے کہ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ ان کی وہ آرزو پوری ہوگی جس کے پورا کرنے کا وہ پورے ایک سال سے انتظار کر رہے تھے اور وہ سب کے سب اس بیت اللہ کی زیارت کے مشتاق تھے جس کی زیارت سے مسلمانوں کو روک دیا گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیبیہ کے موقع پر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے انہوں نے عمرہ کی تیاری کر لی اور نکل پڑے اور ان کے ساتھ اور بھی بہت سے مسلمان شریک تھے چنانچہ سب ملا کر دو ہزار افراد ہو گئے جبکہ گذشتہ سال یہ حضرات ایک ہزار چار سو تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو شہسواروں کو ہتھیاروں سے مسلح کر دیا جن کے قائد حضرت محمد بن مسلمہ تھے ان حضرات کو اپنے آگے آگے رکھا تاکہ اچانک حملہ اور دشمن کے غدر سے محفوظ رہ سکیں اور ان مسلح افراد کو یہ حکم دیا کہ جب یہ مقام مرالظہران پہنچ جائیں تو حرم میں داخل نہ ہوں بلکہ مرالظہران کے قریب کسی وادی میں ٹھہر جائیں۔

ان مسلح شہسواروں کے علاوہ باقی تمام مسلمان غیر مسلح سفر کرنے لگے اور ان کے پاس صرف وہ ہتھیار تھا جو مسافر کے پاس ہوتا ہے یعنی نیام میں رکھی ہوئی تلوار ان حضرت کے آگے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصوی نامی اونٹنی پر سوار تھے اور ان سب کے آگے ناجیہ بن جندب قربانی اور

فدیہ کی ساٹھ اونٹنیاں لے کر چل رہے تھے۔

حضرت محمد بن مسلمہ شہسواروں کی جماعت کو لے کر مرالظہران پہنچ گئے وہاں ان کی ملاقات قریش کی ایک جماعت سے ہوئی ان لوگوں نے ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ان سے کہا۔ کل صبح انشاء اللہ اس جگہ پہنچ جائیں۔ قریش کے افراد ان مسلح حضرات کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے اور جلدی سے مکہ جا کر اپنی قوم کو صورت حال سے باخبر کیا اور ان کو بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جلد ہی ان تک پہنچنے والے ہیں، وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ان سے جنگ کی نیت سے آ رہے ہیں۔

قریش یہ اطلاع پا کر بہت گھبرائے اور اپنا ایک وفد جس کا سربراہ مکرز بن حفص تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ دریافت کرنے بھیجا کہ آپ اس صلح و معاہدہ کو کس وجہ سے توڑ رہے ہیں جو پہلے طے ہو چکا تھا۔ قریش کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور مکرز نے آپ سے پوچھا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے نہ بچپن میں غداری کی اور نہ بڑے ہونے کے بعد، کیا آپ حرم میں مسلح ہو کر داخل ہوں گے حالانکہ یہ طے ہو گیا تھا کہ آپ صرف وہ ہتھیار ساتھ لے کر آئیں گے جو مسافر ساتھ رکھتا ہے اور وہ نیام میں رکھی ہوئی تلوار ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرز کو جواب دیا: میں حرم میں ہرگز بھی ہتھیار لے کر نہ جاؤں گا تو مکرز نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو نیکی اور وعدہ پورا کرنے والا ہی پایا ہے۔ یہ سن کر مکرز اور اس کے ساتھی چلے گئے تاکہ قریش کو بتلا دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدہ پر قائم ہیں اور انہوں نے وعدہ نہیں توڑا ہے اور وہ عمرہ و زیارت کی نیت سے ہی آ رہے ہیں اور ہتھیار مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ قریش کے چھوٹے اور بڑے سب کے سب جلدی جلدی مکہ سے نکلنے لگے اور بعض بعض سے یہ کہنے لگے: جلدی سے نکل چلو تاکہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو داخل ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔

چنانچہ قریش سب کے سب مکہ مکرمہ سے نکل گئے اور ٹیلوں اور اونچی جگہوں پر چڑھ گئے جہاں انہوں نے اپنے لئے خیمے لگا رکھے تھے تاکہ مکہ کو مسلمانوں کے لئے خالی کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے باہر ایک وادی میں سو شہسواروں کے ساتھ اپنے دو سو آدمی اور چھوڑ دیئے اور ذی طویٰ نامی مقام پر ان ہدی کے جانوروں کو روکنے کا حکم دے دیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا رُخ کیا اور آپ کے صحابہ آپ کے اردگرد تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قصویٰ اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی اور اس کو لے کر چل رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹنی پر

سوار تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے وہ مکہ جہاں سے آپ رات کو چپکے سے چھپتے چھپاتے نکلے تھے وہ مکہ جہاں سے آپ قریش سے بھاگ کر نکلے تھے اور اس وقت آپ کے ساتھ صرف آپ کے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک خادم تھا، اس مکہ مکرمہ میں اب آپ اس شان سے داخل ہو رہے تھے کہ اس کو قریش نے آپ کے لئے خالی کر دیا تھا اور اس وقت آپ کے ساتھ دو ہزار مسلمان تھے۔

اے رب آپ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کس بڑائی اور جلال کے ذریعہ اعزاز و اکرام کیا ہے۔

مکہ کے اردگرد کے پہاڑوں اور بلند و بالا چٹانوں سے لوٹ لوٹ کر بار بار یہ آوازیں آ رہی تھیں:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا	اے اللہ میں حاضر ہوں حاضر ہوں حاضر
شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ	ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ	ہوں تمام تعریفیں اور نعمتیں آپ ہی کی ہیں
لَا شَرِيْكَ لَكَ۔	اور حکومت و مملکت بھی آپ کا کوئی شریک نہیں

یہ وہ تلبیہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا، اور پھر آپ کے پیچھے دو ہزار مسلمانوں نے اسے دہرانا شروع کر دیا

ٹیلوں اور پہاڑوں پر سے قریش جھانک جھانک کر دیکھنے لگے اور نہایت حیرت اور تعجب سے اس عظیم الشان قدسی جلال کو دیکھتے رہ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ کعبہ کے پاس پہنچ گئے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی چادر کو بغل کے نیچے سے نکال کر کاندھے پر ڈال لیا یعنی دایاں بازو اور کاندھا احرام کی چادر سے باہر نکال لیا اور پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو آج ان قریش کے سامنے بہادری اور طاقت کا مظاہرہ کرے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ مسلمانوں کی بڑائی اور عظمت اور مشرکوں کے خلاف بھڑکانے اور ابھارنے والے اشعار پڑھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے یہ کہہ کر منع فرما دیا۔

اے ابن رواحہ رک جاؤ یہ کہو:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ	نہیں ہے کوئی معبود سوائے ایک اکیلے
صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ	اللہ کے اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا،
عَبْدَهٗ وَأَعَزَّ جُنْدَهٗ	اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اپنے لشکر کو
وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ	عزت بخشی اور تمام جتھوں اور لشکروں
	کو خود اکیلے ہی نے شکست دے دی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ نے یہ پڑھنا شروع کر دیا اور مسلمانوں نے

بھی اسے دہرانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کا استلام کیا اور پھر کعبہ کے اردگرد طواف شروع کر دیا، کبھی چلنے لگتے اور کبھی دوڑنے لگتے اور جب بھی کعبہ کے ارکان اربعہ میں سے کسی رکن رکنا رے پر پہنچتے تو اس پر ہاتھ مبارک پھیرتے یہاں تک کہ اس طرح سے آپ نے تین طواف پورے کئے پھر وہاں سے صفا آئے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے سات چکر لگائے۔ پھر مروہ کے قریب ایک جگہ پر کھڑے ہو گئے جہاں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ ہدی کے جانور لے آئے تھے چنانچہ آپ نے ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور آپ یہ فرما رہے تھے۔ یہ ذبح کرنے کی جگہ ہے اور مکہ کی تمام گھاٹیاں ذبح کرنے کی جگہ ہیں:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک منڈایا اور تمام مسلمانوں نے بھی اپنا سر منڈا لیا اور اس طرح سے سب کے عمرہ کے مناسک وارکان پورے ہو گئے۔

اور اس طرح سے مسلمانوں نے اپنے اس کعبہ کی زیارت کی جس کے وہ شدید مشتاق تھے اور جس کے طواف کے لئے وہ ایک طویل عرصہ سے خواہشمند تھے۔ مہاجرین نے اس بیت اللہ کے حرم میں بیٹھ کر سکون حاصل کیا جس سے وہ ایک زمانہ سے محروم تھے اور مکہ کے راستوں اور گلیوں میں پھرنے لگے جہاں ان کے وہ مکانات تھے جنہیں یہ اللہ کی راہ میں اپنے

پیچھے چھوڑ آئے تھے اور یہ مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ ادھر ادھر گھوم کر ان کو اپنے قصّہ گوئی کی جگہیں اور اپنی یادگاریں دکھانے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں نہ ٹھہرے بلکہ آپ نے خیمہ لگانے کا حکم دیا اور آپ کے ٹھہرنے کے لئے ابطح مقام پر خیمہ لگا دیا گیا جہاں آپ نے قیام فرمایا، اور اس طرح سے ان تین دنوں میں سے پہلا دن گذر گیا جن تین دن ٹھہرنے کی قریش نے مسلمانوں کو اجازت دی تھی۔ جب دوسرا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں تشریف لائے اور وہاں تشریف فرما ہو گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ظہر کی اذان دینے کے لئے بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گئے اور ان کی پرکیف میٹھی میٹھی آواز مکہ اور اس کے ارد گرد کی فضاء کو ان کلمات سے چیرنے لگی، اللہ اکبر اللہ اکبر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے قریب دو ہزار مسلمانوں کی امامت کی۔ وہ بیت اللہ جہاں آپ سات سال قبل اکیلے تنہا نماز پڑھنے میں مشقت کو برداشت کیا کرتے اور صعوبتیں جھیلتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے پاس جو مکہ کے باہر مقیم تھے اپنے ان ساتھیوں کو بھیج دیا، ان کی جگہ وہاں ٹھہر جائیں تاکہ وہ لوگ بھی بیت اللہ کی زیارت

کر سکیں اور جس طرح ان کے بھائی زیارت بیت اللہ سے مستفیض ہوئے ہیں یہ بھی اپنا حصّہ حاصل کریں۔

قریش نے پہاڑوں، وادیوں کے اوپر اپنے پڑاؤ سے مسلمانوں کو یہ سب کچھ کرتے دیکھا، انہوں نے عظمت کا مشاہدہ کیا اور جلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس اور ذہنی کسک کو محسوس کیا جو ان لوگوں کے دلوں کو بھر چکا تھا اور اس ایمان و حوصلہ کے دلوں میں جاگزیں تھا۔

قریش پر کپکپی طاری ہو گئی، اور ان میں سے اکثر کے دلوں پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور انہوں نے جب مسلمانوں کی اس بھاگ دوڑ کی اور بیت اللہ کا طواف کرتے وقت قوت کے مظاہرے اور چلنے اور دوڑنے میں ان کی چابکدستی کو دیکھا تو نہایت تعجب سے کہنے لگے۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان نہایت تنگی سختی اور پریشانی میں گرفتار ہیں!!

قریش نے جب حضرت بلال کو کعبہ پر چڑھتے ہوئے دیکھا اور اس کے اوپر چڑھ کر اذان دینے کی آواز سنی تو ان میں سے اکثریت کے اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھ ایک جماعت نے اپنے سر پھیر لئے اور اپنے چہرے چھپا لئے اور کانوں کو بند کر لیا تاکہ نہ بلال کو دیکھیں اور نہ ان کی آواز سن سکیں۔ عکرمہ بن ابی جہل نے جب یہ دیکھا تو کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ابوالحکم کو یہ اعزاز بخشا کہ وہ اس غلام

کو یہ کہتے ہوئے نہ سن سکیں۔ اسی طرح کے الفاظ صفوان بن امیہ وغیرہ نے بھی اپنے ان دو مدینے کے بارے میں کہے جو دین اسلام کے دشمن تھے اور اپنے ٹھکانے کو پہنچ چکے تھے۔

مسلمانوں نے مشرکوں کے دلوں پر جو اثرات چھوڑے تھے وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اس لئے کہ ان میں سے کثریت کے دل ایمان قبول کرنے کے لئے منشرح ہو چکے تھے اور ان کے دلوں میں اسلام کی طرف میلان پیدا ہو گیا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کی سالی یعنی ان کی بیوی ام ابو الفضل کی بہن میمونہ سے نکاح کر لیں اس لئے کہ میمونہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ان کا دل ایمان سے بھرا ہوا ہے اور انہوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ میمونہ کو مشرکوں کے جال سے نکال کر لے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ سے نکاح کرنا منظور کر لیا۔

مسلمانوں نے جب مکہ میں تین راتیں گذار لیں تو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ کو بھیجا تاکہ وہ آپ سے مطالبہ کریں کہ آپ معاہدہ کے مطابق مکہ سے چلے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے کہا: تم کو کیا ہو جائے گا اگر تم مجھے اتنے وقت

کے لئے چھوڑ دو کہ میں تمہارے درمیان شادی کر لوں اور تمہارے لئے کھانا بناؤں اور تم لوگ بھی اس کھانے میں شریک ہو جاؤ۔

لیکن سہیل اور حویطب جانتے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر اس جیسی دعوت کا قریش پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کے ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے تعلق کا قریش پر کیا اثر پڑا تھا اس لئے حویطب صبر نہ کر سکا اور اس نے چیخ کر کہا: ہمیں آپ کا کھانا کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ کو عہد اور اس وعدہ کی قسم دیتے ہیں جو آپ کے اور ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ آپ ہماری سرزمین سے چلے جائیں، اس لئے کہ جن تین دن ٹھہرنے کا وعدہ ہوا تھا وہ گذر چکے تھے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے وہ غصہ ہو گئے اور انہوں نے حویطب کو جھڑک دیا اور فرمایا: تو نے جھوٹ کہا اس لئے کہ یہ سرزمین نہ تیری ہے نہ تیرے باپ کی ہے، بخدا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اپنی مرضی اور خوشی سے جائیں گے ویسے نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دئیے اور سعد بن عبادہ سے فرمایا، اے سعد تم ایسی قوم کو تکلیف نہ پہنچاؤ جو ہم سے ملنے ہمارے پاس آئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو رافع کو حکم دیا کہ مسلمانوں میں یہ اعلان کر دیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی مکہ میں رات

نہ گذر رہے۔

جب مسلمان مکہ چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے تو حضرت علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہمارے چچا حضرت حمزہ کی بیٹی اپنی ماں کے ساتھ یہیں مقیم ہے ہم اس کو مشرکین کے درمیان کیوں چھوڑ دیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے مکہ سے نکلتے وقت اپنے ساتھ عمارہ بنت حمزہ اور ان کی والدہ سلمی بنت عمیس کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔

حضرت میمونہ کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع کو مکہ میں چھوڑ دیا جو ان کو ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہوئے اور سرف مقام پر مسلمانوں کے ساتھ مل گئیں۔

مسلمانوں نے مدینہ منورہ کا رخ کر کے سفر شروع کر دیا اور وہ بہت خوش خوش تھے، ان کے دل خوشی و سرور سے لبریز تھے اس لئے کہ انہوں نے وہ خواہش پوری کر لی تھی جس کے ایک طویل زمانہ سے مشتاق تھے اور انہیں کامل یقین تھا کہ اس عمرہ کے بعد ان کو ایک عظیم فتح نصیب ہوگی۔

مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے اس عمرہ کے جو آثار چھوڑے تھے اس کا اثر مسلمانوں کی توقع و امید سے بہت پہلے ظاہر ہو گیا، اس لئے کہ مکہ کے ان سرداروں کی اکثریت کا دل اسلام کی طرف راغب ہو چکا تھا کیونکہ

اسلام کی عظمت کا اپنی چشم خود مشاہدہ کر لیا تھا اور اس میں حقانیت اور سچائی کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اظہار اور اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لانے کا اقرار کر لیا۔

ان لوگوں میں سر فہرست وہ جماعت تھی جو قریش میں نہایت بہادر، دلیری و جنگجو مشہور تھی، جن میں جنگ احد کے بہادر اور قریش کے عظیم شہسوار حضرت خالد بن ولید اور عرب کے نہایت زبردست بہادر عمرو بن العاص اور کعبہ کے محافظ عثمان بن طلحہ تھے۔ یہ تینوں راستہ میں ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔ اور یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہتے تھے اگرچہ یہ مختلف راستوں اور جہات سے آئے تھے۔

حضرت خالد بن ولید بہت زبردست مقابلے اور سخت عناد رکھنے کے بعد ایمان لائے تھے، اور انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں، اور اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور نہ آپ جادوگر ہیں اور نہ شاعر جیسا کہ پہلے وہ خود بھی کہا کرتے تھے اور قریش اب کہتے ہیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اسلام ہی وہ دین برحق ہے یہ سب کچھ انہوں نے اس کے لئے کیا جب کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف اور آپ کو ختم کرنے کے لئے قریش کے شہسواروں کی ایک زمانہ تک قیادت کرتے رہے تھے۔

حضرت خالد بہت جری، اور بہادر تھے کہ انہوں نے قریش کے سامنے کھلم کھلا اپنے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اس طرح اظہار کیا ہر ذی عقل کے سامنے کھل کر یہ بات آ گئی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو جادوگر ہیں نہ شاعر ہیں اور یہ کہ آپ کا کلام اللہ رب العالمین کا کلام ہے اس لئے اب ہر ذی عقل کے لئے یہ بات ضروری ہو گئی ہے کہ وہ ان کی پیروی کرے۔

قریش نے حضرت خالد کو بہت برے لقب سے نوازا اور ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ صابی ہو گئے ہیں اور اپنے دین سے پھر گئے ہیں ابوسفیان نے ان پر حملہ کرنا چاہا تو عکرمہ بن ابی جہل نے اس کو یہ کہہ کر روک دیا۔

اے ابوسفیان ذرا ٹھہر جاؤ، کیا تم خالد کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ انہوں نے ایک رائے کو اپنا لیا ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ قریش سب کے سب ان کی پیروی کر رہے ہیں بلکہ مجھے تو ڈر یہ ہے کہ ابھی ایک سال نہ گذرا ہوگا کہ تمام اہل مکہ ان کی پیروی کرتے نظر آئیں گے

جب حضرت خالد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ چاہا کہ ان کے ساتھ قریش کے جوانمردوں میں سے ایک اور آدمی بھی ساتھ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں صفوان بن امیہ سے یہ کہہ کر بات کی۔

اے ابو وہب۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم پر

غالب آ گئے ہیں، اس لئے اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی پیروی شروع کر دیں تو ان کی عزت ہی ہماری ہوگی لیکن صفوان جس کے باپ اور بھائی جنگ بدر میں مارے جا چکے تھے اس نے کہا: اگر میں مرتے دم تک اکیلا ہی غیر مسلم باقی رہ جاؤں تب بھی ان کی پیروی نہیں کروں گا۔

حضرت خالد نے عکرمہ سے بھی وہی بات کی جو صفوان سے کی تھی تو اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا جیسا جواب اس سے پہلے صفوان نے دیا تھا۔

حضرت خالد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے لیکن انہوں نے قریش کے کسی فرد کو اپنی منزلِ مقصود نہیں بتلائی۔ ابھی انہوں نے سفر شروع ہی کیا تھا کہ ان کی ملاقات اپنے ایک دوست عثمان بن طلحہ سے ہوئی جو کعبہ کی چابیوں کے رکھوالے تھے۔ خالد کشمکش و پیچ میں پڑ گئے کہ کیا عثمان کو اپنی منزلِ مقصود بتلا دیں اور ان سے اپنے ساتھ چلنے کا مطالبہ کریں جبکہ عثمان کا خون بہا مسلمانوں کے ذمہ تھا، اس لئے کہ ان کے باپ چچا اور چار بھائی جنگ احد میں قتل کر دیئے گئے تھے؟ لیکن خالد زیادہ دیر متردد نہ رہے اور انہوں نے عثمان سے اپنا مدعا بیان کر دیا۔

حضرت خالد نے محسوس کر لیا کہ عثمان اسلام کی طرف میلان رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ جا کر بیعت کرنے کی رغبت ان میں موجود ہے۔ حضرت خالد اور عثمان میں یہ طے ہو گیا کہ عثمان مکہ میں اپنے چند معاملات طے کرنے کے بعد

مکہ کے باہر فلاں جگہ پر ملیں گے اور پھر وعدہ کے مطابق وقت مقررہ پر دونوں ایک دوسرے سے مل گئے اور مدینہ منورہ کا رُخ کر کے چل پڑے۔

غزوۂ احزاب میں عمرو بن العاص قریش کے ساتھ تھے اور جب اس غزوہ میں مسلمان فتحیاب ہو گئے تو عمرو نے قریش کے بعض حضرات سے کہا: میرے ساتھیو! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ بہت آگے بڑھ جائے گا، میری ایک رائے ہے بتلاؤ تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

انہوں نے پوچھا: اے ابن العاص آپ کی رائے کیا ہے؟

انہوں نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم حبشہ کے نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہیں مقیم ہو جائیں پھر اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم نجاشی کے پاس نجاشی کے ماتحت ہوں گے جو اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماتحت ہوں اور اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو ہم وہ ہیں جنہیں لوگ جانتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ خیر و بھلائی اور اچھا سلوک ہی کریں گے۔

عمرو کے ساتھیوں نے کہا بے شک یہ بہت اچھی رائے ہے، لہٰذا عمرو اور ان کے ساتھیوں نے حبشہ جانے کی تیاری شروع کر دی اور نجاشی کو ہدیہ دینے کے لئے بہت سی کھالیں جمع کر لیں۔ اس لئے کہ نجاشی کو سب سے زیادہ کھالوں کا ہدیہ محبوب تھا۔ نجاشی نے عمرو اور ان کے ساتھیوں کو خوش آمدید

کہا اور ان کے ہدیہ کو قبول کیا اور یہ لوگ وہاں بڑے خوش خوش مقیم رہے۔

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن امیہ کو دو خط دے کر بھیجا جن میں سے ایک میں آپ نے نجاشی کو اسلام میں داخل ہونے کا پیغام دیا تھا اور دوسرے میں یہ مطالبہ تھا کہ جو مسلمان حبشہ میں مقیم ہیں انہیں آپ کے پاس بھیج دیا جائے اور یہ کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے آپ کے نکاح کے سلسلہ میں وہ آپ کی طرف سے وکیل بن جائیں۔ ام حبیبہ حبشہ ہجرت کرنے والوں میں سے تھیں۔ عمرو بن امیہ جب وہاں پہنچے تو عمرو بن عاص کی نظر عمرو بن امیہ پر پڑ گئی اور وہ سمجھ گئے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد بن کر آئے ہیں۔

چنانچہ عمرو بن العاص نجاشی کے پاس گئے اور ان سے کہا: بادشاہ سلامت! میں نے آپ کے پاس سے ایک شخص کو نکلتے ہوئے دیکھا ہے جو ہمارے ایک دشمن کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہے اس لئے وہ آدمی آپ ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں اس لئے کہ اس نے ہمارے معززوں اور اشراف کو مارا ہے۔

نجاشی نے عمرو کی طرف نہایت غصہ اور ہیبت ناک نظروں سے دیکھا (اور وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی مراد عمرو بن امیہ ہے) اور پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر عمرو کی ناک پر اس زور سے مارا کہ عمرو کو یہ گمان ہوا کہ ان کی ناک کی

ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور ان کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی اور انہوں نے نجاشی کے غصہ کو دیکھ لیا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں نجاشی سے سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے کہ اے بادشاہ سلامت۔ بخدا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات بُری لگے گی تو میں آپ سے ایسی بات ہرگز نہ کہتا۔

بادشاہ نے نہایت سختی اور غصہ میں کہا کیا تم مجھ سے یہ سوال کرتے ہو کہ میں قتل کے واسطے ایسے شخص کے قاصد کو تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہ فرشتہ آتا ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔

نجاشی کی اس قوت روح سے متاثر ہو کر جس سے نجاشی بات کر رہے تھے، اور ان کی اس حیثیت و بہادری کے سامنے عمرو کی روح اُلٹ گئی عمرو نے نجاشی سے کہا بادشاہ سلامت کیا بات بالکل اسی طرح ہے؟

نجاشی نے جواب دیا اے عمرو تجھے کیا ہو گیا ہے تو میری بات مان اور ان کی پیروی کر لے اس لئے کہ بخدا وہ حق پر ہیں اور عنقریب وہ اپنے مخالفین پر غالب آجائیں گے۔

عمرو نے یہ محسوس کیا کہ ایمان ان کے دل میں سرایت کر رہا ہے اور اسلام کا نور ان کے قلب کو بھر رہا ہے چنانچہ انہوں نے نہایت اعتماد اور اطمینان سے نجاشی سے کہا کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

مجھ سے اسلام کی بیعت کرتے ہو؟ نجاشی نے فوراً جواب دیا جی ہاں، اور فوراً اپنا ہاتھ عمرو کے لئے پھیلا دیا، اور عمرو نے ان کے واسطے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی، اور نجاشی کے پاس سے اس حالت میں نکلے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے اپنے مسلمان ہونے کی خبر کو چھپایا تھا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ کسی کشتی کے ذریعہ سے حبشہ سے جزیرۂ عرب چلے جائیں۔

حضرت عمرو کے لئے وہ وقت بھی آگیا اور ایک کشتی کے ذریعہ وہ جزیرۂ عرب چلے گئے اور وہاں ایک اونٹ خریدا اور اس پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کا رُخ کیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کریں۔

ابھی وہ راستہ میں ہی تھے کہ انہوں نے دو آدمیوں کو سفر کی تکان دور کرنے کے لئے خیمہ لگاتے ہوئے دیکھا جب یہ ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ ہیں، چنانچہ عمرو نے حضرت خالد سے پوچھا۔

اے ابو سلیمان! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت خالد نے عمرو کو جواب دیا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس لئے کہ بخدا راستہ صاف اور واضح ہو چکا ہے اور بات ظاہر ہو گئی ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کے

تھی ہیں اس لئے تم بھی ہمارے ساتھ مسلمان ہو جاؤ، ورنہ اب کب تک اور انتظار کرتے رہو گے؟ حضرت عمرو نے جواب دیا میں اسلام لانے کے لئے ہی تو آیا ہوں۔

اور اس طرح سے یہ تینوں ایک مقصد اور ایک غرض کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو ان کو ایک مسلمان نے دیکھ لیا اور ان کے آنے کے مقصد کو سمجھ لیا اور خوشی سے کہا۔ گویا ان دونوں کے بعد مکہ کے تمام آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔ دونوں آدمیوں سے ان کی مراد حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید تھے۔

وہ شخص جلدی سے مسجد نبوی کی طرف دوڑا تاکہ ان آنے والوں کی اطلاع دے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا مکہ نے تمہارے پاس اپنے جگر گوشے بھیج دئے ہیں اور ان آنے والوں کی آمد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ جب یہ حضرات اپنے لباس کو تبدیل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔

حضرت خالد نے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کلمہ شہادت پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے تمہیں ہدایت دی۔

میں تمہیں عقلمند سمجھتا تھا اور مجھے یہ یقین تھا کہ تمہاری عقل تمہیں خیر کی طرف ہی لے جائے گی۔

حضرت خالد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے کہ میری ان جنگوں کو معاف کر دے جن میں میں نے آپ کے خلاف شرکت کی تھی۔ حضرت عثمان آگے بڑھے اور انہوں نے بیعت کی۔ پھر حضرت عمرو آگے بڑھے اور انہوں نے بھی بیعت کی اور وہ یہ فرما رہے تھے اے اللہ کے رسول میں آپ سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے پچھلے تمام گناہ معاف کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو اسلام پچھلے تمام گناہ ختم کر دیتا ہے اور ہجرت اس سے پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور دین اسلام کو روئے زمین پر پھیلانے میں مصروف ہو گئے اور آپ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ عنقریب مکہ فتح ہونے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اور قاصد حکومتوں کے امرا اور سربراہوں کے پاس اسلام کی دعوت دینے اور ان کو مسلمان ہونے پر آمادہ کرنے کے لئے بھیجے ان قاصدوں میں اہل ترین سفارت بردار حضرت عمرو بن العاص تھے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی بعض جماعتیں جزیرۂ عرب کی مختلف جہات میں روانہ کیں جن میں سے بعض جماعتیں وہ بھی تھیں جو ان قبائل سے جنگ کرتی تھیں جو مسلمانوں کی دشمن تھیں اور مسلمانوں کے خلاف دوسروں کو اکساتی اور ان کو جمع کر کے مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔

مسلمانوں کی ان جماعتوں میں سے بعض جماعتیں وہ تھیں جو عرب قبائل اور جزیرۂ عرب میں منتشر بدو قبائل کی اللہ کے دینِ برحق کی طرف رہنمائی کرتی رہتی تھیں اور اس کی اچھائیاں اور بھلائیاں ان پر واضح کرتیں اور ان کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس اور اس کے فرائض و واجبات سے باخبر کرتی رہتی تھیں۔

دن گذرتے گئے اور یہ سب چیزوں کے نتائج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خوشی و سرور کا پیغام اور مسلمانوں کے لئے نفع تھا جیسے کہ مسلمانوں کی بنو لیث کی جماعت پر فتح پانا، اور ان کے جانوروں اور بکریوں پر قبضہ اور باندیوں اور قیدیوں کی ایک جماعت جن کے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر آئے تو آپ نے ان قیدی عورتوں کو ان کو واپس لوٹا دیا سوائے ایک قیدی عورت کے جو نہایت خوبصورت اور حسین و جمیل تھی جس نے

یہ پسند کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی اس جماعت کے قائد غالب بن وہب کے حصہ میں جائے گی جس نے انہیں گرفتار کیا تھا، اس کو قیدی بنا لیا گیا۔

ان تاریخ میں بعض ایسے بھی تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی اور آپ کی طبیعت پر اس کا نہایت شدید اثر ہوا جیسے کہ آپ کے صحابہ کی اس جماعت کا شہید ہونا جو شام کی حدود میں ذات اطلاع مقام پر اسلام کی دعوت دینے گئی تھی لیکن وہاں والوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا سوائے ان کے سربراہ کے کہ وہ بڑی مشکل سے ان سے اپنی جان بچا سکے اور جیسے کہ آپ کے قاصد حارث بن عمیر کا قتل جنہیں آپ نے قیصر کی طرف سے بصریٰ پر مقرر کردہ حاکم کے پاس بھیجا تھا ان کو شرحبیل بن عمرو غسانی نے ہرقل کی وجہ سے قتل کر ڈالا تھا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہے۔

یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ ان لوگوں سے جہاد کرنا چاہئے جنہوں نے آپ کے صحابہ کو بلا کسی جرم و گناہ کے قتل کر ڈالا ہے اور اس گندی حرکت کی وجہ سے جو کہ مروت اور شرافت کے خلاف ہے ان سے جنگ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کے لئے مسلمانوں میں سے تین ہزار جنگجو تیار کئے اور ان پر حضرت زید بن حارثہ کو امیر بنا دیا اور فرمایا:

اگر زید شہید ہو جائیں تو میر جعفر بن ابی طالب ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر عبد اللہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی مرضی سے اپنے میں سے کسی شخص کو امیر بنالیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک نعمان بن فنحص نامی یہودی نے بھی سن لیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

اے ابو القاسم اگر آپ واقعی نبی ہیں تو جن کے آپ نے نام لئے ہیں وہ واقعی شہید ہو جائیں گے کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیاء جب یہ کہا کرتے تھے کہ اگر فلاں شہید ہو جائے تو وہ واقعی شہید ہو جاتا تھا چاہے وہ لوگ جن کا نام نبی نے لیا ہے وہ سو کی تعداد میں کیوں نہ ہوں۔

یہ مجاہدین مدینہ منورہ سے رخصت ہو گئے اور ان کو رخصت کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ان کے ساتھ ثنیۃ الوداع تک گئے اور سفید جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کو دیا اور مسلمانوں کو یہ وصیت کی۔

میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جو اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے اس سے جنگ کرو۔ غدر نہ کرنا، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور بچے اور عورت اور بڈھے کھوسٹ

کو قتل نہ کرنا اور کھجور کے درخت ضائع نہ کرنا نہ کسی درخت کو کاٹنا نہ کسی گھر کو ڈھانا۔

جب تمہاری ملاقات تمہارے دشمن مشرکوں سے ہو تو ان کو تین باتوں میں سے ایک بات کی طرف بلانا۔ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا اگر وہ ایسا کریں تو ان سے اسلام کو قبول کر لینا اور ان سے اپنے ہاتھ کھینچ لینا۔ پھر ان کو اپنے گھروں سے دار ہجرت کی جانب منتقل ہونے کی دعوت دینا۔ پھر اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کو وہ ملے گا جو مہاجرین کو ملتا ہے اور ان پر وہ ذمہ داری آئے گی جو مہاجرین پر آتی ہے اور اگر وہ اسلام میں داخل تو ہو جائیں لیکن اپنے ملک و گھروں میں ہی رہنا چاہیں تو وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے، اللہ کا حکم ان پر نافذ ہوگا لیکن ان کو مال فئی اور جو بغیر جنگ کئے حاصل ہوتا ہے، اور مال غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت دو اگر وہ جزیہ دے دیں تو ان سے اس کو قبول کر لو اور ان سے لڑنے سے رک جاؤ اور اگر وہ ان سب چیزوں سے انکار کریں تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے جنگ شروع کر دو۔

لشکر رخصت ہونے لگا اور اہل مدینہ کی آوازیں اپنے مجاہدین کو ان

حفاظت سے رخصت کرتے تھیں۔

اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے مدافعت کرے اور تم کو صحیح سالم اور مالِ غنیمت کے ساتھ پہنچا دے۔

مسلمانوں کے لشکر نے مدینہ اور اطراف شام کا ایک مرحلہ طے کر لیا اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ مستقل اشعار اور قصیدہ پڑھتے جا رہے تھے اور کبھی تو مسلمانوں کو جوش دلاتے تھے اور ان کو بچاتے تھے اور کبھی اپنے نفس کو اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کی امید دلاتے رہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ لشکر سرزمین شام کی معان نامی جگہ پر ٹھہر گیا اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ شام پر ہرقل کی طرف سے مقرر کردہ گورنر شرحبیل کو ان کے آنے کا علم ہو گیا ہے اور اس نے مختلف عرب قبائل کی جماعتوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ اور ہرقل کے پاس مدد کی درخواست کی تو ہرقل نے اس کی مدد کے لئے ایک عظیم الشان لشکر رومیوں سے ترتیب دیا اور اس لشکر کا سردار اپنے بھائی تھیودور کو بنایا۔

مسلمان اس سوچ میں پڑ گئے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ آیا وہ ہرقل کے اس لشکر کا مقابلہ کریں جن کی تعداد ایک لاکھ یا دو لاکھ ہے یا اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بھیج کر اس سلسلہ میں مشورہ نہ کر لیں تاکہ یا تو آپ ان کی مدد کے لئے آدمیوں کو

بھیج دیں یا جو مناسب سمجھیں وہ مشورہ دے دیں۔

اسی کشمکش و پیچ میں مسلمان معان مقام پر دو دن تک ٹھہرے رہے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ در اصل حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے لوگوں کو ہمت و جوش دلاتے ہوئے فرمایا، اے میری قوم ہم افرادی کثرت اور کثرت ہتھیار گھوڑوں کی تعداد کے بل بوتے پر نہیں لڑتے تھے ہم تو اس دین کے بل بوتے پر لڑتے تھے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اعزاز بخشا ہے۔ لہٰذا تم لوگ چلے چلو اس لئے کہ ہمیں دو اچھائیوں میں سے ایک اچھائی ضرور ملے گی۔ اور وہ یہ کہ یا تو ہم دشمنوں پر فتحیاب ہوں گے اور یا ہمیں شہادت نصیب ہو گی۔

اس بات سے لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا اور ان کے نفوس میں بہادری سرایت کر گئی اور انہوں نے باوجود اپنی تعداد کے کم ہونے اور دشمن کے زیادہ ہونے کے دشمن سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

مسلمانوں کا لشکر روانہ ہوا اور بلقاء نامی جگہ کی حدود تک پہنچ گیا جہاں ہرقل کا لشکر مشارف نامی ایک بستی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ دشمن مسلمانوں کے نزدیک گیا تو مسلمانوں کا لشکر موتہ نامی بستی کی آڑ میں آ گیا۔ اس لئے کہ لوگوں نے اس جگہ کو مشارف والوں سے لڑنے کے لئے مناسب خیال کیا چنانچہ موتہ میں مسلمانوں اور مشرکوں کے لشکر کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ ایک طرف ایسی قوت تھی جس نے کثرت کی طاقت پر اعتماد کیا ہوا تھا، اور دوسری

طاقت ایک ایسی قوت تھی جس سے ان کی طاقت پر اعتماد کیا تھا۔

مسلمانوں کے جھنڈے کو تھامنے والے حضرت زید بن حارثہ دشمن کے لشکر میں گھس گئے اور جھنڈا اپنے ہاتھ میں پکڑے رہے اور نہایت بہادروں کی طرح جنگ کرتے رہے۔ انہیں دشمن کے تعداد میں زیادہ ہونے کی پرواہ تھی اور نہ اس کے ہتھیاروں و ساز و سامان کے زیادہ ہونے کی، اور وہ اسی طرح لڑتے رہے حتی کہ دشمنوں کے نیزوں کی ضربات کی کثرت سے وہ شہید ہو گئے۔

چنانچہ جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور اپنے گھوڑے کو نہایت بہادری و شجاعت سے دشمن کی صفوں میں داخل کر دیا اور دائیں بائیں حملہ کرنے لگے اور پھر جب دشمن نے ان کے گھوڑے کو چاروں طرف سے گھیر لیا، اور وہ سمجھ گئے کہ اب دشمنوں سے جان چھوٹ نہیں سکتی، اور یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے اور اسے زخمی کر دیا تو دشمنوں پر پل پڑے اور جھنڈا اپنے دائیں ہاتھ میں تھامے رہے حتی کہ دشمنوں نے ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا تو انہوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا تو دشمنوں نے بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا تو انہوں نے اسے دونوں بازوؤں کے درمیان دبا لیا اور اسے اس طرح دبائے رہے حتی کہ ایک رومی نے ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

پھر حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈا تھام لیا اور آگے بڑھ کر

جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ جب خوب تھک گئے تو ارادہ کیا کہ گھوڑے کو واپس موڑ لیں اور واپس چلے جائیں یا جنگ کرتے رہیں، یعنی تردد میں پڑ گئے۔ اسی اثناء میں ان کے ایک چچا زاد بھائی ایک گوشت کا ٹکڑا ان کے پاس لائے اور کہا، اس سے اپنی کمر سیدھی کیجئے، اس لئے کہ ان دنوں میں آپ نے بہت فاقے کئے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے گوشت کا ٹکڑا لے لیا اور ابھی اس میں سے ایک لقمہ ہی لیا تھا کہ ان کے کانوں میں مسلمانوں ____ اور دشمنوں کے درمیان لڑائی کے شدید ہونے کی آواز آئی۔ چنانچہ انہوں نے گوشت کا وہ ٹکڑا ہاتھ سے پھینک دیا اور اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ فرمانے لگے۔ کیا تم ابھی تک دنیا میں لگے ہو؟ اور پھر تلوار نکال، اور دشمن کی صفوں میں گھس کر جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اور اس وقت مسلمانوں کا جھنڈا گر گیا، اور وہ تینوں حضرات جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر پر امیر مقرر کیا تھا نہایت شدید لڑائی اور بہادروں کی طرح جنگ کر کے زندگی کے آخری سانس تک لڑتے لڑتے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے، اور بنو العجلان میں سے حضرت ثابت بن ارقم آگے بڑھے اور انہوں نے یہ کہہ کر جھنڈا اٹھا لیا: اے مسلمانوں کی جماعت کسی شخص کو متفقہ طور سے امیر مقرر کر لو:

سب نے کہا آپ امیر ہیں، انہوں نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا تو پھر سب نے یہ طے کیا کہ حضرت خالد بن ولید کو اپنا امیر بنا لیں، اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا جھنڈا اٹھا لیا اور لشکر کے اگلے حصہ میں لڑتے رہے حتیٰ کہ ان کے ہاتھ میں کئی تلواریں ٹوٹ گئیں۔ پھر دونوں لشکروں اور لڑائی جاری رکھنے کے درمیان رات حائل ہو گئی۔

حضرت خالد نے یہ محسوس کر لیا کہ دشمنوں کے اس عظیم الشان لشکر سے مسلمانوں کا بچنا ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ تدبیر اور حیلہ سے کام لیا جائے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد نے اپنے لشکر کی اصلاح کی اور اس کی صفوں کی ترتیب بدل دی چنانچہ دائیں طرف کے حصہ کو بائیں طرف کر دیا، اور اگلے حصہ کو پیچھے کی طرف کر دیا اور پچھلے حصہ کو آگے کر دیا، اور مزید ان کی ایک جماعت کو لشکر کے پیچھے کر دیا اور انہیں یہ نصیحت کی کہ اتنا شور و غل مچائیں کہ جس سے سننے والا یہ محسوس کرے کہ وہ بھی اس تعداد سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

قیصر کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر میں بہت بڑی عجیب تبدیلی ہے اور کچھ تبدیلی ہے۔ اس نے شور و غوغا کی آواز سن کر یہ یقین کر لیا کہ مسلمانوں کے لشکر کی مدد کے لئے اور لوگ آ گئے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنی صفوں کو از سر نو منظم کر لیا ہے، اور یہ اور طاقت ور ہو گئے

ہیں، چنانچہ رومیوں کی صفوں میں خوف و دہشت طاری ہو گیا اس لیے کہ وہ پہلے دن باوجود مسلمانوں کے کم ہونے کے ان کی بہادری اور جانثاری کو دیکھ چکے تھے تو وہ سوچنے لگے کہ جب قلیل تعداد کی یہ حالت تھی تو اب جب کہ ان کے پاس اور زیادہ آ گئے ہیں ان کی کیا حالت ہو گی۔

یہ دیکھ کر روم کے قائد حملہ کرنے میں پس و پیش کرنے لگے تاکہ اس معاملہ میں غور و فکر کر سکیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس موقعہ کی تلاش میں تھے چنانچہ وہ فوراً ہی اپنے لشکر کو موتہ سے لے کر مدینہ منورہ کی جانب لوٹ گئے۔

رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے اہل مدینہ کا یہ لشکر جب سے روانہ ہوا تھا اس وقت سے اہل مدینہ اس کے حالات جاننے کے نہایت مشتاق تھے اور وہ اس کے متمنی تھے کہ ان کو ایسی خبریں سننے کو ملیں جو مسلمانوں کی کامیابی اور فتح کی بشارت دینے والی ہوں۔

ایک روز مسلمان مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اور آپ منبر پر تھے کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔

جھنڈے کو زید بن حارثہ نے تھام لیا اور انہوں نے جنگ کی حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ مسلمان یہ بات سن کر نہایت فکر و بے قراری میں ہمہ تن گوش

ہو گئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجابات اور پردے ہٹا کر یہ دکھا دیا گیا ہے پھر انہوں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں۔

پھر جھنڈے کو جعفر نے تھام لیا اور انہوں نے بھی جنگ کی حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئے پھر فرمایا: پھر عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا تھام لیا اور اس کو لے کر لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے اور پھر فرمایا۔ پھر جھنڈے کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے تھام لیا۔

یہ سن کر اہل مدینہ کے دل غم و اندوہ سے بھر گئے اور انہوں نے جان لیا کہ وہ تینوں امیر جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی امارت کے لیے نامزد کیا تھا شہید ہو چکے ہیں اور اس بات سے انہیں جنگ کی شدت اور دشمن کی عظیم قوت کا اندازہ ہو گیا۔

انصار ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی اطلاع دینے سے پہلے آپ خاموش کیوں ہو گئے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے زید کو روشتے ہوئے جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا، اور جعفر کو دیکھا کہ وہ دو پروں کے ذریعے جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور میں نے عبداللہ کو دیکھا

کہ وہ ٹیڑھے ہو کر جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔

یہ بات انصار پر بڑی گراں گزری اور انہوں نے سوال کیا اے اللہ کے رسول ان کے ٹیڑھے ہونے کا سبب کیا تھا؟

آپ نے فرمایا: جب انہیں زخم لگے تو وہ جنگ سے پیچھے ہٹنے لگے لیکن انہوں نے فوراً ہی اپنے نفس کو ملامت کی، اور دل کو مضبوط کیا اور لڑنے لگے اور شہید ہو گئے، اور جنت میں داخل ہو گئے۔ یہ سن کر انصار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی پریشانی ختم ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس سے اس حالت میں اٹھے کہ آپ کے چہرہ مبارک پر سخت غم کے آثار نمایاں تھے اور آپ نے حضرت جعفر کے گھر کا رخ کیا اور ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس کے پاس گئے اور فرمایا اے اسماء جعفر کے بچے کہاں ہیں؟ حضرت اسماء ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے سینے سے لگایا اور بوسہ دیا، اور پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ رونے لگے۔ جسے دیکھ کر حضرت اسماء سمجھ گئیں اور کہنے لگیں۔ اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کیوں رو رہے ہیں کیا آپ کو جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ

نے فرمایا: جی ہاں آج وہ شہید ہو گئے ہیں حضرت اسماء نے چیخ ماری اور تڑپنے لگیں اور غم کی وجہ سے سینہ کوبی کرنے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے اسماء غلط بات نہ کہنا اور نہ سینہ پیٹنا۔

پھر آپ وہاں سے نہایت افسوس وغم اور حسرت کی حالت میں یہ کہتے ہوئے نکلے: ہائے افسوس

وہاں سے آپ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے پاس آئے اور فرمایا، جعفر جیسے آدمی پر رونے والی عورت کو رونا چاہیئے۔ پھر آپ نے گھر والوں سے کہا، جعفر کی اولاد کے لئے کھانا پکا لو اس لئے کہ آج وہ اپنے آپ سے غافل ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کی اولاد سے روتے ہوئے تعزیت وغمخواری کی، اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہ کی اولاد سے بھی۔

اہل مدینہ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں کا لشکر میدان جنگ سے بھاگ گیا ہے، اور اب وہ لشکر خالد اور رات دمیر عبداللہ بن ... تک مدینہ کی طرف آرہا ہے تو اہل مدینہ کو یہ بات بہت بری معلوم ہوئی اور انہوں نے اس کی تصدیق کی، لیکن جب حضرت خالد لشکر کو لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تو اہل مدینہ سخت ناراض ہوئے اور اس لشکر والوں سے نہایت ناراضگی اور بے رخی سے ملے اور انہیں یہ کہنے لگے: اے بھگوڑو، تم اللہ

کے راستے سے بھاگ گئے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لشکر کے بارے میں جب اہل مدینہ کی یہ باتیں سنیں، تو ان سے فرمایا:

یہ لوگ بھگوڑے نہیں، انشاء اللہ یہ لوگ دشمن پر حملہ کرنے کے لئے دوبارہ لوٹ کر جائیں گے۔

لا يؤمن أحدكم حتى
أكون أحب إليه من والده
وولده والناس أجمعين

(۲۱)

فتح مکہ

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۔ (بقرۃ ۔ ۲۵)	اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بہت شوق تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح مکہ کی دولت سے جلد از جلد مالا مال فرما دیں تاکہ وہ دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹ سکیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ دو سال تک کے لئے یہ صلح ہے جس میں کوئی فریق بھی دوسرے سے نہ جنگ کرے گا نہ قتل و غارت، ساتھ ہی اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ عرب قبائل میں سے جو قبیلہ بھی اس معاہدہ میں جس کے ساتھ داخل ہونا چاہے اس کو داخل ہونے کی اجازت ہے چنانچہ اس موقعہ پر خزاعہ کے قبیلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے اور بنو بکر کے قبیلے قریش کی طرف۔

اس معاہدہ کے بعد دن گذرتے رہے اور صورت حال یہ رہی کہ نہ مسلمان قریش اور ان کے ساتھ ملنے والے قبیلوں سے کوئی تعرض کرتے تھے اور نہ قریش مسلمانوں اور ان کے ساتھ ملنے والے قبیلوں سے۔ یہاں تک کہ واقعہ مؤتہ پیش آیا جو مسلمانوں اور رومیوں اور ان کے ساتھ ملنے والے عربوں کے مابین ایک زبردست معرکہ تھا جس میں حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں کا لشکر واپس لوٹ کر آگیا تھا اور مدینہ کے مسلمان اس واپس ہونے والے لشکر سے سخت ناراض تھے اور ان کو بزدل اور بھگوڑے قرار دے رہے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوتے بلکہ آپ اس موقعہ پر واپس آنے والے لشکر کی جانب سے یہ فرماتے تھے کہ یہ لوگ بھگوڑے نہیں بلکہ ان شاء اللہ دوبارہ لوٹ کر حملہ کرنے والوں میں سے ہیں۔

اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ بعض وہ قبیلے جو مسلمانوں سے ڈرتے اور ان کی طرف سے متفکر رہتے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو کمزور سمجھنا شروع کر دیا اور پھر یوں ہوا کہ قریش کی ایک جماعت نے اس معاہدہ سے روگردانی شروع کر دی جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان طے ہوا تھا۔

غزوہ مؤتہ سے مسلمانوں کی واپسی ایک ایسی صورت حال تھی کہ جس سے ایک طرف قریش اور ان کے حلیف قبیلوں اور مدینہ منورہ کے قریب

رہنے والے قبائل پر وہ اثر پڑا تھا جو بھی بیان کیا گیا لیکن ان کے علاوہ جو قبیلے اس جنگ کے محل وقوع کے قریب رہتے تھے ان پر اس واقعہ کا اثر الٹا پڑا تھا اس لئے کہ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ جنگ جس سے مسلمان جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں وہ جنگ جس میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی جبکہ ان کے مدمقابل رومی لشکر کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی ان کی نظروں میں اس عظیم الشان لشکر سے مسلمانوں کا بچ کر نکل جانا بڑی زبردست کامیابی تھی، بلکہ یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ کوئی اس جیسے عظیم لشکر سے ٹکرائے اور پھر بچ جائے۔ درحقیقت اللہ کی مدد ہی اس لشکر کے ساتھ تھی جس کی وجہ سے وہ لشکر کامیابی سے نکل گیا۔

ان قبائل کو مسلمانوں کی اس صورت حال پر اتنا تعجب ہوا اور ان کی قوت ایمانیہ کا ان پر اتنا اثر پڑا کہ ان میں سے اکثریت کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے اور ساتھ ہی وہ عرب جو رومیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے وہ مسلمانوں کی بہادری شجاعت و جرأت اور جنگ کے فنون سے واقفیت اور تجربہ کو دیکھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ وہ اس تفرقہ اور کھلے ہوئے ظاہری امتیازی سلوک کو بھی اس وقت محسوس نہ کر سکے جو قائدین ان کے اور رومیوں کے لشکر کے ساتھ برت

رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ ان کے پاس سے رخصت ہو گئے تو اصل صورت حال ان کے سامنے آئی اور اسلام جو امتیاز اور تفریق کا قائل نہیں ہے، اس کو اس صورت حال سے زبردست فائدہ پہنچا۔

مسلمانوں کی ہیبت و رعب کو دوبارہ قائم کرنے میں مسلمانوں کو اس بات سے بھی بہت فائدہ پہنچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بعض ان قبائل کے پاس بھیجا جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں شام کی سرحدوں کے قریب رہتے تھے۔ حضرت عمرو کا انتخاب اس لئے کیا کہ ان کی والدہ اسی علاقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے عمرو کے لئے یہ آسان تھا کہ ان سے تعلقات پیدا کریں اور ساتھ ہی وہاں والوں کے لئے ان پر اعتماد و بھروسہ کرنا بھی آسان تھا۔

حضرت عمرو اپنے سفر میں اسی سلسل ماء چشمہ تک ہی پہنچ پائے تھے کہ اپنے سفر کو وہیں موقوف کر دیا اس لئے کہ انہیں یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مختلف قبائل ان سے علیحدہ علیحدہ نبٹ کر انہیں اچانک ہلاک و ختم نہ کر ڈالیں اس لئے انہوں نے امداد طلب کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں ان کی مدد کے لئے ایک جماعت بھیجی

اور انہیں یہ وصیت کی کہ عمرو کے ساتھ اختلاف نہ کریں۔

جب حضرت ابو عبیدہ حضرت عمرو کے پاس پہنچے تو اس وقت تک دونوں صاحبان اپنے اپنے ساتھیوں اور جماعت کے قائد تھے حضرت عمرو نے حضرت ابو عبیدہ سے فرمایا کہ آپ میری مدد کے لئے آئے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ نہایت سادہ و سنجیدہ انتہائی متواضع اور نرم آدمی تھے۔ انہوں نے حضرت عمرو کے سامنے گردن جھکا دی۔ اور ان کو اپنا قائد بنا لیا اور یہ فرمانے لگے، اے عمرو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخر میں جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ آپس میں اختلاف نہ کرنا۔

حضرت عمرو تمام افراد کے قائد بن کر چلے اور ان تمام قبیلوں کو جو ان کے مدمقابل تھے ذلیل و رسوا کیا، اور ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑاتے رہے حتیٰ کہ ان کا لشکر تتر بتر ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ان لوگوں پر مسلمانوں کا رعب و ہیبت چھا گئی۔

اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات سے مسلمانوں کا رعب اور ہیبت ان قبائل پر دوبارہ چھا گئی جو مسلمانوں کو حقیر و معمولی سمجھنے لگے تھے۔

ادھر قریش اور ان کے حلیف بنو بکر کے ساتھ یہ معاملہ ہوا کہ بنو بکر کی ایک جماعت نے اپنے عہد و پیمان کو اس طرح توڑ ڈالا کہ انہوں نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر جو مکہ کے پاس اپنے چشمہ پر مقیم تھے رات کو حملہ

کر دیا۔ بنو بکر نے خزاعہ پر ان پرانی رنجشوں اور دشمنیوں کے سبب سے حملہ کیا تھا جنہیں صلح حدیبیہ نے ان کے درمیان حل کر دیا تھا۔ بنو بکر کی امداد قریش کی ایک مسلح جماعت نے بھی کی، اور بنو بکر کے ساتھ مخفی طور پر مل کر لڑنے لگے تاکہ عہد و پیمان توڑنے کا الزام ان پر نہ آئے۔

خزاعہ والوں نے مکہ آکر حرم میں پناہ حاصل کی اور بدیل بن ورقاء خزاعی جو مکہ میں ہی مقیم تھے ان کے گھر چلے گئے اور ان سے مدد طلب کی اور عمرو بن سالم خزاعی نے مدینہ منورہ کا قصد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی، آپ لوگوں کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے لہٰذا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بنو بکر و قریش نے خزاعہ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ خزاعہ والوں نے کس طرح ان کے ساتھ غدر کیا اور جنگ کر کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا جس پر سب نے متفقہ طور پر صلح کی تھی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد و اعانت کی درخواست کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سالم کی بات کو خوب غور سے سنا جب وہ بات ختم کر چکے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرو بن سالم تمہاری مدد کی جائے گی اور لوگوں نے یہ محسوس کر لیا کہ بنو بکر اور قریش نے مسلمانوں اور خزاعہ والوں سے جو عہد شکنی کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہرگز خاموش نہ بیٹھیں گے۔

بدیل بن ورقاء جس سے ان کی قوم نے مدد کی درخواست کی تھی وہ بھی خزاعہ کے کچھ افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے کے ارادہ سے نکلے اور آپ کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور پھر مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے مکہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ان کی ملاقات قریش کے سردار ابو سفیان بن حرب سے ہوئی جو مدینہ جا رہے تھے۔

بدیل بن ورقاء اور ان کے ساتھیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ ابو سفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف اس وجہ سے جا رہے ہیں کہ قریش نے اس معاملہ کی سنگینی کو محسوس کر لیا ہے جو ان کے بعض لوگوں نے خزاعہ والوں کے ساتھ کیا تھا۔

ابو سفیان نے بھی یہ سمجھ لیا کہ بدیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہی آ رہے ہیں چنانچہ ابو سفیان نے بدیل سے پوچھا اے بدیل کہاں سے آ رہے ہو!

بدیل نے ابو سفیان سے اپنے مدینہ منورہ جانے کو مخفی رکھا، لیکن ابو سفیان نے بدیل کے مدینہ جانے سے انکار کرنے کی تصدیق نہ کی، چنانچہ جب بدیل اور ان کے ساتھی چلے گئے تو ابو سفیان بدیل کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ گیا اور اونٹوں کی مینگنیوں کو غور سے دیکھا اور ان میں مدینہ کے چارہ کے دانے پہچان کر کہنے لگا: بخدا بدیل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

پاس مفرور گیا ہے۔

اور پھر ابو سفیان نے مدینہ جانے کے لئے اپنا سفر جاری رکھا جس کی رغبت ان کے قبیلے والوں نے بھی نہیں دلائی تھی اور انہیں یہ یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی اس حرکت کا پتہ چل گیا ہے۔

چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ جس مقصد کے لئے آئے ہیں اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ملیں، چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں ان کا قصد کیا تاکہ وہ ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ کا کام دیں۔

ابو سفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے اسے لپیٹ دیا ابو سفیان اپنی بیٹی کے اس کام کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور ان سے پوچھا، اے میری پیاری بیٹی مجھے معلوم نہیں کہ کیا تم نے بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا۔

تو انہوں نے جواب دیا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا اور آپ ناپاک مشرک آدمی ہیں اس لئے مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ آپ اس بستر پر بیٹھیں، یہ بات سن کر ابو سفیان کو غصہ آ گیا اور کہنے لگے، اے میری بیٹی خدا

مجھ سے جدا ہونے کے بعد تم گمراہی میں پڑ گئی ہو

یہ کہہ کر ابو سفیان اپنی بیٹی کے پاس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور آپ سے مل کر اس سلسلہ میں بات چیت کی جس کے لئے قریش نے انہیں بھیجا تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی مدت میں اضافہ کر دیا جائے اور اس میں اور پختگی اور تاکید پیدا کر جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کو کوئی جواب نہیں دیا۔

چنانچہ وہاں سے ابو سفیان نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا رخ کیا تاکہ ان کو واسطہ دیا جائے لیکن حضرت ابو بکر نے واسطہ بننے سے انکار کر دیا تو ابو سفیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو حضرت عمر کا جواب تھا کہ کیا میں تم لوگوں کی سفارش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں گا؟! بخدا، اگر میرے پاس چیونٹیوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو تب بھی میں تم سے چیونٹیوں کے ذریعہ ہی جنگ کروں گا۔

پھر ابو سفیان حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گیے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں اور ان کے سامنے ان کے صاحبزادے حضرت حسن بھی تھے چنانچہ ابو سفیان نے صورتحال حضرت علی کے سامنے رکھی اور ان سے درخواست کی کہ وہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں سفارش کریں، لیکن حضرت علی نے فرمایا اے ابوسفیان بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر کسی میں یہ طاقت نہیں کہ آپ کو اس سے روک سکے یا اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کر سکے۔ یہ سن کر ابوسفیان حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوئے، اور قسم دے کر ان سے کہا

اے فاطمہ، کیا تم اپنے والد صاحب سے قریش کی سفارش کر سکتی ہو تاکہ تمہارا یہ بیٹا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عربوں کا سردار بن جائے؟ حضرت فاطمہ نے فرمایا اے ابوحنظلہ ر ابوسفیان کی کنیت ہے، تمہیں معلوم ہے کہ مسلمان عورتیں اس سلسلہ میں دخل نہیں دیا کرتیں اور کوئی شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بغیر کسی کو امان نہیں دے سکتا یہ سن کر ابوسفیان پر یاس اور نا امیدی غالب آگئی اور بہت غمگین ہو گئے اور پھر مشورۃً حضرت علی سے کہا۔ اے ابوالحسن رحضرت علی کی کنیت ہے) معاملات بہت سنگین ہو گئے ہیں آپ مجھے مشورہ دیں میں کیا کروں؟

حضرت علی نے فرمایا۔ بھائی مجھے تو کوئی ایسی چیز معلوم نہیں ہے کہ جس سے تمہیں کچھ فائدہ ہو البتہ تم چونکہ بنو کنانہ کے سردار رہو اس لئے کھڑے ہو اور لوگوں کو امان دے دو اور پھر اپنے ملک و وطن چلے جاؤ۔

ابوسفیان نے پوچھا آپ کا کیا خیال ہے کیا اس سے مجھے کچھ فائدہ

حاصل ہو گا؟

حضرت علی نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم ہرگز نہیں!! میرا خیال یہ ہے کہ تمہیں اس سے کچھ فائدہ نہ ہو۔ ہاں لیکن میں تمہارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار بھی نہیں پاتا۔ چنانچہ ابوسفیان مسجد میں کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ میں نے لوگوں کو امان دے دیا ہے، اور پھر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ کی جانب چل دئے۔

جب وہ مکہ پہنچے تو ان کی قوم کے لوگ جلدی سے ان کے پاس آئے اور ان سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ کہ اور محمد رصلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کیا طے ہوا چنانچہ انہوں نے بتلایا کہ ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور ساتھ ہی حضرت علی کے دئے ہوئے مشورہ کا بھی تذکرہ کیا تو ان لوگوں نے اپنے سروں کو حرکت دی اور غصہ کی حالت میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ علی نے تم سے مذاق کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اقدام کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ ابھی ابوسفیان مدینہ سے رخصت بھی نہیں ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو سامان سفر تیار کرنے کا حکم دے دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سامان تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس تیاری میں لگی ہوئی تھیں کہ ان کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، اور انہوں

نے جب ان کو سامان سفر تیار کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا. اے عائشہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے. انہوں نے جواب میں فرمایا کہ مجھ کچھ معلوم نہیں ہے.

پھر حضرت ابو بکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کیا میں بھی تیاری کر لوں. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. جی ہاں حضرت ابو بکر نے پوچھا. اے اللہ کے رسول آپ کہاں کا ارادہ فرما رہے ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش کا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے ابو بکر اس بات کو ذرا پوشیدہ رکھنا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور ان کو یہ نہیں بتلایا کہ کہاں جانا ہے اور جو قبائل آپ کے حلیف و معاہد تھے، ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ رمضان کے مہینے میں مدینہ منورہ میں موجود ہو۔ اہل مدینہ نے تیاری شروع کر دی اور ادھر ادھر سے تعلق رکھنے والے مسلمان اپنے گھوڑوں ساز و سامان و اسلحہ وغیرہ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور ان سب کی تعداد پندرہ ہزار تک پہنچ گئی۔

سنہ آٹھ ہجری میں دس رمضان کو جب کہ لشکر مدینہ سے رخصت

ہونے کو تیار تھا ٹھیک اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ آپ مکہ مکرمہ کے ارادے سے نکل رہے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ذریعہ دعا مانگی.

اے اللہ جاسوس وغیرہ کو قریش تک نہ پہنچنے دے تاکہ قریش کو ہمارے آنے کی اطلاع نہ ملے، لشکر چلنے والا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی اور پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر کو بلایا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ جلدی سے فوراً جائیں اور مکہ کی ایک عورت جس کا نام سارہ ہے جو کہ بنو عبد المطلب میں سے کسی کی آزاد کردہ باندی ہے سے پکڑیں، اس نے کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے اس کے ساتھ اہل مکہ کو ایک خط لکھ کر بھیجا ہے جس میں مکہ والوں کو یہ خبر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر ان کی طرف آ رہا ہے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر مسلمانوں میں سے تھے جو لشکر کے ہمراہ تھے.

چنانچہ حضرت علی و زبیر اس عورت کے تعاقب میں تیزی سے نکل کھڑے ہوئے اور اس کو پکڑ لیا اور اس سے اس خط کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا. چنانچہ انہوں نے اس کو اونٹ سے نیچے اتارا اور سامان کی تلاشی لی لیکن اس میں بھی ان دونوں کو کچھ نہ ملا تو حضرت علی نے اس عورت سے کہا.

خدا کی قسم یا تو تم خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ ہم تمہیں تلاشی کے لئے

ننگا کر دیں گے۔ چنانچہ جب اس عورت نے یہ محسوس کر لیا کہ واقعی حضرت علی ایسا کر گزریں گے تو اس نے کہا کہ آپ منہ پھیر لیں چنانچہ حضرت علی اور زبیر نے منہ پھیر لیا اور پھر اس عورت نے وہ خط اپنے بالوں کے جوڑے میں سے نکال کر ان دونوں کے حوالہ کر دیا اور یہ دونوں اس خط کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب کو طلب فرمایا اور ان کو وہ خط دکھا کر فرمایا: اے حاطب تم نے ایسا کیوں کیا؟

واقعی یہ ایک سخت گھڑی تھی اور خصوصاً حضرت حاطب جیسے شخص کے لئے جو ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے مخلص مشہور تھے حضرت حاطب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بخدا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے اور نہ کسی قسم کا تغیر بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کا قریش میں نہ کوئی خاندان ہے، قبیلہ اور قریش کے پاس میری والدہ اور بچے موجود ہیں اس لئے میں نے یہ چاہا کہ ان پر احسان کرنا چاہا تاکہ اس حسن سلوک کی وجہ سے یہ لوگ میری ماں اور بچوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔

حضرت عمر نے حاطب سے فرمایا اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس کی گردن اڑا دوں، اس لئے کہ یہ صاحب منافق ہو گئے ہیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر تمہیں کیا معلوم ؟

ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف نظر عنایت فرماتے ہوئے یہ فرمایا ہو کہ جاؤ جو چاہے کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل وحی نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا	اے ایمان والو تم میرے دشمن اور اپنے
عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ	دشمن کو دوست نہ بنا کر ان سے محبت
اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ (الممتحنہ ۱)	کا اظہار کرنے لگو۔

چنانچہ مسلمانوں نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاطب کو مومنین ہی میں شمار فرمایا ہے اور واقعی حضرت حاطب سچے پکے مومن تھے منافق ہرگز نہیں، اور ان سے یہ غلطی ایک ایسی غلطی تھی جو انسان سے کبھی کبھی انسانی کمزوری کی وجہ سے بلا قصد و ارادہ صادر ہو جایا کرتی ہے۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ کا رخ کر کے چل پڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ قریش کو آپ کے آنے کی خبر نہ ہو تاکہ وہ جنگ کے لئے تیاری نہ کر سکیں اور آپ اس بات کے متمنی تھے کہ بغیر خون بہے مکہ مکرمہ فتح ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے آگے جاسوس کے طور پر چند حضرات کو آگے بھیج دیا تاکہ وہ راستے وغیرہ کی نگرانی کریں۔ چنانچہ ان میں سے بعض حضرات ہوازن قبائل کے ایک آدمی کو اپنے ساتھ لے آئے، اس سے جب باز پرس کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ ہوازن کا جاسوس ہے اور ادھر

دھرے موازن کے لئے خبر حاصل کر رہا تھا اور حالات معلوم کر رہا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ ہوازن والے مسلمانوں سے جنگ کی خاطر لشکر اکٹھا کر رہے ہیں اور یہ کہ ان لوگوں نے طائف کے ثقیف قبیلہ والوں کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے تاکہ وہ ان کی امداد کریں۔ ثقیف والوں نے ان سے اتنے عرصہ کے لئے مہلت طلب کی جتنے عرصہ میں دمشق کے علاقہ جرش آدمی بھیج کر بھاری قسم کا جنگی سامان توپیں ٹینک وغیرہ منگا سکیں۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی کڑی نگرانی کا حکم دیا اور اس کو قید رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔

لشکر چلتا رہا اور سفر کے دوران لشکر سے آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کی ملاقات ہوئی جو اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے قصد سے آ رہے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ایمان لے آئیں۔

اپنے چچا حضرت عباس کی ملاقات سے آپ کو خوشی ہوئی اور ان کے مسلمان ہونے کے اعلان سے آپ کو بہت سرور حاصل ہوا اور آپ نے ان کے اہل و عیال کو مدینہ منورہ بھیج دیا اور حضرت عباس لشکر کے ساتھ ساتھ ہو لیے۔ نیق العقاب پر لشکر والوں کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قریبی عزیزوں آپ کے چچا زاد بھائی ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب

اور پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن امیہ سے بھی ہوئی جو اپنے اہل و عیال سمیت آئے تھے اور یہ دونوں حضرات بھی مدینہ منورہ کے ارادہ سے جا رہے تھے تاکہ آپ کے دست مبارک پر ایمان لے آئیں۔ لیکن جب ان دونوں نے آپ کے سامنے حاضری کی اجازت چاہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اس لئے حاضری کی اجازت نہ دی کہ یہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے قیام کے دوران تکلیفیں پہنچائی تھیں اور آپ کو سخت پریشان کیا تھا۔

حضرت عباس ان دونوں کی سفارش کے لئے آگے بڑھے جیسے کہ اس سلسلہ میں آپ کی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی پیش قدمی کر چکی تھیں اور حضرت ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن آپ کی وہ ازواج مطہرات تھیں جنہیں آپ کے ساتھ اس سفر میں رفاقت کی سعادت حاصل تھی، اور عبد اللہ بن امیہ حضرت ام سلمہ کے باپ شریک بھائی تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے کہ میرے چچا زاد بھائی نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے اور میرے پھوپھی زاد بھائی نے میرے بارے میں جو کچھ کہنا تھا وہ مکہ میں کہہ لیا۔

ابو سفیان کو جب معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ملنے سے

نثار کر دیا ہے تو یہ بات اس پر بہت شاق گذری اور اس نے کہا: بخدا آپ ضرور اجازت دیں گے ورنہ یہ کہ میں اپنے اس بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر کسی گوشہ کی طرف چلا جاؤں گا تاکہ ہم بھوک کے پیاسے مر جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر رحم آگیا تو آپ نے انہیں دراں کے ساتھی کو اپنے پاس داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ دونوں آئے اور آپ کے دست مبارک پر اسلام لے آئے۔ پھر لشکر اپنے راستہ پر چلتا رہا اور پھر کسی ایسی بات کا علم نہ ہو جس سے یہ معلوم ہوتا کہ قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا علم ہو گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سمیت مر الظہران نامی جگہ پہنچ گئے جو مکہ کے قریب ہی تھی اور وہاں ایک کھلے میدان میں لشکر نے پڑاؤ ڈالا، اور دور دور تک اس سرزمین کے طول و عرض میں لشکر کے اول و آخر کا پتہ نہ چلتا تھا اور حضرت عباس کو یہ یقین ہو گیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان لشکر کے ساتھ مکہ میں زبردستی داخل ہوں گے تو لازمی طور پر قریش ان کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ چیز قریش کی بیخ کنی کا ذریعہ بنے گی۔

حضرت عباس نے کافی سوچا اور یہ حل مناسب سمجھا کہ ان کا وہ خاندان و قبیلہ جسے وہ حال چھوڑ کر رخصت ہوئے تھے اس سے جا کر صلح کی بات کر کے

اسے اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اگر عافیت چاہتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح و معاہدہ کر لیں۔

جس رات مسلمانوں کے لشکر نے مر الظہران میں پڑاؤ ڈالا تھا اور وہاں مختلف جگہ ایسی زبردست آگ دہک رہی تھی جس سے تمام صحرا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آگ اور روشنی کا ایک ٹکڑا ہے اس رات حضرت عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیضاء نامی خچر پر سوار ہوئے اور بلند ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتے تھے تاکہ کوئی لکڑہارا یا دودھ والا یا کوئی ایسا آدمی نظر آجائے جو مکہ جا رہا ہو تاکہ اس کے ساتھ قریش کو یہ پیغام بھیج دیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر امان طلب کر لیں۔

حضرت عباس ابھی اسی جگہ کھڑے ہوئے ادھر ادھر دیکھ ہی رہے تھے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے قریب ہی دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں چنانچہ وہ ان کی باتیں سننے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے یہ کہہ رہا ہے۔

آج کی رات جتنی بڑی آگ نہ میں نے کبھی دیکھی ہے، اور نہ اتنا بڑا لشکر دیکھا ہے۔

دوسرے نے کہا: بخدا یہ تو خزاعہ والے ہیں جن کو جنگ نے آگ بگولہ

کر دیا ہے اور ان کو زبردست طریقے سے بھڑکا رہے ہیں۔

پہلے والے نے جواب دیا، خزاعہ والے اتنے زیادہ اور اتنے بڑے نہیں ہیں کہ وہ اتنی آگ جلا سکیں اور ان کا اتنا بڑا لشکر ہو، حضرت عباس نے محسوس کرلیا کہ پہلی آواز والے ابوسفیان بن حرب ہیں چنانچہ حضرت عباس نے بلند آواز سے پکارا، اے ابوحنظلہ! (ابوسفیان کی کنیت ہے) دوسری طرف سے استفسار کی شکل میں ابوسفیان کی آواز آئی کہ کیا ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) ہیں؟ حضرت عباس نے فرمایا جی ہاں، ابوسفیان اپنے ساتھی سمیت حضرت عباس کے پاس آگئے اور کہا ان کے ساتھ جو صاحب تھے ان کا نام بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام تھا اور ابوسفیان نے کہا۔

اے ابوالفضل آپ کو کیا ہوگیا؟ اور آپ کے پاس کیا خبر ہے؟

حضرت عباس نے فرمایا: اے ابوسفیان! تم اور قریش والوں کے لئے یہ دیکھو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ جمع ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی مکہ میں داخل ہوگئے تو قریش کے لئے موت ہوگی۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا تدبیر اختیار کرنا چاہئے؟ حضرت عباس نے فرمایا، تم خچر کے پچھلے حصہ پر سوار ہو جاؤ تاکہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤں، چنانچہ ابوسفیان حضرت عباس کے خچر پر سوار ہوگیا اور بدیل

بن ورقاء اور حکیم بن حزام مکہ واپس لوٹ گئے۔

کیونکہ قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ کے ارادہ سے نکلنے کا علم ہوگیا تھا اور قریش نے ان تینوں آدمیوں کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ حالات معلوم کریں۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی خبر دے دے۔ لیکن زیادہ غالب گمان یہی ہے کہ یہ جانکر ایسا ہوگیا تھا۔

حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر مسلمانوں کے لشکر اور جلتی آگ کے درمیان سے گذرنے لگے یہ دونوں جب بھی کسی آگ کے پاس سے گذرتے تو وہاں موجود حضرات اس خچر کو دیکھ کر یہ پہچان لیتے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے اور اس کو آگے گذرنے کی اجازت دے دیتے حتیٰ کہ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آگ کے قریب پہنچے تو انہوں نے خچر کو دیکھا اور دیکھا کہ ابوسفیان اس پر سوار ہے تو وہ یہ کہتے ہوئے فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے:

اللہ کا دشمن ابوسفیان آگیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہمارے قبضہ میں دے دیا اور پھر تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی جانب روانہ ہوگئے تاکہ حضرت عباس کے وہاں پہنچنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی

اجازت طلب کرلیں۔

حضرت عباس حضرت عمر کے ارادہ کو بھانپ گئے اور وہ بھی تیزی سے چلے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اس وقت حضرت عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت طلب کر رہے تھے تو حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے ابوسفیان کو امان دے دیا ہے اور پھر حضرت عباس یہ کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گئے کہ بخدا آج رات ان سے میرے سوا کوئی اور گفتگو نہیں کرے گا۔

حضرت عمر حضرت عباس پر غصہ ہو گئے اور حضرت عباس حضرت عمر پر اور جب ان دونوں کے درمیان جھگڑا بڑھ گیا اور بات جیت تیز ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا: اے عباس ان کو اپنے خیمہ کی طرف لے جاؤ صبح کو میرے پاس لے کر آ جانا۔

صبح کو حضرت عباس ابوسفیان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے کہا اے ابوسفیان تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا اب بھی اس بات کا وقت نہیں آیا ہے کہ تم یہ یقین کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ

کتنے بردبار کتنے شریف اور کتنے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، بخدا میرا یہ خیال ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا تو وہ مجھے کچھ فائدہ نہ پہنچاتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوسفیان کیا ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان لو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

ابوسفیان نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کتنے حلیم و بردبار اور شریف اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، بات یہ ہے کہ اس بارے میں ابھی دل میں کچھ نہ کچھ شبہ ہے۔ حضرت عباس نے جلدی سے ابوسفیان سے کہا ہلاکت ہو تمہارے لئے۔ اسلام قبول کر لو، اس سے پہلے کہ تمہاری گردن اڑا دی جائے اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ابوسفیان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اسلام لے آئیں اور کلمہ پڑھ کر اس کی گواہی دے دیں اور حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان ایک ایسے شخص ہیں کہ جو فخر کو پسند کرتے ہیں اس لئے ان کو کوئی خصوصیت بخش دیں جو ان کے لئے باعث فخر بنے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ٹھیک ہے، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ

بند رہیں وہ بھی امان میں ہے اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی امان میں ہے۔

اور پھر جب حضرت عباس ابو سفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہونے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو روکا اور ان سے فرمایا اے عباس ان کو وادی کے اس تنگ مقام کے پاس روکے رکھو جہاں سے پہاڑ کو راستہ جاتا ہے تاکہ اللہ کے مجاہدین کے لشکر وہاں سے جب گزریں تو یہ ان کو دیکھ لیں۔

چنانچہ جب حضرت عباس ابو سفیان کو لے کر پہاڑ کی جانب جانے والے راستہ کے پاس پہنچے تو وہاں ان کو لے کر رک گئے حتیٰ کہ مسلمانوں کا لشکر اور جماعتیں ان کے پاس سے گزر گئیں اور ہوتا یہ تھا کہ جب بھی کوئی قبیلہ اپنے جھنڈے لے کر وہاں سے گزرتا تو حضرت ابو سفیان حضرت عباس سے پوچھتے یہ کون سا قبیلہ ہے؟ تو حضرت عباس ان کو اس کا نام بتلا دیتے تھے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم لشکر آگیا جس میں انصار و مہاجرین تھے اور ان کے خود اور اسلحہ ہی اسلحہ نظر آ رہا تھا، تو ابو سفیان نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

حضرت عباس نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار ہیں۔ ابو سفیان اس کو دیکھ کر دہشت میں تو پڑ ہی گئے

تھے کہنے لگے ان لوگوں کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی روک سکتا ہے۔ بخدا اے ابو الفضل تمہارے بھتیجے کی حکومت تو بہت زبردست ہو گئی ہے تو حضرت عباس نے فرمایا اے ابو سفیان یہ تو نبوت کا کرشمہ ہے۔ ابو سفیان نے کہا پھر تو بہت ہی اچھی بات ہے۔

ابو سفیان مکہ کی جانب چل پڑے اور جب آبادی کے قریب پہنچ گئے تو بلند آواز سے یہ کہنے لگے: اے قریش کی جماعت یہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا سن لو کہ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ مامون ہے اور جس نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لیے وہ بھی امان میں ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ بھی امان میں ہے۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ کی جانب روانہ ہو گیا اور جب ذی طویٰ نامی جگہ پر پہنچ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو اس طرح تقسیم فرما دیا کہ دائیں بازو پر حضرت خالد بن ولید کو مقرر فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں اس جانب سے داخل ہوں جو نشیب میں واقع ہے اور بائیں بازو پر حضرت زبیر بن عوام کو مقرر فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ مکہ میں مغربی جانب سے داخل ہوں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی قیادت فرما رہے تھے جن کو مکہ کی اس جانب سے داخل ہونا تھا جو بلندی پر تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ صرف اس سے جنگ کریں جو ان سے جنگ کرے اور خونریزی پر صرف اس وقت آمادہ ہوں جب بہت زیادہ مجبور ہو جائیں۔ البتہ چند آدمی ایسے تھے کہ جن کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بتلا دیئے تھے اور ان کے لئے یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ کعبہ کے پردے سے چمٹے ہوئے کیوں نہ ہوں۔

حضرت سعد بن عبادہ والا لشکر کا حصہ جب چلنے لگا تو ان پر حمیت غالب آ گئی اور انہوں نے ایک جنگی نعرہ بلند کیا جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ان سے خونریزی سرزد نہ ہو جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے حضرت سعد کو معزول فرما کر ان کی جگہ ان کے بیٹے قیس کو مقرر کر دیا۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے حرکت میں آ گیا۔ مکہ والوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور اپنے آپ کو گھروں میں بند کر لیا تھا اور کھڑکیوں سے اسلام کے اس مرکز میں اسلام کے لشکر کو داخل ہوتا ہوا دیکھنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے وہ مکہ جہاں سے آپ رات کی تاریکی میں چھپ کر نکلے تھے وہ مکہ جہاں سے آپ قریش سے

بچنے کے لئے راتوں رات نکلے تھے اور اس وقت آپ کے رفیق سفر صرف حضرت ابوبکر اور ایک خادم تھے۔ اس مکہ میں آج آپ اس حالت میں داخل ہو رہے تھے کہ قریش نے اس کے تمام دروازے آپ کے لئے کھول دیئے تھے اور آپ کے ساتھ دس ہزار مسلمانوں کی جماعت تھی۔

بحمد اللہ یہ ایک ایسی گھڑی تھی کہ جس کی ہیبت سے دل کانپ اٹھتے ہیں اور عاجزی و تواضع کے اظہار کے لئے سر جھکائے جاتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے سر مبارک کو اتنا جھکا رکھا تھا کہ قریب تھا کہ آپ کی داڑھی مبارک آپ کی سواری کی پشت (پیٹھ) پر لگ جائے۔

مسلمانوں کا پورا لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا اور قریش نے کسی قسم کی مدافعت نہ کی سوائے اس جانب کے جہاں سے حضرت خالد بن ولید داخل ہوئے تھے، اس لئے کہ وہاں وہ لوگ رہتے تھے جو مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے جیسے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ ان لوگوں کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ بغیر کسی مقابلہ و مدافعت کے مسلمان ان کے علاقہ میں داخل ہو جائیں لہٰذا ان لوگوں نے اپنے ساتھ ان لوگوں کو ملا کر مسلمانوں سے جنگ کی جن کو یہ لوگ جنگ پر برانگیختہ و آمادہ کر چکے تھے لیکن مسلمانوں کی طاقت و قوت کے سامنے ان میں سے کوئی بھی

نہ ٹھہر سکا اور سب کے سب شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اس معرکہ میں دس سے اوپر قریش کے آدمی مارے گئے اور دو مسلمان شہید ہوئے۔

حضرت خالد بن ولید کے جنگ کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے لیکن جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ حضرت خالد نے اس وقت تک جنگ نہیں کی جب تک کہ بہت زیادہ مجبور نہیں ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں بھلائی ہے جسے اللہ نے پسند فرمایا۔

مکہ کے بلند حصہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ لگا دیا گیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ آپ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول کیا آپ اپنے گھر میں قیام نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کیا مکہ میں میرے لئے کوئی گھر چھوڑا گیا ہے؟ اے اللہ کے رسول آپ جس گھر کو پسند کریں اس میں قیام فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں میں ہرگز کسی گھر میں نہیں ٹھہروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں ٹھہرے رہے اور پھر جب حالات پر سکون ہو گئے اور لوگ مطمئن ہو گئے تو آپ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور سواری پر ہی بیت اللہ کے سات چکر لگا کر طواف کیا اور حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور ان سے کعبہ کی چابیاں منگوائیں، جب وہ آپ کے پاس چابیاں لے آئے تو آپ نے کعبہ کا دروازہ کھول دیا اور پھر اس کے دروازہ

پر کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ ایک اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تن تنہا جماعتوں کو شکست دی۔

پھر قریش کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک پڑھ کر سنایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ الحجرات - ١٣

اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے بے شک اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

پھر آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟

انہوں نے کہا اچھا گمان ہے آپ نہایت شریف بھائی ہیں اور نہایت شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو سب کو معاف کیا جاتا ہے۔

واقعی یہ ایسے کلمات تھے کہ جنہیں سن کر قریش ایک لمحہ کے لئے بالکل خاموشی میں پڑ گئے اور پھر انہوں نے اس کے عظیم معنی سمجھ لئے، اور اس کی زبردست روح کو پالیا۔ اور یہیں سے اہل مکہ کے دلوں کی تہوں میں اس ذات کے لئے نہایت محبت و عظمت و عزت و اکرام سرایت کرنے لگا جو واقعی ایک کامل و مکمل سمجھدار انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے روپ میں موجود تھے جن کی نفس کی بلندی اور روح کی پاکیزگی بشریت کے معیار سے اوپر تھی جس میں کسی قسم کے حسد و کینہ کی گنجائش قطعاً نہ تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہو گئے، اور وہاں جو تصویریں اور بت بنے تھے ان کے مٹانے کا حکم دیا اور پھر اپنے عصا سے ان بتوں اور مورتیوں کی طرف اشارہ فرمایا جو کعبہ کے اندر اور باہر موجود تھیں، اور آپ یہ فرما رہے تھے۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ (بنی اسرائیل)

اور آپ کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور جھوٹ مٹ گیا بے شک جھوٹ ہے ہی نکل بھاگنے والا۔

اور تمام بتوں اور مورتیوں کو توڑ دیا گیا اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو ان بتوں سے پاک کر دیا جس کے پاک کرنے کا آپ نے ایک طویل عرصہ سے اعلان کیا ہوا تھا۔

اور پھر حضرت بلال کعبہ کے اوپر اذان دینے کے لئے چڑھ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امامت فرمائی۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ کے قریب کعبہ کے صحن میں نماز پڑھی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ اور انصار نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے اس بڑے انعام فتح مکہ اور بتوں سے اس کی پاکیزگی کو دیکھا تو ایک دوسرے سے ڈرتے ڈرتے کہنے لگے:

کیا خیال ہے آپ لوگوں کا کہ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سرزمین دلا دی اور فتح و کامرانی سے نوازا کیا اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہیں مقیم ہو جائیں گے؟!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا سے فارغ ہوئے تو ان سے پوچھنے لگے کہ ان لوگوں نے آپس میں کیا بات چیت کی تھی، وہ حضرات خاموش رہے، آپ نے ان سے مکرر سہ کرر پوچھا تو انہوں نے وہ بات بتلا دی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی پناہ، زندگی تمہارے ساتھ گذرے گی اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہو گا۔

فتح مکہ کے دوسرے دن خزاعہ والوں کو مکہ میں ایک ایسے مشرک شخص کا علم ہوا، جس کا ہذیل سے تعلق تھا اور خزاعہ والوں کا اس شخص پر خون تھا

رہا تھا چنانچہ خزاعہ والوں نے اس مشرک شخص کو قتل کر دیا، یہ بات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور لوگوں سے خطاب کرنے کے لئے یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے!

اے لوگو، اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اسی روز سے مکہ کو حرام قرار دیا ہے لہذا یہ قیامت تک کے لئے محترم و حرم ہی رہے گا، لہذا کوئی بھی ایسا شخص جو اللہ اور قیامت کے روز پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ یہاں کسی کا خون بہائے یا یہاں کے درخت کو کاٹے اور اس مکہ مجھ سے پہلے بھی کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد پھر کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی یہاں کے لوگوں پر غضب و ناراضگی کی وجہ سے اس تھوڑے سے وقت کے لئے ہی حلال کیا گیا تھا اور پھر اس کی حرمت و احترام پہلے کی طرح لوٹ آیا ہے لہذا تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ ان لوگوں تک اطلاع پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں لہذا اگر تم سے کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکہ میں قتال و جنگ کی ہے تو اس سے یہ کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے اسے حلال کر دیا تھا، تمہارے لئے حلال نہیں کیا ہے۔

کیا عظیم الشان اور کیا ہی عجیب و غریب خطاب تھا نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ان عظیم کارناموں اور اس اہتمام نے لوگوں کے دل جیت لئے اور ان کے دلوں پر جو پردے پڑے تھے وہ دور کرتے اور ان کی غلط فہمیاں اور حجابات دور کر دئے، چنانچہ وہ ان بتوں اور مورتیوں کو جو ان کے گھروں میں تھے خود جا کر توڑنے پھوڑنے لگے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے اور اسلام قبول کرنے لگے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو قحافہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے والد نہایت عمر رسیدہ اور آنکھوں سے معذور تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو حضرت ابوبکر سے فرمایا: آپ نے اس عمر میں ان کو کیوں تکلیف دی، ان کو گھر پہ ہی رہنے دیتے میں خود وہاں چلا جاتا؟! تو حضرت ابوبکر نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول وہ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں بنسبت اس کے کہ آپ ان کے پاس جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیر کر ان سے فرمایا اسلام قبول کرو چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور دوسرے، اور بہت سے سرکش مشرک مرد عکرمہ بن ابی جہل جیسے اور مشرک عورتوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ عکرمہ بن

بل جہل صفوان بن امیہ کے ساتھ بھاگ گیا تھا اس کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس کے لئے امان طلب کیا اور عکرمہ کو تلاش کر کے لائیں اور پھر عکرمہ آکر مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح سرکش مشرک عورتوں میں سے ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ، وہ ہند جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کے کلیجہ کو جنگ احد کے موقعہ پر چبا لیا تھا وہ ہند بھی مسلمان ہو گئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو بھنے ہوئے بھیڑ کے بچے اور دودھ کی ایک مشک ہدیہ پیش کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر ان لوگوں کو بھی معاف کر دیا جن کے قتل کا آپ حکم دے چکے تھے اور جن کے خون کو آپ نے مباح کر دیا تھا لیکن جب ان کے لئے امان طلب کیا گیا تو آپ نے انہیں معاف کر دیا، ان لوگوں میں سے عبداللہ بن ابی السرح بھی تھے جو مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے اور پھر مرتد ہو کر مکہ چلے گئے اور یہ کہنے لگے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی بنایا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پندرہ دن مقیم رہے، لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی اور اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج اور جماعت

در جماعت داخل ہونے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح بیان کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل فرمائی تھیں وہ آپ تلاوت فرماتے رہے۔ فرمایا:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ
فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ
إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا
(النصر - ١ تا ٣)

جب اللہ کی مدد اور فتح آپہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تھا خزاں میں سب کو جس کا انتظار
آگیا وہ لے کے پیغامِ بہار

(۲۲)

غزوۂ حنین

«إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ	جب اللہ کی مدد اور فتح پہنچے اور
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ	آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق
فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا. فَسَبِّحْ	درجوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو آپ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ	اپنے پروردگار کی تسبیح اور تعریف بیان
إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا» .	کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے بے شک
(النصر۔ ۱تا۳)	وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فتح مکہ سے نوازدیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک وہاں مقیم رہے، اور اس عرصہ میں اہل مکہ جماعت درجماعت اور فوج در فوج آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لارہے اور آپ کے سامنے مسلمان ہوتے جاتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے اس عظیم انعام و احسان پر اللہ کی حمد وثنا اور تسبیح وتقدیس میں مسلسل مشغول تھے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ اور مسلمانوں کو اس مکہ کی فتح سے ہمکنار کیا تھا جو ان کا شہر محترم

تھا جس سے انہیں تقریباً آٹھ سال تک دور رکھا گیا تھا ان کو وہاں جانے کعبہ کی زیارت اور بیت اللہ کے حج سے روک دیا گیا تھا اس لئے کہ ان مسلمانوں اور قریش میں سخت اختلاف و دشمنی تھی۔

ان پندرہ دنوں میں جن میں آپ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے ان میں آپ نے مختلف جہات کی جانب اپنے قاصد اسلام کی دعوت دینے اور وہاں موجود بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجے۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید کو عزیٰ نامی بت کی طرف روانہ کیا، اور انہوں نے اس کو توڑ ڈالا اور حضرت عمرو بن العاص کو ہذیل کے بت سواع کی جانب بھیجا اور انہوں نے اسے توڑ دیا۔ اسی طرح ذو الکفین اور مناۃ کو توڑنے کے لئے بھی اپنے آدمی بھیج دیئے۔

قریش کی اکثریت کے مسلمان ہونے کی اطلاع جب دوسرے لوگوں کو ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کی بات پر اکثر لوگوں نے عمل کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اسلام کی دعوت دینے جن حضرات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا ان میں حضرت خالد بن ولید بھی تھے جن کے ساتھ آپ نے قبائل عرب کے بعض اور مسلمانوں کو بنو جذیمہ کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا، بنو جذیمہ نے جب حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں کو آتے دیکھا تو انہوں نے اپنے ہتیار سنبھال لیے اور ان سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تو حضرت خالد نے ان سے چیخ کر کہا:

تم لوگ ہتیار ڈال دو اس لئے کہ دوسرے لوگ اسلام لا چکے ہیں، بنو جذیمہ یہ سن کر متردد ہو گئے کہ اب کیا کرنا چاہیے تو ان میں سے ایک آدمی جس کو جحدم کہا جاتا تھا اس نے ان کے تردد کو ختم کرتے ہوئے کہا

اے بنو جذیمہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، بخدا یہ تو خالد ہیں، جنگ کے بعد قید کر لیا جائے گا اور قید کے بعد گردن اڑا دی جائے گی اس لئے بخدا میں تو اپنے ہتیار ہر گز نہ اتاروں گا۔

بنو جذیمہ کے بعض افراد نے جواب دیا اے جحدم کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے خون کو بہا دو؟! لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں، اور جنگ ختم ہو چکی ہے اور لوگ ایمان لا چکے ہیں، وہ لوگ اس کو سمجھاتے رہے حتیٰ کہ اس نے اپنے ہتیار اتار دئے اور اسی طرح دوسرے جو لوگ جنگ کرنے کے حامی تھے انہوں نے بھی ہتیار ڈال دئے اور حضرت خالد کے سامنے گردن جھکا دی اور وہ یہ کہنے لگے۔ ہم نے اپنا دین بدل دیا، ہم صابی ہو گئے یعنی اپنے دین کو چھوڑ دیا۔

حضرت خالد نے حکم دیا اور ان کو باندھ دیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا اور اس طرح سے ان کے بہت سے آدمی قتل کر دئے۔ حضرت خالد نے بنو جذیمہ کے ہتیار ڈالنے کے بعد جو کچھ ان کے ساتھ کیا تھا جب اس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ پر اس واقعہ پر بہت شدید اثر ہوا، اور آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا:

سے شرمندہ ہیں، آپ نے اس بارے میں خالد بن ولید کے فعل سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بلایا اور ان سے فرمایا۔ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان کے حالات کا جائزہ لو اور امورِ جاہلیت کو اپنے پاؤں تلے ڈال دو۔ حضرت علی بنو جذیمہ کے پاس گئے، اور ان کو ان کے مقتولین کی دیت، اور جو ان کا مال و متاع ضائع ہو گیا تھا اس کا تاوان دیا۔ پھر جب بنو جذیمہ کے مقتولین کی دیت اور مال و متاع کا تاوان دے چکے اور ان کے پاس پھر بھی کچھ مال باقی بچ رہا تو انہوں نے وہ مال ان کو دے دیا اور فرمایا:

میں تم کو یہ باقی ماندہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطیہ دے رہا ہوں تاکہ یہ اس کے بدلے ہو جائے جس کا نہ ان کو علم ہے نہ تم کو۔ پھر حضرت علی مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا واقعہ ذکر کیا تو آپ نے اس پر نکیر نہ فرمائی۔

اور جب لوگوں نے حضرت خالد کے اس واقعہ پر نکیر کرنا چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! خالد کو برا بھلا نہ کہو، اس لئے کہ وہ اللہ کی تلواروں میں ایک ایسی تلوار ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نیام سے باہر نکالا ہے۔

اور اس طرح سے مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف بتوں سے پاک ہو گئے

حتیٰ کہ لوگ خود بھی ان بتوں کو توڑنے لگے جو ان کے گھروں میں موجود تھے اور یہ کہنے لگے ہم آپ کے بارے میں دھوکہ میں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے لئے ایسے آدمی مقرر کر دئے جو انہیں دین کی تعلیم دیں اور فقہی مسائل سکھائیں۔ اور حاجیوں کو پانی پلانے کے کام پر اپنے چچا حضرت عباس کو برقرار رکھا اور حضرت عثمان بن طلحہ اور ان کے بعد ان کی اولاد کو قیامت تک کے لئے کعبہ کی خدمت کے لئے طے فرما دیا۔ ان سے یہ حق ظالم اور زیادتی کرنے والا ہی چھین سکتا ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوازن کے قبائل کے بارے میں یہ اطلاع ملی کہ وہ آپ سے جنگ کرنے کے لئے جماعتوں کو اکٹھی کر رہے ہیں اس بارے میں غور کیا اور آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس سے پہلے کہ وہ تیار ہوں، اور جنگ کے لئے دوسروں کو تیار کر لیں آپ خود ان مسلمانوں کی جماعتوں کو لے کر جو آپ کے ساتھ ہیں ان پر حملہ کر دیں۔

اور اس ارادہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار مجاہدین کے ہمراہ مکہ سے نکلے اور ان کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کے بھی دو ہزار آدمی شریک ہو گئے تھے اور یہ سب کے سب ساز و سامان اور اسلحہ سے لیس تھے۔

یہ عظیم الشان لشکر جس کی نظیر جزیرۂ عرب نے مسلمانوں میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گیا اور اہل لشکر

میں کچھ تکبر اور بڑے بول کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی حتیٰ کہ بعض بعض سے یہ کہنے لگے۔ آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ آج ہم اپنی کثرت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔

ہوازن والوں کو مسلمانوں کے مکہ فتح کرنے کی خبر مل چکی تھی۔ چنانچہ مالک بن عوف نصری کی قیادت میں انہوں نے ثقیف اور دوسرے حلیف قبائل وغیرہ سے مل کر فوری طور سے جماعتیں اکٹھا کریں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل آسکیں اور اس سے پہلے کہ وہ ان کے پاس آکر ان کے بتوں کو توڑیں اور بت پرستی کو ختم کریں یہ راستہ میں ان کے آڑے آجائیں۔

ان قبیلوں کی جماعتیں نکل کھڑی ہوئیں اور سب کی سب اوطاس نامی جگہ پر اکٹھا ہوگئیں اور وہاں آدمیوں کے بولنے اونٹوں اور گدھوں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی آوازیں اور بچوں کے رونے اور بکریوں کی آوازیں بھی تھیں۔

ان آوازوں کو سن کر ایک نہایت ضعیف آدمی درید بن الصمۃ بہت متعجب ہوگئے۔ وہ اپنی قوم بنی جشم کے افراد کے ساتھ یکہ کھلے ہوئے ہودج پر سوار تھے اور ان کو جنگ میں شریک ہونا بالکل بے سود تھا سوائے اس کے کہ وہ بہت بوڑھے ہو اور بے شمار جنگوں میں شرکت اور لڑائیوں کو دیکھنے کی بنیاد پر لوگوں کو مشورہ دے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا:

کیا ہوگیا ہے کہ مجھے اونٹوں گدھوں، بکریوں اور بچوں کے رونے کی آواز آرہی ہے؟ انہیں بتلایا گیا کہ مالک بن عوف نے لوگوں کے ساتھ ان کے مال عورتیں اور بچوں کو بھی نکال دیا ہے۔ اس نے کہا: مالک کو میرے پاس بلاکر لاؤ۔

جب اس کو ان کے پاس بلایا گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا: اے مالک تم نے لوگوں کے ساتھ ان کے اموال اور عورتوں اور بچوں کو کیوں نکالا ہے؟ تو مالک نے جواب دیا۔ میں نے یہ چاہا کہ ہر لڑنے والے شخص کے پیچھے اس کے مال اور اہل وعیال کو رکھ جائے تاکہ وہ ان کی طرف سے دفاع کی خاطر جنگ کرے۔

درید نے کہا شکست کھانے والا جب شکست کھا جائے تو کیا کوئی چیز اسے روک سکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ اگر فتح تمہاری ہو تو تمہیں تلوار اور نیزہ ہی کام دے گا اور اگر تم شکست کھا جاؤ تو تمہیں اپنے مال اور اہل وعیال کے سلسلہ میں رسوائی اٹھانی پڑے گی۔

بات چیت آگے بڑھ گئی اور اس معمر بوڑھے جس کو تجربوں اور عمر کے گذرنے نے سمجھدار اور تجربہ کار بنا دیا تھا اس کے اور اس نوجوان مالک بن عوف جو تیس سال سے زائد عمر کا نہ تھا کے درمیان اس سلسلہ میں جھگڑا بڑھ گیا حتیٰ کہ مالک نے غصہ میں درید سے کہا:

بخدا میں تمہارے مشورہ پر ہرگز عمل نہیں کروں گا تم بوڑھے ہو چکے

ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ پھر اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا اے ہوازن کی جماعت بخدا تم یا تو میری بات مانو گے یا پھر میں اپنی اس تلوار کو سینے پر رکھ کر تنا رہوں گا کہ وہ میرے سینے سے آر پار ہو کر پشت سے نکل جائے۔ اس کی قوم نے اس کی بات ماننے اور اس کو قائد تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

اس طرح سے مالک بن عوف تنہا قائد بن گیا اور اس کی رائے پر عمل ہونے لگا اور اس نے اپنے جاسوس بھیجے تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں اس تک پہنچائیں اور وہ ان سے ٹکرانے اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنے لشکر کو تیار کر سکے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوسوں نے مالک بن عوف کے لشکر اور اس کی تیاری سے آپ کو باخبر کر دیا تھا اور اس جگہ کے بارے میں بھی بتلا دیا تھا جہاں یہ جماعتیں جمع اور اکٹھی ہو رہی تھیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو لے کر چلے یہاں تک کہ وادی حنین اوپر سے صاف نظر آنے لگی۔

مسلمان رات بھر لشکر کے منظم کرنے اور مجاہدین کی ٹکڑیاں مرتب کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔ پھر جب فجر طلوع ہونے کو آئی تو لشکر منظم ٹکڑیوں کے ساتھ چلنے لگا جس کے آگے آگے بنو سلیم کے قبیلے تھے جن کی قیادت حضرت

خالد بن ولید کر رہے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیضاء نامی خچر پر سوار تھے۔

اور فجر کی تاریکی میں لشکر نے حنین کے تنگ راستہ کو طے کیا اور تہامہ کی وادیوں میں سے ایک نچلی وادی میں اترنے لگا۔ ابھی یہ لوگ، تنگی سے نکلے اور وادی باوجود وسیع و کشادہ ہونے کے ان کی صفوں سے بھر گئی تھی کہ اچانک وہ ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے اور ان کو مہلک اور دہشت ناک رعب نے گھیر لیا، اور وہ الٹے پاؤں چیختے چلاتے بھاگنے دوڑنے لگے، اور ان کے منہ سے خوف و ڈر اور گھبراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

ان کے ساتھ کیا بات پیش آگئی؟ اور مسلمانوں کے لشکر کو کیا حادثہ پیش آگیا؟ انہیں کیا ہو گیا کہ وہ بھاگے چلے جا رہے ہیں اور ادھر ادھر مڑ کر تک نہیں دیکھتے حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اپنی تعداد کی کثرت پر فخر کر رہے تھے۔

ان کے ساتھ ہوا یہ کہ ان کو آفت یہ درپیش آئی کہ وادی کے درمیان اور حنین کی چوٹیوں سے ان پر اچانک تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ یہ دراصل مالک بن عوف کی ایک تدبیر تھی، اور اس نے یہ چال اس لئے چلی تھی کہ اس سے اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچا سکے اور مسلمانوں کی ہیبت اور رعب کو ختم کر دے۔

مالک نے اپنے آدمیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے وادی کے موڑوں اور حنین پہاڑ کے کشادہ حصّوں میں چھپ جائیں اور جب مسلمان وادی میں اترنے لگیں تو ان پر بیک وقت یک آدمی کے حملہ کی طرح حملہ کر دیں تاکہ ان کے نفوس میں خوف پیدا ہو جائے اور ان کی صفوں میں بھگدڑ مچ جائے اور مالک اپنی اس تدبیر میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اور مسلمان یک دوسرے کو دھکا دیتے ہوئے یک دوسرے سے آگے بڑھتے بڑھتے الٹے پاؤں بھاگنے لگے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے دائیں جانب ہو گئے اور مسلمان آپ کے پاس سے گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں الٹے پاؤں بھاگ رہے تھے اور آپ ان سے فرما رہے تھے۔ اے لوگو تم کہاں جا رہے ہو؟ میرے پاس آجاؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبد اللہ ہوں، لیکن اس شور و غل اور دہشت اور گھبراہٹ کی چیخ و پکار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پکارنا یونہی بے سود چلا گیا۔

مسلمانوں کی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والی جماعتیں برابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذر رہی تھیں۔ اور ان کے پیچھے پیچھے ہوازن اپنے مخفی ٹھکانوں، پہاڑ کی چوٹیوں سے نکلنے اور وادی کی گھاٹیوں میں اپنی چھپنے کی جگہ سے باہر آئے اور ان کی جماعتوں کی قیادت ہوازن کا ایک شخص کر رہا تھا جو ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک لمبا

نیزہ تھا جس کے ایک کنارہ پر اس نے ایک سیاہ جھنڈا لگا رکھا تھا وہ جہاں کہیں مسلمانوں کو دیکھتا اپنے نیزے سے ان کو مار دیتا اور جب مسلمان نہیں ملتے تو اپنے پیچھے آنے والی قوم کے لئے نیزہ بلند کر لیتا تاکہ وہ اس کے پیچھے آ سکیں۔

مسلمانوں کو یہ پریشانی پیش آئی اس کو قریش کی اس جماعت نے بھی دیکھا جو چند روز قبل ہی مسلمان ہوئے تھے اور جو حقیقت میں دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مل کر جنگ کرنے صرف مال غنیمت حاصل کرنے کی خاطر نکلے تھے۔ چنانچہ ابو سفیان بن حرب نے مذاق اور خوش ہوتے ہوئے کہا اس کی شکست سمندر میں داخل ہوئے بغیر ختم نہیں ہوگی۔

اور شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا: آج میں محمد رصلی اللہ علیہ وسلم، سے بدلہ لے لوں گا۔

اور کلدہ بن حنبل نے کہا: آج تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو ختم ہو گیا، یہ بات سن کر ان کے بھائی صفوان نے کہا۔ خاموش ہو جاؤ خدا تمہارا منہ توڑ ڈالے اس لئے کہ میرا بڑا یک قریشی بنے یہ مجھے اس کی بنسبت زیادہ محبوب ہے کہ میرا بڑا ہوازن کا کوئی آدمی بنے۔

اے اللہ آپ نے اپنے رسول کو فتح مکہ کے ذریعہ مکمل فتحیاب کرنے

کے بعد آج اس طرح سے کیوں چھوڑ دیا ہے!

اے رب آپ نے مسلمانوں کے دلوں میں رعب کیوں ڈال دیا جب کہ ان کی نفوس اس وقت پرسکون اور دل مطمئن تھے جب انہوں نے اپنی کثرت اور دشمنوں کے اکٹھے ہونے کو دیکھ لیا تھا۔

مسلمانوں کے اعتبار سے اس مشکل وقت اور ان کے مآل کے اعتبار سے اس سخت گھڑی تک جو ان کے رعب و ہیبت کے باقی رہنے یا ختم ہونے کے لئے یک فیصلہ کن وقت تھا، ایسے وقت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہیں ہوئے ورنہ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ثابت قدم رہے اور بڑے حوصلے سے دشمن کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا مقابلہ کرتے رہے آپ کے اردگرد انصار و مہاجرین کی ایک جماعت بھی نہایت ثابت قدم رہی جس میں حضرت ابوبکر وعمر بن الخطاب اور آپ کے اہل بیت کی ایک جماعت جن میں آپ کے چچا حضرت عباس، علی بن ابی طالب اور ابوسفیان بن الحارث بھی تھے اور حضرت عباس اور ابوسفیان بن الحارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس جو کہ نہایت جسیم اور بلند

آواز رکھتے سے فرمایا: اے عباس! یہ آواز لگاؤ اے ان انصاریوں کی جماعت جنہوں نے اپنے گھروں اور شہر میں پناہ و ٹھکانہ دیا اور مدد و نصرت کی، اے ان مہاجرین کی جماعت جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔

چنانچہ حضرت عباس نے اپنی بلند آواز سے لوگوں کو پکارا: اے لوگو محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں یہاں تم لوگ اکٹھے ہو جاؤ، حضرت عباس کی آواز وادی کے اطراف میں گونجی اور اس آواز کو ان لوگوں نے بھی سن لیا جو اللہ کے لئے اپنے گھر بار اور مال و دولت کو چھوڑ کر ہجرت کر آئے تھے اور ان انصار نے بھی آواز سن لی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مدد و نصرت کی تھی جب آپ کو آپ کی قوم قریش نے پریشان کر رکھا تھا۔

کیا یہ سب کے سب آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جا سکتے تھے؟ کیا یہ آج آپ کو تنہا چھوڑ کر دشمن کے حوالے کر سکتے تھے؟ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے لئے سالوں کی ہوئی جہاد کو ضائع کر سکتے تھے؟

جی نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا... اللہ تعالیٰ نے وقتی گھبراہٹ کے بعد ان کے دلوں میں سکون پیدا فرما دیا اور خوف کے بعد ان کے نفوس میں ہمت و دلیری و صبر پیدا کر دیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس علان پر لبیک کہتے ہوئے ایک جماعت مہاجرین کی اور ایک جماعت انصار کی یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی: اے اللہ کے رسول ہم حاضر ہیں، ہم موجود ہیں اور

ان حضرات میں سے بیشتر نے جب یہ دیکھا کہ اونٹوں کے ساتھ وہاں جانا مشکل ہے تو وہ اونٹوں سے اتر کر آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس جگہ کی طرف تیزی سے بڑھے جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔

اے اللہ تمام تعریفیں اور شکر آپ ہی کے لئے ہے مسلمان دشمن پر حملہ کرنے کے لئے ان کی صفوں میں گھس گئے، ان مسلمانوں کے ہراول دستہ میں حضرت علی بن ابی طالب تھے حضرت علی اور ان کے ساتھ ایک انصاری اس شخص کی طرف بڑھے جس کے ہاتھ میں ہوازن کا جھنڈا تھا اور دونوں اس پر پل پڑے اور اسے گرادیا۔

لوگ بہادری اور بے جگری سے لڑنے لگے لڑائی سخت ہوگئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی طرف دیکھی جس کے اندر اب عزم دوبارہ ابھر چکا تھا اور ان کی قوت و شجاعت لوٹ آئی تھی اور وہ مسلمان اپنے دشمنوں کے ساتھ سخت ترین جنگ لڑنے لگے تو آپ نے فرمایا: اب جنگ سخت ہوگئی ہے۔

پھر آپ نے ایک مٹھی بھر کنکریاں اور مشرکوں کے چہروں پر یہ فرماتے ہوئے مار دیئے چہرے بگڑ جائیں۔ اے اللہ آپ نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا وہ پورا فرمادیجئے۔ اے اللہ ان کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ ہم پر غالب آجائیں۔

صورت حال بدل چکی تھی اور رخ تبدیل ہوچکا تھا اور اب مشرکوں کا اور کوئی ارادہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ مسلمانوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور ان کے سامنے سے ہٹ جائیں اور اپنی جان بچالیں۔

ہوازن اور ان کے حلیف بھاگنے لگے اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے ان پر حملہ کرتے رہے اور ان سے سخت جنگ کرتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یہ کہہ کر جرات دلاتے رہے: جو شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سامان اسے ہی ملے گا۔

اللہ نے مسلمانوں پر یہ جو انعام فرمایا تھا یہ اللہ کا بہت بڑا احسان تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوف کے بعد امن سے نوازا اور پیٹھ پھیرنے کے بعد ثابت قدمی سے۔

اور اس طرح سے مسلمانوں کو اس وقت فتح حاصل ہوئی جب کہ ان کے بارے میں بہت سے اندازے قائم کرلئے گئے تھے اور دشمن اور مصیبت پر خوش ہونے والے لوگ بغلیں بجارہے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ اتنا جری ہوگیا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے آپ کو تلاش کرنے لگا تاکہ اس کے ذریعہ اپنے اس والد کا بدلہ لے سکے جو جنگ احد میں مارا گیا تھا۔ چنانچہ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا تو اس پر ایک پردہ سا چھا گیا جس کی وجہ

سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلوار نہ اٹھا سکا اور پیچھے کی طرف ہٹ گیا اور میں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں۔

اے شیبہ میرے قریب آجاؤ چنانچہ شیبہ گردن جھکائے ہوئے اس حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا کہ اسے آپ کی طرف اپنی نگاہ تک اٹھانے کی جرأت نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک شیبہ کے سینہ پر رکھ کر فرمایا۔ اے اللہ شیطان کو اس سے دور فرما دے۔

شیبہ نے جب اپنا سر اٹھایا تو اس کی حالت یہ ہوگئی کہ اب اس کو اپنی زندگی سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبوب تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے شیبہ کافروں سے جنگ کرو۔

چنانچہ حضرت شیبہ آگے بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جاکر لڑنے لگے اور ان کی خواہش یہ تھی کہ اپنی جان پر کھیل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچالیں۔ مسلمانوں کے لشکر کے سامنے کافروں کا لشکر شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ چنانچہ ان میں سے بعض طائف کی طرف بھاگ نکلے اور بعض نخلہ کی جانب اور بعض اوطاس کی طرف لوٹ گئے جہاں انہوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا تاکہ اپنے مال و سامان اور عیال کو بچالیں لیکن مسلمان ان کے پیچھے پیچھے ان کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کے لئے آرہے تھے۔

چنانچہ درید بن الصمۃ قتل ہو گیا جسے ربیعہ بن رفیع سلمی جو کہ ابن الدغنہ کے نام سے مشہور تھے اور ابھی بالکل نوعمر جوان تھے انہوں نے قتل کیا تھا۔ ہوا یوں کہ ابن الدغنہ نے اس کو ہودج میں دیکھ کر سمجھا کہ یہ کوئی عورت ہے تاکہ اس کا ساز و سامان لے لیا جائے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ تو آدمی ہے تو انہوں نے اس کو قتل کرنا چاہا تو درید نے ان سے پوچھا، تم کون ہو؟

انہوں نے ان کو اپنا نام بتلا دیا اور پھر اس پر اپنی تلوار سے حملہ کر دیا۔ لیکن تلوار اس کا کام تمام نہ کر سکی تو درید نے ان سے کہا: تمہاری ماں نے تمہیں بہت خراب ہتھیار دیا ہے اس لئے تم کجاوے کے پیچھے حصہ سے میری تلوار لو اس سے مارو لیکن ہڈی سے بچانا اور دماغ سے نیچے مارنا اس لئے کہ میں مردوں کو اسی طرح مارا کرتا تھا پھر جب تم اپنی والدہ کے پاس جاؤ تو انہیں یہ بتلا دینا کہ تم نے درید بن الصمۃ کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ ربیعہ نے انہیں تلوار سے حملہ کرکے قتل کر دیا۔

جب حضرت ربیعہ کی ملاقات اپنی والدہ سے ہوئی تو انہوں نے یہ واقعہ نہیں بتلایا اور درید نے انہیں جو پیغام دیا تھا وہ بھی سنا دیا تو ان کی والدہ نے کہا بخدا اس نے تمہاری تین ماؤں کو آزاد کیا تھا مجھے، اور میری والدہ، اور تمہارے والد کی والدہ کو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں ضعیفوں اور عورتوں اور بچوں کے

قتل سے منع فرما دیا۔ مسلمان عورتیں مشرکین پر سخت ناراضگی اور غصہ کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ ان کے بچوں کو بھی قتل کر دیا جائے اور وہ یہ کہہ رہے تھے یہ تو مشرکین کی اولاد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ جواب دیا۔ کیا تمہارے عمدہ اور بہترین لوگ مشرکین کی اولاد نہیں رہے؟ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے جب تک کہ اس کی زبان اس کے بارے میں اظہار نہ کرے۔

وہ مسلمان عورتیں جو مسلمانوں کے لشکر کے ہمراہ نکلی تھیں موقع ملنے پر دشمنوں سے لڑنے میں وہ بھی مردوں سے کچھ کم بہادر نہ تھیں اور جو حضرات میدان جنگ سے بھاگ گئے تھے اور واپس نہیں لوٹے یہ عورتیں ان سے سخت ناراض تھیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کے نرم برتاؤ پر تیار نہ تھیں۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ کی اہلیہ حضرت ام سلیم بنت ملحان نے اس سلسلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ اگر آپ کو موقع دے دے تو آپ ایسے لوگوں کو ہرگز معاف نہ فرمائیں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور دشمن کے مقابلہ پر انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان دونوں کو آپ بالکل اسی طرح قتل کریں جس طرح ان مشرکوں کو قتل کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو جواب دیا وہ درگذر اور معافی پر مشتمل تھا۔ آپ نے فرمایا: اے ام سلیم، اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی اور اس کی عافیت بہت وسیع ہے۔

مشرکوں نے شکست خوردہ لشکر کی حیثیت سے زیادہ دیر تک ثابت قدم نہ رہ سکیں۔ چنانچہ جب بہت سے آدمی قتل ہو گئے تو لوگ جلدی جلدی بھاگ گئے اور اپنے پیچھے چھوڑ گئے اپنے اموال، اور عورتیں بچے مسلمانوں کے لئے بہترین مال غنیمت بنا گئے۔

مشرکوں کے لشکر کا قائد مالک بن عوف طائف چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے اس طرح جان بچائی اور اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں قلعہ بند ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت جمع کرنے کا حکم دیا اور آپ کے منادی نے لوگوں میں اعلان کیا کہ:

جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ مال غنیمت میں خیانت نہ کرے یعنی تقسیم سے قبل کوئی چیز چھپا نہ لے۔

پھر مال غنیمت جمع کیا گیا اور اس کو شمار کیا گیا تو اس کی مقدار یہ تھی: قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار اور چاندی چار ہزار اوقیہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کو جعرانہ مقام کی طرف منتقل کرنے اور اس کی چوکیداری اور نگرانی کرنے کے لئے خیمے لگانے کا حکم دے دیا اور یہ حکم بھی دیا کہ جس کے پاس کپڑے نہ ہوں اس کے لئے مکہ سے کپڑے خرید لئے جائیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جنگجو مجاہد ساتھیوں

کوچ کرکے طائف روانہ ہو گئے تاکہ ثقیف والوں کا محاصرہ کیا جا سکے اور ان سے جنگ ہو۔

ثقیف والوں کو یہ معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ان پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے شہر طائف کی مضبوط ترین چہار دیواری کے دروازے بند کر دیئے اور محفوظ ترین قلعوں میں بند ہو گئے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو لے کر طائف کے قریب ٹھہر گئے اس سے پہلے یہ حضرات راستہ میں وہاں کے ایک شخص کے باغ میں قیام کر چکے تھے اور مالک بن عوف کے قلعہ کو گرا چکے تھے۔

ثقیف والوں نے قلعہ کے اوپر سے مسلمانوں پر تیر مارنا شروع کر دئے جس کی وجہ سے ان کے لشکر کو نقصان پہنچا اور کئی مسلمان شہید ہو گئے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اتنی دور جانے کا حکم دیا جو تیر کی پہنچ سے باہر ہو لہٰذا مسلمان اتنی دور چلے گئے جہاں ان کو تیر نہ پہنچ سکیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس قسم کے محفوظ قلعوں کو فتح کرنے اور ان میں موجود لوگوں سے جنگ کرنے اور ان کو قلعہ سے نکلنے پر مجبور کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تو مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ اس سلسلہ میں توپ اور ٹینک سے

مدد لی جائے اور اس کے لئے ایسے آدمیوں کی مدد لی جائے جو ان کو اچھی طرح سے چلانا جانتے ہوں۔

اس کام کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی دوس کے پاس آدمی بھیجا جو ان کے پاس تھے کچھ ایسے آدمی لے آئے جو یہ چیزیں چلانا جانتے تھے۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت ان آلات اور اس سے متعلق سامان کو لے کر آگئی توپ لگا دی گئی اور اس سے طائف کے قلعوں کو نشانہ بنایا گیا اور ٹینکوں کے زیر سایہ مسلمانوں کی ایک جماعت قلعوں تک پہنچ گئی (پہلے زمانے میں لکڑی اور موٹے دو تہہ چمڑے سے ایسے آلات بنائے جاتے تھے جن کے زیر سایہ دشمنوں کے قلعوں تک پہنچ جاتا تھا تاکہ ان میں نقب لگائی جا سکے ان آلات کو دبابات کہتے تھے) تاکہ قلعہ میں نقب لگا سکے لیکن اہل طائف اس قسم کی جنگوں اور اس کے طریقوں سے خوب واقف تھے اس لئے انہوں نے لوہے کے کچھ ٹکڑے خوب گرم کئے اور جب وہ انگارے کی طرح سرخ ہو گئے تو ان کو ان دبابات پر ڈال دیا جس سے وہ دبابات جل گئے اور مسلمان مجاہدین اس کے نیچے سے نکل کر بھاگ گئے لیکن ثقیف والوں نے ان پر تیر برسانا شروع کر دیئے اور ان کی ایک بڑی جماعت کو شہید کر دیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آپ اپنے آدمیوں کو طائف والوں کی نگور

کی بیلیں کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیں جو شہر کے باہر وسیع باغیچوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور عمدگی اور عمل ہونے میں مشہور تھیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قلعہ والے قلعہ سے باہر آجائیں اور ہتھیار ڈال دیں۔ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرنا شروع کر دیا اور بیلوں کو کاٹنے اور جلانے لگے۔

اہل طائف نے جب اس صورت حال کو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فعل ہرگز پسند نہیں ہے اور آپ خود ہی اس سے روکتے ہیں تو وہ آپ کو آپ کی شفقت کی قسم دیتے ہوئے یہ کہنے لگے۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ ہمارے ان باغات کے کاٹنے کا کیوں حکم دے رہے ہیں؟ اگر آپ غالب آگئے تو یہ باغات آپ کے ہو جائیں گے ورنہ بصورت دیگر آپ اللہ اور اس رشتہ کے واسطے جو ہمارے اور آپ کے درمیان ہے ان کو ہمارے لئے چھوڑ دیں۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آدمیوں کو باغات کے کاٹنے اور جلانے سے روک دیا اور یہ حکم دیا کہ ثقیف میں یہ اعلان کر دیں کہ ان کا جو آدمی ہتھیار ڈال کر ہمارے پاس آجائے گا اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ کے پاس ان کے تقریباً بیس آدمی آگئے اور آپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے مقرر کر دیا۔

طائف کا محاصرہ تقریباً ایک مہینہ تک جاری رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کر لیا کہ چونکہ ثقیف والوں کے پاس کھانے پینے اور ضروریات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اس لئے یہ محاصرہ اور طویل ہو سکتا ہے اس لئے آپ نے حضرت ابوبکر سے مشورہ کیا اور ان کو بتلایا کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ طائف اس وقت فتح نہیں ہو سکتا، اور پھر جب حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پوچھنے آئے کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ طائف والوں کا محاصرہ ختم کر رہے ہیں تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوچ کی تیاری کا اعلان کر دیا جائے۔

لوگوں پر یہ بات بہت شاق گذری کہ بغیر فتح کئے طائف کا محاصرہ ختم کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے ثقیف کے لئے بد دعا کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا: اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان طائف سے واپس ہو گئے اور آپ لوگوں سے یہ فرما رہے تھے کہ یہ کہو: ان شاء اللہ لوٹنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اس مال غنیمت کو تقسیم کرنے کے لئے جو مسلمانوں کو غزوہ حنین میں حاصل ہوا تھا جعرانہ کا رخ کیا۔ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر مال غنیمت تقسیم کرنا شروع ہی کیا تھا کہ ہوازن

کا ایک وفد مسلمان ہو کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ہوازن کے اموال اور قیدیوں کے واپس کرنے کی درخواست اس طرح پیش کی:

اے اللہ کے رسول! ہم پر احسان فرمائیے اس لئے کہ قیدی عورتوں میں آپ کی چچیاں، پھوپھیاں، اور وہ آیائیں ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی تھی، اور اگر ہم حارث بن ابی شمر یا نعمان بن منذر کو دودھ پلاتے یا ان کی کفالت کرتے اور پھر ان میں سے کوئی ایک ہم پر ایسی فتح حاصل کرتا جیسے کہ آپ نے حاصل کی تو ہم اپنے واپس اس کی مہربانی اور احسان کی امید رکھتے اور آپ تو ان سب میں بہتر ہیں جن کی کفالت کی گئی ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: بتاؤ تمہیں اپنے بچوں اور بیویوں سے زیادہ محبت ہے یا اپنے مال و دولت سے؟

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں ہمارے اہل و عیال اور مال کے درمیان اختیار دیا ہے، آپ ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمیں واپس دے دیں وہ ہمیں زیادہ پسند ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے اور بنو مطلب کے حصہ میں آئے ہیں وہ تو میں تمہیں دیتا ہوں لیکن جو دوسرے لوگوں کا حصہ ہیں تو ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھوں گا۔ جب میں لوگوں کے ساتھ ظہر

کی نماز پڑھوں تو تم کھڑے ہو کر اپنے بچوں اور عورتوں کے بارے میں سفارش کرنا تو اس وقت میں بھی تم کو دے دوں گا اور تمہارے لئے سفارش بھی کر دوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ چکے تو ہوازن کا وفد کھڑا ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انہوں نے گفتگو کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ میں اپنے اور بنو المطلب کے حق سے ہوازن کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ یہ سن کر مہاجرین کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے حق سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور ان کے بعد انصار نے بھی اور پھر اس کے بعد دوسرے قبائل میں سے بعض تو اپنے حق سے دستبردار ہو گئے اور بعض نے اپنے حق برقرار رکھا اور اس سے دستبردار نہیں ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو بھی ان قیدیوں میں اپنے حق کو لینا چاہتا ہے تو میں ان شاء اللہ اس کو اس کے عوض میں ہر فرد کے بدلے چھ ان قیدیوں میں سے دے دوں گا جو اس کے بعد ہماری قید میں آئیں گے۔ تمام لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حل کو پسند کیا، اور تمام قیدی ہوازن کے سپرد کر دئے۔

ان قیدی عورتوں میں سے ایک عورت بھی تھی جس کے ساتھ چوکیداری

گرنے والوں نے سخت کلامی کی تھی تو اس نے ان سے کہا تھا اس بات کو یاد رکھو کہ میں تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضاعی بہن ہوں لیکن ان لوگوں نے اس کی تصدیق نہ کی اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لانے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شیماء بنت الحارث بن عبد العزیٰ کو پہچان لیا جنہوں نے آپ کو بچپن میں جس وقت آپ بنو سعد میں دودھ پیتے بچے تھے اس وقت اپنی گود میں اٹھایا اور آپ کو کھلایا تھا۔

چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شیماء کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور ان کو اس پر بٹھایا اور ان کو یہ اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کے پاس ٹھہر جائیں اور اگر چاہیں تو آپ ان کو تحفے دے کر ان کی قوم کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قوم کے پاس واپس جانے کو پسند کیا۔

اور اس طرح سے ہوازن کا وفد اپنے ساتھ اپنے بچوں اور عورتوں کو لے کر واپس ہو گیا اور چلتے وقت ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ:

مالک کو یہ بتا دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آ جانے تو میں اس کو اس کے اہل و عیال اور مال بھی واپس دے دوں گا اور اس کے ساتھ ہی اس کو سو اونٹ بھی دوں گا۔

مسلمان قبیلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مال غنیمت کا مطالبہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا لوگوں کو یہ خوف ہو کہ کہیں ایسی بات اور پیدا نہ ہو جائے جس سے مال غنیمت میں ان کا حصہ کم ہو جائے لہذا ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کیا اور بار بار درخواست کی اور آپ سواری پر سوار تھے کہ آپ سے عاجزانہ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم پر اونٹوں اور بکریوں کو تقسیم کر دیجئے یہ حضرات اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور لوگوں کی کثرت ہجوم کی وجہ سے آپ کی چادر ایک درخت کی ٹہنی میں پھنس گئی تو آپ نے ان لوگوں سے جو آپ کے ارد گرد تھے غصہ میں فرمایا۔

اے لوگو میری چادر مجھے لا دو۔ بخدا اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں وہ تم میں تقسیم کر دیتا اور تم مجھے نہ بخیل پاتے اور نہ بزدل اور جھوٹ بولنے والا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کی کوہان سے بالوں کا ایک گچھا توڑ کر فرمایا:

اے لوگو بخدا میرے لئے سوائے خمس، پانچویں حصے کے اتنے سے بال لینے کا بھی حق نہیں ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی تم ہی پر لوٹا دیا جاتا ہے سنئے اگر کسی نے کوئی چیز بغیر حق کے لی ہو تو اسے چاہیئے کہ اسے واپس کر دے، اس لئے کہ وہ چیز قیامت میں ذلت و رسوائی اور آگ (نار) کا ذریعہ بنے گی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تمام مجاہدوں پر تقسیم فرمایا اور قریش اور دیگر عرب قبائل کے وہ رؤساء اور سردار جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ان کے لئے اس خمس سے جو اللہ کے نام پر نکالا جاتا ہے بڑے بڑے حصے ان کے لئے مخصوص کر دئیے، اور یہ ان کی تالیف قلب اور اسلام کی طرف ان کے دلوں کے مائل کرنے کے لئے تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے قریش اور قبیلوں کے رؤسا خوش ہو گئے اور ان کے نفوس مطمئن ہو گئے، اور ان رؤساء میں ابوسفیان بن حرب اور سہیل بن عمرو اور حکیم بن الحارث بن کلدة وغیرہ بھی تھے۔

اس عمل سے کچھ انصار کو تکلیف پہنچی اور ان کی طبیعت پر اس کا اثر ہوا، کیونکہ اس وجہ سے قریش اور اعراب کے کچھ آدمیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا تھا اور انصاریوں میں سے کسی کو اس امتیاز سے نہیں نوازا گیا اس لئے انصار کی ایک جماعت نے اس سلسلہ میں آپس میں گفتگو کی اور بعض نے بعض سے کہا: بخدا اللہ کے رسول اپنی قوم کے ساتھ مل گئے ہیں۔

انصار کی طرف سے یہ بات تھی وہ بات حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے سعد اپنی قوم کو میری خاطر یکجا جمع کر دو۔ حضرت

سعد نے انصار کو اکٹھا کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

اے انصار کی جماعت یہ کیا بات ہے جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے، تمہیں کیا ناراضگی ہو گئی ہے، کیا میں تمہارے پاس اس حالت میں نہیں آیا تھا کہ تم گمراہ تھے اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور فقیر تھے اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا اور ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی!!

انصار نے کہا، کیوں نہیں اللہ اور اس کے رسول کے ہم پر اس سے زیادہ احسانات اور انعامات ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار کیا تم میری بات کا جواب نہیں دو گے۔

انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول ہم آپ کو کیا جواب دیں اللہ اور اس کے رسول ہی کے ہم پر احسانات و انعامات ہیں۔

آپ نے فرمایا: بخدا اگر تم چاہتے تو یہ بات کہہ دیتے اور اس میں تم سچے بھی ہوتے اور تمہاری تصدیق بھی کی جاتی کہ:

آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو جھٹلایا گیا تھا لیکن ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ تن تنہا تھے، ہم نے آپ کی مدد کی،

آپ کو آپ کے شہر سے نکالا گیا تھا ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا، آپ خستہ حال تھے ہم نے آپ کے ساتھ غمخواری کی۔

اے انصار کی جماعت کیا تم نے اس وجہ سے اپنے دل میں کوئی بات محسوس کی ہے کہ میں نے دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت کسی قوم کو اس لئے دے دی تاکہ ان کی تالیف قلب ہو اور وہ پکے مسلمان ہو جائیں، اور میں نے تمہارے اسلام پر بھروسہ اور اعتماد کیا۔ اے انصار کی جماعت کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اپنے ساتھ بکریاں، اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے گھروں، اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے کر لوٹو؟

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر ہجرت دینی امور میں سے نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا اور لوگ ایک گھاٹی اور راستہ پر چلیں اور انصار دوسری گھاٹی اور راستہ پر چلیں تو میں انصار کی گھاٹی اور راستہ پر چلوں گا۔ اے اللہ انصار پر انصار کی اولاد اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے انصار پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اور وہ رونے لگے اور کہنے لگے ہم حصہ اور نصیب کے اعتبار سے اللہ کے رسول پر راضی ہیں۔

مالک بن عوف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچ دیا گیا

چنانچہ وہ اسلام لانے کے لئے طائف والوں کی نظر سے چھپا چھپا تا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اہل وعیال اور اس کا مال اس کو واپس کر دیا اور وعدہ کے مطابق اس کو سو اونٹ بھی دے دیئے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور جب عمرہ کر چکے تو مکہ پر حضرت عتاب بن اسید کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا اور قرآن کریم کی تعلیم اور دین کے مسائل سکھانے کے لئے ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل کو بھی خلیفہ بنا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف اس حالت میں روانہ ہوئے کہ فتح مکہ کے انعام پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے اور غزوہ حُنین میں پسپائی اور حرف کے بعد اللہ نے ان کو جو ثابت قدمی اور مال غنیمت وغیرہ عطا کیا اس پر اس کی حمد بیان کر رہے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات بھی نازل فرمادیں:

(لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي	اللہ مدد کر چکا ہے تمہاری بہت
مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّيَوْمَ	سے میدانوں میں اور حنین کے دن
حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ	جب تم اپنی کثرت پر خوش ہوئے

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(توبہ - ۲۵، ۲۶)

پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر ہٹ گئے تم پیٹھ پھیر کر، پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور ایمان والوں پر تسکین اتاری اور فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں کو، یہی سزا ہے منکروں کی۔

(۲۳)

غزوۂ تبوک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی نعمت سے نوازا تو آپ نہایت مطمئن اور خوشی کی حالت میں مدینہ منورہ واپس لوٹے۔ فتح مکہ میں اسلام کے لیے بڑی بھلائی اور مسلمانوں کے لئے فتح مبین تھی، اس لئے کہ فتح مکہ کا صرف یہ اثر نہیں تھا کہ مکہ مکرمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر اثر آ گیا تھا۔ یا یہ کہ بیت اللہ کو مسلمانوں کے حج کے لئے کھول دیا گیا تھا، یا یہ کہ وہ قریش جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت سے مخالفت اور دشمنی اور جنگ کی تھی جب سے آپ نبی بنائے گئے تھے اور اب وہ قریش آپ کے فرمانبردار ہو گئے تھے اور آپ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے تھے۔

بلکہ اس سب کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تھی کہ مکہ مکرمہ والوں کا آپ کے سامنے جھکنے اور بیت اللہ کے بتوں سے پاک صاف ہونے اور قریش کے مسلمان ہونے کا ایک وہ اثر بھی تھا جو ہر اس عربی کے لئے ظاہر تھا جو بیت اللہ کا حج کرتا ہو اور جزیرۂ عرب میں مکہ کی حیثیت اور

عربوں میں قریش کے درجے سے باخبر ہو اس کے لئے اس سب سے زیادہ
ایک اور فائدہ بھی تھا اور وہ یہ کہ مکہ کی فتح اور مسلمانوں کے حج کے لئے بیت اللہ
کے کھلنے اور قریش کے اسلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو پھیلنے اور
منتشر ہونے اور اللہ کے اس دین کو جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا تھا
اس کو باقی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی ضمانت مل گئی تھی۔

اس لئے فتح مکہ کے بعد عرب قبائل نے جلد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور اسلام قبول کر لیا اور اکثر قبیلے والے
خوشی خوشی اپنی مرضی سے آپ کے پاس اسلام قبول کرنے آگئے۔

فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
بہت سے افراد اور مختلف وفود آئے اور ان لوگوں میں سے جو آپ کے
پاس اپنی اطاعت کے اظہار اور اسلام کا اعلان کرنے آئے تھے

کعب بن زہیر بھی تھے جو اپنے شعر کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ہجو کر کے آپ کو ایذا پہنچاتے تھے اور ستاتے تھے۔ ان کے بھائی بجیر بن زہیر
نے ان کو پیغام بھیجا اور بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان جیسے لوگوں سے
جو آپ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کی برائی کرتے تھے کس قدر ناراض ہیں اور
آپ نے کس طرح ان کے قتل کا حکم دیا تھا اور ان میں کی اکثریت جب
زبان سے کہہ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تو آپ نے اکثر کو معاف

فرما دیا اور بجیر نے اپنے بھائی سے یہ درخواست کی وہ بھی انہی کے نقش قدم
پر چلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس توبہ و استغفار کے لئے آجائے
یا یہ کہ کسی گمنام گوشے میں سلامت رہے مگر اپنے آپ کو اسلام کی اس گرفت سے
بچ سکے جو قریب ہے کہ تمام جزیرۂ عربیہ کو اپنے قابو میں لے لے۔

بجیر نے اپنے بھائی کعب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
مسلمان ہونے کا جو مشورہ دیا تھا، اس کا کعب کے دل پر اثر ہوا اور اس
نے جلد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت چھوڑ دی اور آپ کے سامنے
مسلمان ہونے کے لئے مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

کعب مدینہ منورہ میں اپنے ایک جاننے والے کے گھر مہمان بنا جب
صبح ہوئی تو وہ خود اور وہ صاحب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے جب نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کعب آگے بڑھے اور آپ کے سامنے
ہیئت بدل کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔ اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر
توبہ کرتا ہوا مسلمان ہو کر آیا ہے تاکہ آپ سے امان طلب کرے اس لئے
اگر میں اس کو آپ کے پاس لے آؤں تو کیا آپ اس کی توبہ و معافی قبول
کر لیں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں کعب نے کہا: اے
اللہ کے رسول میں کعب بن زہیر ہوں، اور پھر آپ کے سامنے اپنا وہ مشہور

قصیدہ پڑھا جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　متیم إثرها لم یفد مکبول

اور پھر کعب اسلام لے آئے اور آپ نے انہیں معاف کر دیا۔

جو وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر آئے ان میں سے طئی کا وفد بھی تھا جن کا سردار ایک شخص تھا جس کا نام زید الخیل تھا جو نہایت عقل و کمال والا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں یہ تک فرمایا ہے: میرے سامنے عرب کے جس شخص کی بھی منقبت و فضیلت بیان کی گئی اور پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اس کو اس سے کمتر ہی پایا سوائے زید الخیل کے اس لئے کہ ان میں جو کمالات تھے وہ سب کے سب نہ بیان کئے گئے ورنہ مجھ تک پہنچائے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید الخیل کا نام تبدیل کر کے زید الخیر کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت علی کو طئی کے بُت کو توڑنے کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں کی آمد کی اطلاع عدی بن حاتم طائی کو مل گئی جو اپنی قوم میں بڑی شان و شوکت و حیثیت کا مالک تھا اور عیسائی تھا اور مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دشمنی رکھتا تھا، چنانچہ وہ اپنے اہل و عیال اور مال کو لے کر جلدی سے شام کی طرف نکل گیا تا کہ مسلمانوں کے اس کی سرزمین پر قدم رکھنے سے

پہلے وہ اس علاقے کو چھوڑ چکا ہو۔

لیکن اس کی ایک بہن جس کا نام سفانہ تھا وہ پیچھے رہ گئی اور اس کے ساتھ نہ گئی اور وہ ان قیدیوں میں گرفتار ہو گئی جنہیں مسلمانوں نے حملہ کرتے، اور طئی کے بت توڑنے کے بعد گرفتار کیا تھا اور مسلمان مال غنیمت لے کر مدینہ منورہ لوٹ آئے، اور عدی کی بہن سفانہ کو مسجد کے قریب اس جگہ بند کر دیا گیا جہاں قیدی عورتوں کو اس وقت تک رکھا جاتا تھا جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہ ہو جائے یا انہیں تقسیم نہ کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے تو سفانہ نے آپ کو قسم دی کہ اس کو آزاد کر دیں اور وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول، میرے والد ہلاک ہو گئے (یعنی اس کے والد حاتم بن عدی جو عربوں میں جود و کرم اور سخاوت میں مشہور تھے) اور وافد (آنے والے غائب ہو گئے اس لئے آپ ہم پر احسان فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس آنے والا کون ہے؟

اس نے جواب دیا: عدی بن حاتم۔ آپ نے فرمایا: وہ جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگنے والا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے اور اس کی درخواست منظور نہ کی۔ سفانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار آزاد کرنے کا سوال کیا لیکن آپ نے ہمیشہ اعراض

فرمایا تھا کہ قریب تھا کہ سفانہ آپ کو راضی کرنے اور آپ سے معافی حاصل کرنے سے بالکل مایوس ہو جائے لیکن سفانہ نے پھر درخواست کی اور آپ سے پھر گذارش کی اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی اور اسے اس کی فرمائش اور امید سے زیادہ مل گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا اور اس کو آزاد کر دیا اور اس کو اتنا مال دے دیا جس سے وہ اپنے بھائی کے پاس شام تک نہایت اعزاز و اکرام سے پہنچ جائے۔ سفانہ نے وہاں پہنچ کر اپنے بھائی عدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ نے جو اس کا اکرام کیا تھا اس کا تذکرہ کیا جس کا اس پر بہت اچھا اثر پڑا اور وہ جلدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ پہنچا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اور ان دنوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد اور زکاۃ وصول کرنے والے جزیرۂ عرب میں پھر رہے تھے ان میں سے ہر ایک اپنے مفوضہ کام میں مشغول تھا، ان قاصدوں میں وہ تھے جو فتح مکہ کے بعد اس عشر کو وصول کر رہے تھے، آپ نے مالداروں پر مقرر کیا تھا تاکہ فقراء کو دیا جاسکے اور آپ جانتے تھے کہ بیت اللہ اور اس سے متعلق دیگر چیزیں مسلمانوں کی ذمہ داری آ گئی تھیں اس لئے مسلمانوں کے خرچ جات بڑھ گئے تھے۔

ان قاصدوں سے بعض وہ تھے جو ان قبائل سے جزیہ وصول کیا کرتے تھے

جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اور ان میں سے بعض وہ تھے جو اللہ کے دین کی تعلیم دیتے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔ اکثر قاصدوں کا استقبال کیا گیا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے ان کو ناپسندیدہ طریقے سے واپس بھی کیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص جلندی کے بیٹے جیفر اور عمرو کے پاس گئے جو عمان کے بادشاہ تھے اور صدقات کو اغنیاء سے وصول کر کے فقراء پر تقسیم کر دیا، اور مجوسیوں سے جن کی اکثریت اپنے سابقہ دین پر برقرار تھی ۔۔۔ جزیہ وصول کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس ہو گئے۔

زکاۃ اور جزیہ جمع کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد خزاعہ اور بنو تمیم کے پاس گئے تو خزاعہ والوں نے اس قاصد کے سامنے اپنے مال کا بڑا حصہ اکٹھا کر دیا تاکہ وہ اس میں سے جتنا چاہے لے لے لیکن بنو تمیم نے اپنا مال ظاہر کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو ڈرانے کی خاطر تلواریں لے کر آ گئے۔ چنانچہ وہ مدینہ منورہ واپس ہو گئے اور اس واقعہ کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو تمیم کی اس حرکت پر ان سے جنگ کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت بھیج دی جس کے سردار عیینہ بن حصن تھے۔

اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیینہ اور ان کے ساتھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو تمیم کے کچھ قیدیوں اور کچھ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔

بنو تمیم نے اپنا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ان قیدیوں کے بارے میں گفتگو کے لئے بھیجا جنہیں مسلمان گرفتار کر کے قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ چنانچہ جب وہ لوگ مدینہ منورہ تک مسجد نبوی میں پہنچے تو حجروں کے پیچھے سے ہی آپ کو اس طرح پکارنے لگے جس سے آپ کو تکلیف پہنچی۔ جب آپ باہر تشریف لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے تو انہوں نے اپنی طرف سے بات کرنے کے لئے ایک فصیح و بلیغ آدمی کو منتخب کیا۔

عطارد بن حاجب نامی ان کے خطیب نے گفتگو شروع کی اور اپنی قوم کی نسب پر فخر کیا اور ان کے مناقب بیان کئے، اور فضل و کمال کو ظاہر کیا اور یہ چیلنج کیا کہ کون ایسا عرب ہے جو ان سے سبقت لے جائے اور ان کے درجے کو پہنچ سکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو اشارہ کیا (جو نہایت بلند آواز اور مسلمانوں میں خطابت پر سب سے زیادہ عبور رکھنے والے تھے) کہ وہ بنو تمیم کے خطیب کو جواب دیں۔

حضرت ثابت کھڑے ہوئے اور فی البدیہہ ایسا کلام پیش کیا جس کی عبارت نہایت فصیح اور مفہوم نہایت بلیغ تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجلس میں موجود مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ ان کی فصاحت

و بلاغت سے بنو تمیم نہایت متعجب ہوئے لیکن انہوں نے یہ ناپسند کیا کہ فصاحت و بلاغت میں سبقت کا شرف و فخر ان کے علاوہ کسی اور کو حاصل ہو اس لئے انہوں نے اپنے شاعر زبرقان بن بدر کو آگے کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: ہمارے شاعروں کو اجازت دے دیجئے۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی تو زبرقان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی بڑائی بیان کرنے لگا اور ان کے حسب و نسب پر فخر کے سلسلہ میں اس نے اشعار پڑھے جب وہ شعر کہہ چکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے شاعر حضرت حسان بن ثابت سے اس کا جواب دینے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ حضرت حسان کھڑے ہوئے اور نہایت شاندار اور ایسے عمدہ شعر کہے جن میں مسلمانوں کے کارناموں پر فخر کیا گیا تھا اور ان کی عظمت کو بیان کیا گیا تھا۔

مجلس برخاست ہوئی تو مسلمان نہایت خوشی و مسرور ہو رہے تھے اس لئے کہ بنو تمیم کے جواب میں حضرت ثابت و حسان نے نہایت عمدہ کارنامہ انجام دیا تھا، اور بنو تمیم ایک دوسرے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہہ رہے تھے۔

ان صاحب کی غیب سے تائید کی جاتی ہے اور یہ مؤید ہیں اور ان کے لئے اوپر سے کلام دیا جاتا ہے لہٰذا ان کا خطیب ہمارے خطیب سے

بڑا خطیب ہے، اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑا شاعر ہے، اور وہ ہم سے زیادہ عقلمند و بردبار ہیں، اس لئے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔

اور اس طرح سے ان کے وفد، فرد بھی، اسلام لے آئے جو پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدیوں اور عورتوں کو واپس کر دیا، اور ان سب کو عمدہ و اعلیٰ تحفہ و انعام دیا، اور پھر جب آپ نے ان سے پوچھا کہ تم میں کوئی ایسا آدمی رہ گیا ہے جسے ہم نے انعام نہ دیا ہو؟ تو انہوں نے کہا قافلہ میں ایک چھوٹا بچہ ہے آپ نے فرمایا: اسے بھی بھیج دو اسے بھی انعام دے دیں گے۔

انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول وہ تو غلام ہے، اس میں کوئی قابل تذکرہ بات نہیں ہے آپ نے فرمایا: وہ ہمارے پاس آنے والوں میں سے ایک ہے اور اس کا حق ہے چنانچہ انہوں نے اس کو بھی آپ کے پاس بھیج دیا، اور آپ نے اسے بھی انعام دیا اور پھر سب لوگ اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان میں سے ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ وہ اپنی جان اور مال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے لئے پیش کر دے۔

یہ اور مذکورہ بالا دیگر واقعات جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے یہ اس بات کی ایک مثال تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جب قبائل میں دعوت دین کی قبولیت کی استعداد اور اس کے

فرائض کی پیروی میں ان کو مستعد پاتے تھے تو بعض قبائل کی طرف سے خشونت سختی اور برے سلوک کو بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔

ان واقعات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جزیرۂ عرب کی شمالی حدود جہاں شام کے وہ علاقے تھے جن پر رومیوں کی بادشاہت تھی ان کی حفاظت اور انہیں محفوظ بنانے پر غور و فکر کرتے رہتے تھے، اور آپ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ مسلمانوں کو ان جماعتوں کے مقابلہ پر ایسا طاقتور بنایا جائے کہ کوئی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھ سکے اور کسی کے دل میں ان پر غلبہ حاصل کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے کا خیال نہ آئے۔

اسی لئے جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو یہ خبر پہنچی کہ رومی جزیرۂ عرب کی حدود پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان سے اور مسلمانوں سے غزوۂ موتہ کا بدلہ لیں اور یہ خشک سالی میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی جزیرۂ عرب کے طول و عرض میں یہ اعلان کر دیا کہ فوری طور سے لڑنے والوں کو جمع کیا جائے اور جو بھی لڑنے کی طاقت رکھتا ہو وہ تیاری کرے تاکہ رومیوں سے جنگ کرے، اور ان کو ان کے دائرہ میں محدود رکھنے کا انتظام کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف عادت اس جہت کو مخفی رکھا جہاں جانا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ خلاف عادت خفاء

سے جو کام لیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جس جانب مسلمانوں کو جنگ کے لئے جانا تھا وہ دور تھی، سخت گرمی کا زمانہ تھا جس کی وجہ سے لشکر کو ہر طرح سے تیار کرنا، اور اس کی تیاری کی پوری دیکھ بھال کرنا ضروری تھا۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالدار مسلمانوں کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ذاتی مال سے لشکر کی تیاری میں حصہ لیں۔ چنانچہ اکثریت نے اس پیغام پر لبیک کہا اور اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق دل کھول کر اس کام کے لئے پیسہ دیا۔ حتیٰ کہ بعض حضرات نے تو اتنی سخاوت دکھائی کہ سب مال لے آئے چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا تمام مال لے آئے، آپ نے جتنا اس میں سے لینا تھا لے لیا اور باقی واپس کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار پیش کئے جو اس زمانہ کے لحاظ سے ایک بہت بڑی چیز اور گرانقدر رقم تھی۔

مخلص مسلمانوں کے مالداروں نے سفر کی تیاری میں اس طرح سے حصہ لیا تھا، لیکن متوسط درجہ کے مسلمانوں نے خود اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار کیا اور زادِ سفر کا بندوبست کیا بلکہ بعض نے اس سے بھی زیادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونٹ کو ساز و سامان سے لیس کر کے پیش کر دیا تاکہ آپ اس پر ایک یا دو آدمیوں کو

باری باری سوار کر دیں۔

لیکن جو مسلمان حصہ لینا چاہتے تھے وہ اپنے لئے ساز و سامان اکٹھا نہیں کر سکتے تھے اور یہ مکمل تیاری کرنے پر قادر تھے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سامان سفر کی درخواست کی۔ چنانچہ جن کو آپ سواری دے سکے دے دیا اور جس کے لئے بندوبست نہ کر سکے، ان سے معذرت کی اور وہ نہایت افسوس و غم میں اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس صدمہ کی وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے کہ انہیں اللہ کے راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے کو نہیں ملے گا وہ تاریخ میں ان کا نام ہی بکائین (رونے والے) پڑ گیا۔

مخلص مومنوں کی شان تو یہ تھی کہ انہوں نے اس طرح سے تیاری کی ان کے برخلاف جو منافق تھے یا جن کے دلوں میں بیماری لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس سخت گرمی، اور لو کے زمانے میں نکلنے کو برا سمجھا اور اس سے عرض کیا اور اس کو ناپسند کیا کہ کھیتیاں پک چکی ہیں ان کو چھوڑ کر کس طرح جایا جائے، باغات کے پھل تیار ہیں ان کو کس طرح چھوڑ دیں، اور پھر مدینہ سے شام کی مسافت کو اس سخت گرمی کے زمانہ میں طے کرنا اور راستہ میں آنے والے گرم تپتے ہوئے ریت کو دوپہر میں عبور کرنا بڑے دل گردہ کی بات ہے۔

نفاق میں بعض اتنے آگے بڑھ گئے کہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنے سے یہ کہہ کر روکنے لگے کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو۔ اور ان میں سے بہت سے آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے لشکر کے ساتھ نہ جانے کی اجازت مانگی اور اس سلسلہ میں مختلف حیلے بہانے اور عذر پیش کئے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہاں منافقوں کی ایک جماعت لوگوں کو جنگ پر جانے سے روکنے پر تیار ہو رہی ہے اور اس غرض کے لئے انہوں نے سویلم نامی یہودی کے مکان کو منتخب کیا ہے، جہاں اکٹھا ہو کر یہ لوگ اپنے پروگرام بناتے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی تدبیریں سوچتے ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو بھیجا کہ اس یہودی کے گھر کو جلا دیا جائے۔ ان حضرات نے ایسا ہی کیا اور یہ لوگ آگ سے بچنے کے لئے وہاں سے بھاگ نکلے اور ان میں سے ایک شخص نے گھر کی چھت سے چھلانگ لگا دی جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس طرح سے یہ شخص اور یہ لوگ دوسرے منافقوں کے لئے عبرت کا سامان بن گئے۔

وہاں کی جماعتیں اور مختلف قبیلوں کے لوگ آ گئے اور تمام مجاہدین مدینہ منورہ کے باہر اکٹھے ہو گئے حضرت ابوبکر ان کے امیر تھے۔ جب

لشکر کی تیاری مکمل ہو گئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے انتظامات وغیرہ سے فارغ ہو گئے اور ان پر حضرت محمد بن مسلمہ کو مقرر فرما دیا اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کے لئے حضرت علی کو مقرر فرما دیا تو آپ خود شام کی جانب لشکر کی قیادت کے لئے تشریف لائے تاکہ رومیوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ جنگ کے لئے نکلنے والے مسلمان مجاہدوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔

واقعی یہ ایک بڑا لشکر تھا جس پر اگر مسلمان فخر کریں تو واقعی یہ لشکر اس لائق تھا۔ لشکر کی اتنی بڑی تعداد اس کے باوجود تھی کہ بہت سے حضرات پیچھے رہ گئے تھے، اور بہت سے منافقین نے ساتھ جانے سے معذرت کر دی تھی۔

یہ عظیم الشان ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر روانہ ہوا اور وہ ایسے صحرا کو چیرتا ہوا جا رہا تھا جس کے کنکروں سے قریب تھا کہ آگ نکلنے لگے، اور اس کی ریت سے شعلے بھڑکنے لگیں، لیکن مدینہ منورہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو گرمی سے بچنے کے لئے پیچھے رہ گئے تھے اور سایہ دار درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے پانی اور عمدہ و بہترین فضا سے لطف اندوز ہو رہے تھے، لیکن آپ بتلائیے کہ ان لوگوں کا شعور اس صورت میں کیا ہوگا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی گرمی اور دوپہر میں سفر کر

رہے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی اکثریت اس بات سے خوش تھی کہ وہ پیچھے رہ گئے، اور اپنے باغات کھیتوں اور گھروں میں موجود رہے۔ اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نہ نکلنے کا صدمہ اور اس پر ندامت تھی۔

حضرت خیثمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اپنے باغ میں گئے تو دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے وہاں اپنے اپنے چھپر کے نیچے پانی کا چھڑکاؤ کر رکھا ہے اور ان کی خاطر وہاں پانی ٹھنڈا کر کے رکھا ہے اور کھانا تیار کیا ہوا ہے جب انہوں نے ان عورتوں کی اس کارگزاری کو دیکھا تو کہا:

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دھوپ گرمی اور ہواؤں میں سفر کر رہے ہیں اور ابوخیثمہ ٹھنڈی چھاؤں تیار کھانے اور خوبصورت عورتوں اور اپنے مال و دولت کے پاس بیٹھا ہوا ہے یہ تو انصاف نہیں ہے تم دونوں میرے لئے زادِ راہ تیار کر دو تاکہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں۔

ان کی دونوں بیویوں نے ان کے لئے زادِ راہ تیار کیا اس کے بعد یہ اپنے اونٹ پر سوار ہو گئے اور نہایت تیزی سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ لشکر کے ساتھ مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ سے کسی کے

بارے میں دریافت کرتے اور وہ صحابہ جب پیچھے رہنے والوں میں سے ہوتے تو آپ فرمانے لگتے، اگر ان میں خیر ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ساتھ ملا دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کے بعد حضرت ابوخیثمہ کے علاوہ اور بھی کئی ایک پیچھے سے جا کر آپ کے لشکر میں شریک ہو گئے جن میں حضرت ابوذر غفاری بھی تھے جو کاہلی سستی یا نفاق کی وجہ سے پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ ان کے پیچھے رہنے کا سبب یہ تھا کہ ان کا اونٹ چلنے سے عاجز آ گیا تھا جس کی وجہ سے یہ اونٹ سے اتر کر لشکر کے تعاقب میں پیدل چل پڑے تھے اور وہ مسافت انہوں نے پیدل چل کر قطع کی تھی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو آتے دیکھا تو اس وقت آپ کا لشکر ایک منزل پر ٹھہرا ہوا تھا۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر آپ نے فرمایا خوش آمدید اے ابوذر! تم کس وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے؟ حضرت ابوذر نے واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوذر میرے اہل و عیال میں سے تمہارا پیچھے رہ جانا مجھ پر سب سے زیادہ شاق تھا اے ابوذر، اللہ تعالیٰ نے مجھ تک پہنچنے تک تمہارے ہر قدم کے بدلہ میں ایک گناہ معاف کر دیا۔

تنگی و عسرت کا یہ لشکر جیش العسرہ، اس کو تنگی کا لشکر اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کی تیاری میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی اور اس کو مسلح کرنے میں بہت

تنگی برداشت کرنا پڑی تھی) یہاں تک کہ مقام حجر تک پہنچ گیا جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کے مکانات کے نشانات تھے جو کہ چٹانوں میں بنائے گئے تھے، یہ وہ قوم تھی جس نے اپنے نبی کی نافرمانی کی تھی تو اللہ تعالےٰ نے ان پر بجلی گرادی اور ان کو ہلاک کر دیا۔

وہاں موجود کنوئیں پر لوگ اتر گئے اور غسل کرنے اور اپنے اونٹوں کو سیراب کرنے لگے اور کھانا پکانے اور آٹا گوندھنے کی تیاری شروع کر دی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، اس کنوئیں کا پانی مت پیو نہ اس سے نماز کے لئے وضو کرو اور جو آٹا اس پانی سے گوندھا ہے وہ اس کو اونٹوں کو کھلا دو اس پانی سے تیار کی ہوئی کوئی چیز استعمال نہ کرو۔

لہذا لوگوں نے اس کنوئیں کے پانی سے وضو کرنے سے احتراز کیا اور جو برتن اس پانی سے بھرے تھے وہ خالی کر لئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا، رات کو تم میں سے کوئی نہ نکلے اپنے ساتھ کسی ساتھی کو لے کر نکلے۔

لشکر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورہ پر عمل کیا اور وہ آفات سے محفوظ رہے لیکن دو آدمیوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان میں سے ایک آدمی اپنی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے باہر نکلا تو اسے آندھی نے راستے میں دفن کر دیا اور دوسرے آدمی کا اونٹ گم ہو گیا تھا وہ

اس کی تلاش میں نکلا تھا کہ ہوائیں اسے اڑا کر لے گئیں۔

صبح ہوئی اور لشکر کوچ کر گیا۔ لوگوں کو پینے اور ضرورت کے پورا کرنے کے لئے پانی کی ضرورت تھی لیکن پانی موجود نہ تھا، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ سے ہمارے لئے دعا فرما دیجئے۔

اللہ ان پر بہت مہربان تھا، چنانچہ ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ بادل ان کے اوپر جمع ہو رہا ہے اور پھر خوب موسلا دھار بارش برسی جس کی وجہ سے زمین تالاب بن گئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے خود بھی سیراب ہو کر پانی پیا اور اپنی ضروریات بھی پوری کر لیں اور اپنے پاس موجود برتن بھر لئے اور خوشی خوشی ایک دوسرے سے کہنے لگے یہ اللہ کا معجزہ ہے جو اللہ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔

لشکر میں موجود منافقوں (جو لشکر کے ساتھ منافقت اور مال غنیمت حاصل کرنے کی غرض سے آئے تھے) میں سے ایک منافق نے کہا، یہ تو گرم بادل ہے۔

لشکر میں جو منافق موجود تھے انہوں نے اپنی ریاکاری اور منافقت کو نہ چھوڑا، اور لوگوں کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش سے باز نہ آئے، اور ان کی ہمتوں کو پست کرنے اور ان کی باطنی روح کو کمزور کرنے کے لئے ان

سے کہتے: کیا تم بنو الاصفر یعنی رومیوں کے بہادروں سے جنگ کو ایسی جنگ سمجھتے ہو جیسے عرب کی ایک دوسرے سے جنگ ہوتی ہے، اللہ ہمیں تو یہ نظر آرہا ہے کہ کل آپ لوگ رسیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

مومنوں اور منافقوں کے درمیان جھگڑا سخت ہو گیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دور بیٹھے تھے جہاں تک ان کی باتوں کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی، اچانک آپ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اے عمار! ان لوگوں کو پکڑ لو اس لئے کہ انہوں نے گناہ کی بات کہی ہے۔

حضرت عمار ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر جو وحی نازل فرمائی تھی اس کا تذکرہ کیا، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معذرت کرتے یہ کہتے ہوئے آئے: اے اللہ کے رسول ہم تو یونہی باتیں اور مذاق کر رہے تھے۔

منافقین کی طرف سے ایک اور قصہ یہ بھی پیش آیا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی، اور مسلمانوں کی ایک جماعت سے تلاش کرنے نکلی لیکن وہ نہ ملی، تو عمارہ بن حزم کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص زید بن اللصیت نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ تمہیں آسمان کے احکامات پہنچاتے ہیں

حالانکہ ان کو اپنی اونٹنی کا علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جن میں حضرت عمارہ بن حزم بھی بیٹھے تھے چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا: ایک شخص نے فلاں فلاں بات کہی ہے اور زید نے اونٹنی کے بارے میں جو بات کہی تھی آپ نے وہ ذکر کر دی، اور بخدا مجھے تو کسی بات کا علم ہوتا ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ بتلاتے ہیں اور یہ بات مجھے اللہ ہی نے بتلائی ہے، پھر آپ نے ان کو وہ جگہ بتلا دی جہاں اونٹنی موجود تھی۔ یہ حضرت وہاں گئے اور اونٹنی وہاں مل گئی اور یہ اس کو لے کر آ گئے۔

حضرت عمارہ بن حزم اپنے کجاوے کے پاس گئے اور جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ اور اللہ نے آپ کو اونٹنی کی جگہ کے بارے میں جو بتلایا تھا اس کا تذکرہ کیا تو سامعین میں سے ایک صاحب نے کہا: بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بتلایا ہے وہ بات زید ہی نے کہی تھی۔

چنانچہ حضرت عمارہ زید کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو اس کی گردن پر مکے برسانے لگے اور یہ فرمانے لگے: اے اللہ کے بندو میرے پاس آجاؤ، عجیب بات ہے کہ میرے کجاوے میں ایک شیطان موجود ہے اور مجھے اس کا علم بھی نہیں ہے، اے اللہ کے دشمن تو میرے کجاوے

سے نکل جاؤ تو میرے ساتھ نہیں چل سکتا۔

اور مسلمانوں کا لشکر جزیرہ عرب اور شام کی سرحد پہ واقع تبوک
نامی جگہ پر پہنچ گیا جو رومیوں کے ماتحت تھا، وہاں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا
کہ رومی شہر کے اندر اپنے قلعوں میں بند اور محفوظ ہو گئے ہیں اور ان
سے آمنے سامنے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جمع کیا تاکہ ان سے مشورہ کریں
کہ آگے بڑھنا اور شام کے ان شہروں میں داخل ہونا چاہیے جہاں رومیوں نے مسلمانوں
سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو قلعہ بند کیا ہوا ہے یا نہیں۔ تو حضرت عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو آگے
چلنے کا حکم دیا گیا ہے تو چلئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے چلنے کا حکم
مل جاتا تو میں تم سے اس بارے میں مشورہ ہی نہ کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپس میں اس بارے میں مشورہ
اور بحث و مباحثہ کیا اور یہ طے کیا کہ لشکر روم کے شہروں میں داخل نہ ہو اور مزید
آگے نہ بڑھے اور اس غزوہ میں رومیوں پر مسلمانوں کا اتنا ڈر اور خوف پیدا ہو
جانا اور ان کا اتنا مرعوب ہونا ہی کافی ہے کہ وہ شہر کے اندر قلعوں میں بند ہونے
پر مجبور ہو گئے، اور یہ بات اتنا ہی کافی ہے کہ رومیوں اور دوسرے ممالک اور
ان سے متصل قبیلے والوں نے یہ جان لیا کہ مسلمانوں کو کتنی عظمت اور کتنی طاقت و

قوت حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیس دن تک اس عظیم الشان لشکر کو سرحد پر
لئے ٹھہرے رہے اور کئی دن گزر گئے لیکن وہاں اس قسم کا کوئی اشارہ نہ مل سکا
جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو آپ سے جنگ کرنے یا آپ
سے تعرض کرے گا، تو کیا اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ عرب
کی سرحد کے بارے مطمئن و بے خطر تھے اور آپ کو اس پر رومیوں کی چڑھائی کا
کوئی خطرہ نہیں تھا؟!

جی نہیں، بات یہ نہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری صورتحال
پر اعتماد نہیں کیا کہ رومی آپ سے ڈر گئے ہیں، اور مسلمانوں کو کچھ سمجھنے لگے ہیں،
بلکہ آپ نے سرحدوں کی حفاظت کو اپنے سامنے رکھا، اور اس کی خاطر آپ نے
ان سرحدوں کے اطراف میں واقع ملکوں اور حکومتوں سے معاہدے کئے۔

چنانچہ آپ نے ایلہ کے حاکم یوحنا بن رؤبہ جو کہ عیسائی تھا، کے پاس
یہ پیغام بھیجا کہ یا تو وہ مسلمانوں کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور یا جنگ
کے لئے تیار ہو جاؤ، چنانچہ یوحنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
اس حالت میں آیا کہ اس کے سینہ پر سونے کی صلیب لگی ہوئی تھی اور اس نے
اپنی فرمانبرداری و اطاعت کا اعلان کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر
جزیہ مقرر کر دیا جس کی مقدار تین سو دینار تھی اور آپ نے اسے عہد نامہ لکھ کر

دے دیا جس میں آپ نے اہل ایلہ اور بدو بحر میں جو ان کے ساتھ تھے ان کے
لئے امان دینے کا اعلان تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا عہد نامہ اور امان اہل جرباء
اور اہل اذرح کو بھی دیا تھا اور ان کے لئے جتنا جزیہ مناسب سمجھا وہ ان
پر مقرر فرما دیا۔

دومہ کے عیسائی امیر و حاکم اکیدر بن عبدالملک کندی کی جانب سے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مطمئن تھے۔ چنانچہ اس سے جنگ کرنے کے لئے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کے ساتھ پانچ سو شہسواروں
کی ایک جماعت بھیجی اور اسے یہ وصیت کی کہ وہ اس سے فارغ ہونے کے
بعد مدینہ میں مسلمانوں کے لشکر سے مل جائیں۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبوک میں لشکر کے ٹھہرنے
کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی اس لئے کہ لشکر نہایت بڑا تھا جس کے لئے غذا اور
دیگر ضروریات کی حاجت تھی اور وہاں کی مسافت بہت طویل اور پرمشقت
تھی جس کے لئے ان کے پاس موجودہ زاد راہ اور کھانے پینے کی چیزیں بمشکل
کافی ہوں۔

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا حکم دے دیا اور لشکر
نے اپنے ہتھیار کس لئے اور مدینہ کی جانب واپس ہو لیا اور بہت سے صحابہ کرام

اس نکلنے میں جو ان کو خصوصیات اور فوائد اور معنوی منافع حاصل ہونے ان
پر یقین رکھتے تھے اور بہت سے لشکر کے ساتھی ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے
سے یہ پوچھ رہے تھے کہ:

اس سخت ترین گرمی میں اپنی کھیتی باڑی کو جو کٹنے اور باغات جن کے
پھل توڑے جانے کے قریب تھے نہیں تم کیوں چھوڑ کر نکلے تھے اور اب بغیر
کسی فائدہ اور مال غنیمت حاصل کئے بلا جنگ کئے واپس کیوں ہو رہے ہیں؟

منافقوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں بنانے اور
اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک
جماعت آپ کے کسی حکم کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی اور بعض تو اتنے آگے بڑھ
گئے کہ وہ یہ سوچنے لگے کہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے پر قادر ہیں۔

جیش عسرت کی واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی طرف
سے اس قسم کی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ کے لئے یہ کوئی مشکل بات
نہ تھی کہ آپ منافقوں کی در پردہ سازشوں پر قابو پا لیں اور نہ آپ کے لئے
یہ کوئی مسئلہ تھا کہ آپ اس کی تلافی کر لیں اور ان کی سازش دبا کر ختم کر
ڈالیں اور یہ کہ ان مفسد منافقوں پر کاری ضرب لگائیں۔

منافقوں پر سختی سے گرفت اور ان کو تنبیہ و زجر اور ان کے ساتھ کسی
قسم کی نرمی نہ برتنے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عملی قدم اٹھایا

وہ یہ تھا کہ منافقوں کی ایک جماعت نے مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر ذی اوان نامی جگہ پر ایک مسجد بنائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے نکلنے اور تبوک جانے سے قبل وہ آپ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ آپ اس میں نماز پڑھ کر اس کا افتتاح فرما دیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔

ہم نے بیماروں اور حاجت مندوں اور بارش اور ٹھنڈی رات کی وجہ سے ایک مسجد بنائی ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ وہاں تشریف لے آئیں اور نماز پڑھ دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپسی تک منتظر رہنے کو کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لے آئے اور آپ کو یہ صاف معلوم ہو گیا کہ یہ مسجد صرف اس غرض سے بنائی گئی ہے تاکہ منافق وہاں جمع ہوں اور اللہ کے کلام میں تحریف و تبدیلی اور مومنوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کر سکیں تو آپ نے واپس آتے ہی اس مسجد کو ڈھانے اور جلانے کے لئے کچھ حضرات بھیج دئیے۔

ان منافقین کی سرکوبی کے سلسلے میں یہ ایک بہت شدید ضرب تھی جو آپ نے ان کو سزا دینے کے لئے لگائی تھی اور ان کی نخوت اور بدمعاشی کا [illegible] ثابت ہو کر وہ ڈر گئے اور گھبرا گئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ واپس پہنچے تھے تو آپ ان لوگوں کا سامنا بھی کرنا چاہتے تھے جو بغیر کسی عذر و معقول وجہ کے آپ کے

ساتھ جہاد کے لئے نہیں گئے تھے پیچھے رہ جانے والے لوگ آپ کے پاس آ کر جھوٹی عذر خواہی کرنے لگے اور ایسے عذر پیش کرنے لگے جو ان کے نہ جانے کا معقول عذر بن سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیش کئے ہوئے عذر قبول فرما لئے اور ان سے درگزر کر لیا اور ان سے ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کے سلسلے میں کوئی بحث نہ کی۔ درحقیقت ان کا معاملہ اور باطن کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

پیچھے رہ جانے والے حضرات میں سے تین حضرات، کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ وہ پیچھے رہ گئے تھے اور انہوں نے اس سلسلے میں کوئی عذر پیش نہیں کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ان سے اعراض کریں، وہ پچاس روز تک نہ ان سے بات چیت کریں، اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ کریں۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خوشخبری کا یہ پیغام آیا کہ خالد بن ولید اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور وہ بغیر کسی قابل ذکر جنگ اور مسلمانوں کے شہسواروں کو مشقت و تکلیف میں ڈالے بغیر دومہ کے حاکم اکیدر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

ہوا یہ تھا کہ حضرت خالد کی اس سے مڈبھیڑ اس طرح ہوئی کہ حضرت

خالد بن ولید دومہ میں ایسی رات کو پہنچے جس میں چاندنی پھیلی ہوئی تھی تو انہوں نے اکیدر کو دیکھا کہ وہ اپنے محل کے باہر اپنے بھائی حسان اور اپنے خصوصی ساتھیوں کے ساتھ نیل گائے کا شکار کر رہا ہے۔ حضرت خالد نے اپنے شہسواروں کے ذریعہ ان پر اچانک حملہ کر دیا اور اکیدر اور اس کے کچھ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور پھر حضرت خالد نے اکیدر سے یہ بات چیت کی کہ یا تو اس کے شہر کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے جائیں یا یہ کہ پہلے اسے قتل کر دیا جائے اور پھر اس کے شہر پر حملہ کر دیا جائے۔

اکیدر اور حضرت خالد کے درمیان اس بات پر صلح ہو گئی کہ اس کے شہر کے دروازے کھول دئے جائیں اور حضرت خالد کو دو ہزار اونٹ آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے دئے جائیں اور اکیدر حضرت خالد کے ساتھ مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے گا اور پھر کوئی فیصلہ کرے گا۔

اکیدر نے اپنے شہر والوں کو شہر کا دروازہ کھولنے کی بات پیغام بھیجا تاکہ اس کی جان بچ جائے، چنانچہ ان لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ حضرت خالد وہاں تشریف لے گئے اور ان کے اور اس شہر کے حاکم کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کے مطابق ساز و سامان لے لیا۔

حضرت خالد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سنانے کے لئے آدمی

بھیج دئے، اور پھر پیچھے پیچھے خود بھی اپنے ساتھ قیدی اور اس ساز و سامان کو لئے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر دیا تھا ——— مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام ——— کو دیکھ کر اہل مدینہ بہت خوش ہوئے اور دومہ کے حاکم کے جسم پر ریشمین سونے کا کام کیا ہوا لباس نہایت تعجب سے دیکھ کر حسرت سے مزے لینے لگے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر سے اس بات پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ دیا کرے گا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔

حضرت خالد جو مال غنیمت لائے تھے وہ مال مسلمانوں کے لئے اس مال کے قائم مقام ہو گیا جو مسلمانوں کو غزوہ تبوک میں حاصل ہونے کی توقع تھی، اور اس واقعہ سے منافقوں کو یہ عبرت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اپنی زبانوں کو لگام لگا دی، اور اپنی حدود پر قائم رہنے لگے۔

اس کے بعد جلد ہی منافقوں کی طاقت پگھل سی گئی اور ان کی قوت اس ستون کے گرنے سے پارہ پارہ ہو گئی جو انہیں قوت بہم پہنچاتا تھا اور سہارا دیا کرتا تھا، اور وہ ستون ان کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا۔ عبد اللہ بن ابی کی سازشوں اور منافقت کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کی تدفین مکمل ہونے تک آپ وہیں کھڑے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے جب عبد اللہ بن ابی کی منافقت

اور آپ اور مسلمانوں کے حالات مختلف مواقع پر اس کی سازشوں کے علم کے بعد بھی اس پر نماز جنازہ کے سلسلہ میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ	آپ ان کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں
إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ	اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش
مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ	مانگیں تب بھی خدا ان کو معاف نہیں کرے گا۔

(التوبہ - ۸۰)

اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں اس کے لئے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے بیٹے سے جو نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے اور اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

پیچھے رہ جانے والے ان تین حضرات سے بات چیت اور معاملات کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا باوجود اپنی وسعتوں کے ان پر زمین تنگ ہو گئی اور ان میں سے دو حضرات اپنے گھروں میں بند ہو گئے اور گھر سے باہر نہ نکلتے تھے نہ کسی کے سامنے آتے تھے اور وہ دونوں مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔

تیسرے صاحب کعب بن مالک تھے جو گھر سے نکل کر بازار جاتے تھے لیکن ان سے کوئی بھی بات نہ کرتا تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو آپ ان سے منہ پھیر لیتے تھے جب ان پر دنیا مکمل طور سے تنگ ہو گئی اور تمام راستے مسدود ہو گئے تو انہوں نے اپنے لئے سلع پہاڑ کے اوپر ایک خیمہ لگا لیا اور اکثر اوقات اسی میں گذارتے تھے۔

ان تینوں حضرات پر جب پچاس دن اسی حالت میں گذر چکے کہ وہ دوسروں سے الگ تھلگ آنسو بہاتے رہتے حتیٰ کہ یہ نوبت بھی آگئی کہ زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں خراب ہونے کے قریب ہو گئیں یہ تینوں مایوسی اور افسوس کی حالت میں تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس خوشخبری سنانے والے نے آکر خوشخبری سنائی۔

حضرت کعب کو جب خوشخبری سنانے والا خوشخبری دینے آیا تو وہ اس وقت سلع پہاڑ کی چوٹی پر تھے۔ چنانچہ انہوں نے فوری اپنے اوپر کے کپڑے اس خوشخبری سنانے والے کو دے دئیے اور پھر جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ کر مسجد گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی سے بھرپور روشن دمکتے چہرے سے ان سے یہ کہتے ہوئے ملاقات کی۔

تمہیں وہ سب سے زیادہ بہترین دن مبارک ہو جو تم پر پیدا ہونے کے بعد سے اب تک آیا ہے۔ حضرت کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

اے اللہ کے رسول کیا یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں یہ معافی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو معاف فرما دیا، اور ان کو بھی جو سختی کے وقت پھسلنے اور گمراہی کے قریب پہنچ چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ اس طرح قبول فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل فرمائیں:

(لَقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ	اللہ مہربان ہو نبی پر اور مہاجرین اور انصار
وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ	پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں
اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن	بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں
بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ	کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بے شک
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ	وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا اور ان
رَّحِيمٌ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا	تینوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا یہاں تک
حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا	کہ جب ان پر زمین تنگ ہو گئی باوجود کشادہ
رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ	ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی
وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ	جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ	مگر اسی کی طرف، پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں
هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ) (التوبہ ۱۱۷ و ۱۱۸)	بے شک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

(۲۴)

کمال و تکمیل

(يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا	یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان
قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم	ہو گئے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے مسلمان
بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ	ہونے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ
هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ	کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان
صَادِقِينَ)	کی ہدایت دی بشرطیکہ تم دعوائے ایمان
(الحجرات - ۱۷)	میں سچے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان وفود اور جماعتوں کے بارے میں جو ان کے پاس آکر اسلام لا رہے تھے اور خود بخود مومن بن رہے تھے وہ لوگ جن کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے کسی کو نہیں بھیجا تھا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات نازل فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ آیت بھی تھی اور یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوئی تھی جب مسلمانوں کو جزیرۂ عربیہ میں ایسی قوت و عظمت حاصل ہو گئی تھی جسے دیکھ کر بعض قبائل یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ ان کی بقا در

زندگی کا دارومدار اللہ کے دین کی پیروی اور مسلمانوں کے ساتھ مل جانے میں ہے۔

اور بعض قبیلہ والے یہ سمجھتے تھے کہ دعوتِ اسلام کے پہنچے بغیر اسلام قبول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا خود بخود جانا یہ ان کا آپ پر کوئی احسان ہے اور اس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم آپ کے پاس خود بخود اپنے طور پر بغیر آپ کے دعوت دئیے اور بلائے آگئے ہیں جو ہمارا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی تاکہ یہ ان لوگوں کا جواب بن جائے جو آپ پر اپنے ایمان لانے کا احسان جتلاتے ہیں اور ان سے کہہ دیا جائے کہ:

لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ (الحجرات - ۱۷)	مجھ پر اپنے مسلمان ہو جانے کا احسان نہ رکھو، البتہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم دعوائے ایمان میں سچے ہو۔

جو وفود آپ کے پاس آکر اسلام قبول کر رہے تھے اگرچہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کسی منفعت و غرض کی خاطر یا کسی حاجت کے سلسلہ میں آئے تھے لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اللہ اور اس کے رسول پر سچے دل اور صحیح صورت ایمان لائے تھے اور ان کے اسلام قبول کرنے میں نہ کسی قسم

کی ریاکاری تھی نہ منافقت و احسان جتلانا۔

قبیلہ ثقیف کے سرداروں میں سے ایک سردار عروہ بن مسعود ثقفی بھی تھے جو طائف میں اس وقت موجود نہ تھے جب آپ نے اس کا محاصرہ کیا تھا چنانچہ جب یہ واپس آئے اور ان کو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تھا اور پھر آپ طائف سے اس خیال سے چلے گئے کہ کسی اور موقعہ پہ فتح کر لیا جائے گا تو عروہ فوری طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ گئے، اور اسلام قبول کیا اور یہ درخواست کی کہ انہیں ان کی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیج دیا جائے تاکہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دے سکیں اور اللہ پر ایمان لانے کو ان کے لئے محبوب بنانے کی کوشش کر سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ ثقیف والے اپنے دین کے سلسلہ میں نہایت سخت اور متعصب اور بتوں کے گرویدہ ہیں اس لئے آپ نے ان سے کہا: اے عروہ وہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔ حضرت عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول وہ مجھے اپنی اولاد اور اپنی جانوں سے زیادہ چاہتے ہیں۔

حضرت عروہ طائف کے لئے روانہ ہو گئے اور رات میں وہاں پہنچے اور سیدھے اپنے گھر کا رخ کیا اور لات نامی اپنے اس بت کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ کی جس کی وہ لوگ پوجا اور تعظیم کیا کرتے تھے اور اس کے ارد گرد طواف کرتے تھے

ثقیف والوں نے جب یہ دیکھا تو بہت تعجب کیا اور عروہ کی اس حرکت کو بہت برا سمجھا اور اس کا سبب دریافت کرنے کے لئے ان کے پاس گئے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور ان کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دے دی تو وہ لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے اور مذہب اور عقیدہ بدلنے پر ان کو الزامات لگانے لگے اور ان کے پاس سے رخصت ہو کر آپس میں اس خطرناک صورت حال اور نازک مسئلہ پر باہمی مشورہ کرنے لگے اور اس کے سدباب کے لئے تدبیر سوچنے لگے۔

صبح ہوئی تو حضرت عروہ نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے اسلام کی حقانیت اور اپنے آبائی دین و مذہب کے باطل ہونے کو ضرور بیان کریں گے، چنانچہ وہ اپنے گھر کے ایک اونچے حصے پر کھڑے ہو گئے اور قوم کو پکارا اور ان کو نماز اور صرف اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔

حضرت عروہ کی وہ قوم جو اپنے مذہب اور اپنے عقیدہ پر پختگی سے عمل پیرا ہونے اور قائم رہنے اور اس کی طرف سے مدافعت میں مصروف تھی وہ باوجود عروہ کی حیثیت و منزلت کے پہچاننے اور شان قدر دانی کے وہ نہ ان کی یہ بات سن سکی اور نہ اس پر سکوت و خاموشی اختیار کر سکی اور وہ لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے اور ان کو تکلیف دینے لگے اور ان میں سے ایک شخص نے ان کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا جو ٹھیک نشانے پر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔

اور اس طرح سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ہاتھوں اس حالت میں شہید ہوئے کہ وہ اسلام کی دعوت دے رہے تھے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیشگی متنبہ کر دیا تھا، ان کی روح ان کے جسم سے اس حالت میں پرواز کر گئی کہ ان کا نفس مطمئن اور قلب و دل راضی تھا اور وہ اپنے ارد گرد موجود اپنی قوم اور اہل و عیال سے یہ کہہ رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی عزت کی دولت عطا فرمائی ہے اور مجھے شہادت کا درجہ گھر بیٹھے دے دیا اور مجھے بھی وہی درجہ ملے گا جو ان شہداء کو نصیب ہوا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمہارے پاس سے روانہ ہونے سے قبل شہادت پا گئے۔ پھر عروہ نے یہ وصیت کی کہ ان کو بھی ان شہداء کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے چنانچہ ان کے اہل و عیال نے انہیں ان شہداء کے ساتھ دفن کر دیا۔

کیا عروہ کے اس طرح قتل کرنے میں کوئی ایسی خاص بات یا کامیابی تھی جس نے ثقیف والوں سے اسلام کے اس اثر کو ختم کر دیا ہو جس سے وہ ڈر رہے تھے اور خوف زدہ تھے اور کیا اس قتل کے ذریعہ سے ان ثقیف والوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو اپنے سے دور کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کے سرداروں میں سے ایک سردار قتل کئے گئے تھے؟!

ہرگز نہیں، ایسا ہرگز نہ ہوا اس لئے کہ ابو ملیح بن عروہ اور ان کے

چنانچہ ابو جانی قارب بن الاسود کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے، اور پھر چند مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ ثقیف والوں نے اپنے آپ کو ہر طرف سے اسلام میں گھرا ہوا پایا، اس لئے کہ ادھر ادھر کے قبیلے اسلام قبول کر چکے تھے اور چاروں طرف کے مسلمان مشرکین ثقیف سے جنگ کرنے کے منتظر تھے اور ہر طرف ایسے لوگ موجود تھے جو ان ثقیف والوں کا راستہ روک لیا کرتے تھے اور ان کے قافلوں کے رستہ میں آڑے آ جاتے تھے اس وجہ سے ثقیف والے نہ اپنی جانوں کو محفوظ پاتے تھے نہ اپنے مال و دولت کو۔

ثقیف والوں نے اس موضوع پر غور و فکر کیا اور یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں بات چیت کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے آدمی میں سے عبد یالیل کو بھیجا جائے، عبد یالیل کو اپنی جان کا خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا بھی وہی حشر ہو جو حضرت عروہ کا اپنی قوم کے پاس واپس ہونے پر ہوا تھا، اس لئے انہوں نے ثقیف کا نمائندہ بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے انکار کر دیا مگر اس صورت میں جانے پر تیار ہوئے کہ ان کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی بھیجے جائیں تاکہ ان میں سے ہر شخص واپسی پر اپنی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے معاہدہ کے سلسلہ میں مطمئن کر سکے۔

عبد یالیل پانچ آدمیوں کے ہمراہ مدینہ کے ارادہ سے روانہ ہو گئے۔

مدینہ منورہ کے قریب ان لوگوں کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور وہ سمجھ گئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کی طرف سے قاصد اور پیغامبر بن کر آ رہے ہیں اور ان کی قوم نے انہیں اس لئے بھیجا ہے تاکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کے سلسلہ میں بات چیت کریں اور یہ لوگ آپ کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کریں۔

لہٰذا حضرت مغیرہ جلدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تاکہ آپ کو یہ خوش کن خبر دے سکیں۔ راستہ میں حضرت مغیرہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مل گئے، اور انہوں نے ان کی اس جلد بازی کا مشاہدہ کیا تو بات معلوم کی اور جلدی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے ثقیف والوں کے وفد کی آمد کی اطلاع ان کو دی، یہ سن کر حضرت ابو بکر اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت مغیرہ سے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جاؤ تاکہ یہ خوشخبری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے سکوں۔

اور حضرت ابو بکر جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو ثقیف کے وفد کے آنے کی اطلاع دی اور حضرت مغیرہ ثقیف والوں کے پاس چلے گئے اور ان کو یہ بتلایا کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں تو اسلام کے مطابق کس طرح سلام کریں۔

وفد ثقیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

اس کے باوجود کہ حضرت مغیرہ ان کو اسلام کے مطابق سلام کرنے کا طریقہ بتلا چکے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانۂ جاہلیت کی عادت کے مطابق سلام کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ مسجد کے ایک کنارے پر ان کے لئے خیمے لگا دیئے جائیں اور ان کے اور آپ کے درمیان واسطہ کا کام خالد بن سعید بن عاص انجام دیں گے۔

ثقیف کے یہ قاصد ان خیموں میں ٹھہر گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تو یہ لوگ آپ کی آواز غور سے سنتے اور جب مسلمان اپنی نماز پڑھتے اور تجوید سے قرآن کریم تلاوت کرتے اور اللہ کی بڑائی و عظمت بیان کرتے تو یہ لوگ اسے سنتے تھے۔ خالد بن سعید ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطے کے فرائض بجا لا رہے تھے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا پیش کیا ہوا معاہدہ نامہ لاتے، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جو جواب لکھواتے تھے وہ اس کو لے کر ان کے پاس چلے جاتے تھے۔

عبد یالیل اور اس کے ساتھیوں نے آپ کے ساتھ صلح اور اپنی قوم کے اسلام لانے کے لئے جو شرائط پیش کی تھیں ان میں یہ بھی تھا کہ تین سال تک ان کے لات نامی بت کو نہ توڑا جائے اور یہ کہ انہیں نماز کی چھوٹ

دے دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قطعی طور سے رد کر کے اس بات کے ماننے سے بالکل انکار کر دیا۔

ثقیف کے قاصدوں نے دوبارہ یہ درخواست کی کہ ان کے بت لات کو دو سال تک کے لئے چھوڑ دیا جائے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹھکرا دیا۔ انہوں نے پھر ایک سال کی مدت کی درخواست کی آپ نے اسے بھی نامنظور فرمایا۔ انہوں نے ایک ماہ کی مدت مانگی تو آپ نے اسے بھی سختی سے انکار فرما دیا۔

ان لوگوں نے پھر یہ درخواست کی کہ انہیں نماز سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور نماز معاف کر دی جائے تو آپ نے فرمایا۔ جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قطعی فیصلہ اور سختی سے انکار کو دیکھتے ہوئے اور آپ کے اس عزم مصمم کو سامنے رکھتے ہوئے ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ انہیں اپنے مطالبے سے دستبردار ہو کر وہ سب کچھ قبول کرنا پڑے گا جو تمام مسلمانوں پر لازم ہے لیکن پھر بھی انہوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ ان کو ان کے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنے سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ ٹھیک ہے ہم تم کو یہ سہولت دے دیتے ہیں کہ تم اپنے بت خود اپنے ہاتھ سے نہ توڑو۔

خیمہ میں اور ان کے ساتھی مسلمان سمجھ گئے اور یہ واقعہ رمضان کا ہے۔

چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ باقی ماندہ روزے بھی رکھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کی افطاری اور سحری کا سامان ان کو پہنچایا کرتے تھے اور وہ لوگ اب نہایت اطمینان سے مسلمانوں کا کھانا کھانے لگے تھے لیکن اس سے پہلے ان کے پاس جو کھانا بھجوایا جاتا تھا تو وہ اسے اس وقت تک نہ کھاتے تھے جب تک حضرت خالد اس کھانے سے نہ کھا لیں اس خوف سے کہ کہیں مسلمانوں نے اس کھانے میں زہر وغیرہ نہ ملا دیا ہو۔

جب ان ثقیف والوں کے واپس جانے کا وقت قریب آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور ثقیف کے درمیان صلح نامہ لکھ کر ان کو دے دیا اور ایک نوعمر صحابی حضرت عثمان بن عاص کو ان کا امیر بنا دیا جو باوجود نوعمری کے قرآن کریم کے سیکھنے کے بہت حریص اور دین کی سوجھ بوجھ میں نہایت بڑا اہتمام رکھتے تھے۔

ثقیف کے ان افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا جن کی ثقیف والوں سے رشتہ داری تھی اور وہاں ان کے رشتہ دار اور متعلقین رہا کرتے تھے تاکہ بجائے ثقیف والوں کے یہ دونوں لات نامی بت کو توڑ ڈالیں۔

جب یہ لوگ اور ان کے ساتھی طائف پہنچے اور قوم کے سامنے وہ صلح نامہ

پیش کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہوا تھا، تو حضرت ابوسفیان و حضرت مغیرہ لات کو توڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ حضرت مغیرہ نے اس بت کو توڑنے کے لئے کدال اپنے ہاتھ میں پکڑا اور اس کو توڑنے لگے ثقیف کی عورتیں یہ دیکھ کر رونے پیٹنے لگیں، اور مرد حسرت و افسوس سے اس منظر کو دیکھتے رہے لیکن ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ حضرت مغیرہ کو اپنے معبود و خدا بت کو توڑنے سے روک سکیں۔

اور اس طرح سے حجاز کا وہ آخری بت بھی توڑ دیا گیا جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی، اور بہت ضد عناد کے بعد بالآخر طائف والے بھی مسلمان ہو گئے جس سے اسلام کو ایک بڑی فتح نصیب ہوئی۔

وفود اور جماعتیں خوشی خوشی مسلمان ہونے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل آتی رہیں جن میں سے بعض شروع شروع میں اس لئے مسلمان ہو رہے تھے کہ انہیں اسلام کی قوت و سطوت اور دبدبہ کا ڈر تھا اور بعض ایسے تھے جو صرف اور صرف اسلام و ایمان کی خاطر آپ کے پاس آکر مسلمان ہو رہے تھے۔

اس تیز و تند سیلاب کے دوران جو قریب تھا کہ تمام جزیرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے حج کا موسم آگیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو مسلمانوں کے ساتھ حج کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین

سو حجاج کرام کو لے کر بیت اللہ کے ارادے سے مکہ مکرمہ کی جانب چل پڑے اور اسی طرح مشرکوں کی کچھ جماعتیں اپنے قبیلوں اور گھروں سے بیت اللہ کے ارادہ سے روانہ ہو گئیں۔

بھلا اب آپ ہی بتلائیے کہ وہ بیت اللہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں سے پاک کر دیا تھا کیا وہ اب بھی بت پرست مشرکوں کے لئے عبادت گاہ بن سکتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مشرکوں کے درمیان پہلے سے یہ معاہدہ تھا کہ جو بھی بیت اللہ کے ارادے سے آئے گا اس کو روکا نہیں جائے گا اور شہر حرام میں کسی کو بھی کسی سے کوئی خوف و خطرہ نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ براءۃ نازل فرمائی جس میں اس بات کا بیان تھا کہ اس سال کے بعد مشرکوں سے کوئی معاہدہ باقی نہیں رہے گا سوائے اس معاہدہ کے جو ان سے ایک وقت مقرر تک کا کیا گیا ہو تو وہ معاہدہ اس وقت تک کے لئے برقرار رہے گا جب تک اس کا وقت گذر نہ جائے۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضرت ابوبکر مکہ مکرمہ کے لئے جا چکے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حضرت ابوبکر کے پیچھے پیچھے مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ عرفات کے میدان میں جب سب لوگ اکٹھا ہوں تو وہ لوگوں کو وہ آیات پڑھ کر سنا دیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل فرمائی تھیں جب حضرت علی حضرت ابوبکر سے ملے تو حضرت ابوبکر نے حضرت علی سے پوچھا۔ آپ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور بنا کر؟ تو حضرت علی نے فرمایا۔ نہیں بلکہ مامور و محکوم بنا کر صرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کے سامنے ان آیات کو پڑھ کر سنا دوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں۔

لوگ جب منیٰ میں مناسک حج ادا کرنے کے لئے جمع ہو گئے تو حضرت علی نے کھڑے ہو کر سورت براءۃ کی وہ آیات سنا دیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی تھیں جن میں مشرکین سے کئے گئے تمام معاہدے ختم کر دئیے گئے تھے سوائے ان معاہدوں کے جو ایک وقت مقررہ تک کے لئے تھے نیز اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک منہج اور راستہ متعین کر دیا گیا تھا اور آپ کی تعلیمات و ارشادات کے مطابق اسلام کی بقاء و مضبوطی کے لئے مسلمانوں کو ہر اس شخص سے جہاد کا حکم تھا جو اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کرے یا اس پر اثر انداز ہو سکتا ہو۔

حضرت علی جب ان آیات کی تلاوت کر چکے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلائی تھیں تو انہوں نے فرمایا اے لوگو جنت میں کوئی کافر داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہیں آئے گا اور نہ کوئی برہنہ شخص طواف کر سکے گا، کیونکہ مشرکوں کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے لباس اتار کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے، جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ

کیا ہوا ہو تو وہ وقت مقررہ تک برقرار رہے گا اور آج سے چار ماہ تک تمام لوگوں کو مہلت دی جاتی ہے تاکہ ہر قوم اپنے ملک وطن پہنچ جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کے ساتھ مناسک حج ادا کرنے تو وہ حضرت علی اور اپنے دیگر رفقاء اہل مدینہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے اور دوسرے عرب مسلمان اپنے قبیلوں کو لوٹ گئے، اور تمام مشرکین بھی اپنے گھروں کو واپس ہوگئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی زبانی انہیں جو پیغام بھیجا تھا اس کے بارے میں سوچنے لگے کہ اب اس سال کے بعد وہ لوگ بیت اللہ کے قریب نہ جا سکیں گے اس لئے کہ وہ ناپاک اور نجس ہیں۔

اور یہ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کریں کہ جب تک وہ توبہ کرکے مسلمان نہ ہو جائیں، اس وقت تک وہ مسلمانوں کے قریب نہ جائیں گے اور نہ کوئی ایسا کام کریں گے جس سے ان کے اسلام پر اثر پڑتا ہو یا عقیدہ میں گڑبڑ ہوتی ہو مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ان سے جنگ کریں اور یہ سب کچھ اس وقت تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان سے ہی جنگ کرتے تھے جو آپ سے جنگ کرے اور جو آپ سے جنگ نہ کرے تو آپ بھی اس سے جنگ نہ کرتے تھے؟

مشرکین نے ایک دوسرے سے پوچھا، بتلاؤ اب جب کہ قریش بھی اسلام لے آئے ہیں اب تم لوگ کیا کرو گے؟!

واقعی بات بھی یہ تھی کہ وہ لوگ اب بے بس ہو گئے تھے کیونکہ اہل مکہ اسلام لے آئے تھے اور ان پر مشرکوں سے جنگ کرنا اور ان کو بیت اللہ سے روکنا فرض ہو گیا تھا۔

مشرکوں نے ایک دوسرے سے پوچھا، تمام عرب اسلام لے آئے ہیں اب بتلاؤ تم کیا کرو گے؟!

بات بالکل ٹھیک تھی، اس لئے کہ تمام جزیرۂ عرب مسلمان ہو چکا تھا سوائے بعض ان قبیلوں اور جماعتوں کے جو تن تنہا تو اسلام کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا مقابلہ کر سکتی تھیں، اور نہ اس کے سامنے ٹھہر سکتی تھیں۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسا سیلاب بن گیا تھا جو نہایت تیز و تند اور کفر و شرک کی بیخ کنی کرنے والا تھا۔

مشرکوں کے وفود یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہونے لگے اور پھر اس دن کے بعد سے نہ کسی مشرک نے بیت اللہ کا حج کیا اور نہ ہی کسی برہنہ شخص نے طواف کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کے دین میں داخل ہونے کے لئے وفود در وفود، اور جماعتیں فوج در فوج آ رہی تھیں آپ ان کا استقبال کرتے ان کو مسلمان بناتے اور انہیں دین اسلام کی تعلیمات سے باخبر کرنے اور ان کی تعلیم و ارشاد کے لئے ان کے پاس معلمین بھیج دیتے۔

چنانچہ آپ نے مہرہ سے تعلق رکھنے والے یمن کے بادشاہوں کے ان قاصدوں کا استقبال کیا جو اسلام قبول کرنے آئے تھے اور اسی طرح کندہ کے ان وفود کا بھی جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا جنہوں نے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی اور آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا تھا اور انہوں نے کناروں پر ریشم ٹکے ہوئے کامدار جبّے پہن رکھے تھے چنانچہ جب وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا۔

کیا تم لوگ مسلمان نہیں ہو چکے ہو؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر تمہارے لباس میں یہ ریشم کیوں لگا ہوا ہے؟ چنانچہ انہوں نے ریشم پھاڑ کر نکال لیا اور اسے پھینک دیا۔

اسی طرح یمامہ والوں کا بنو حنیفہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا چنانچہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا اسلام پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور اپنے کجاووں کے پاس اپنا ایک آدمی مسیلمہ بن حبیب کو چھوڑ دیا۔

جب وفد والے اپنا اسلام پیش کر چکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ دے دیا جو کچھ دینا چاہتے تھے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ساتھی مسیلمہ کا تذکرہ کیا اور یہ بتلایا کہ وہ اسے اپنے کجاووں اور سواریوں کے پاس چھوڑ آئے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کے لئے بھی اتنا انعام دینے

کا حکم دے دیا جتنا ان میں سے ہر شخص کو دیا تھا، اور یہ فرمایا۔

وہ منزلت و مرتبہ کے اعتبار سے تم سے کمتر تو نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامان کی حفاظت کے لئے وہاں ٹھہرا تھا۔

یہ وفد یمامہ کی جانب روانہ ہو گیا اور ان لوگوں سے مسیلمہ سے وہ الفاظ ذکر کر دیے گئے جو آپ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمائے تھے، یہ لوگ جیسے ہی یمامہ پہنچے تو مسیلمہ مرتد ہو گیا، وہ اسلام سے پھر گیا اور اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ بھی نبی ہے اور نبوت میں اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے اور دلیل یہ پیش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھیوں سے یہ کہا تھا کہ وہ منزلت کے اعتبار سے تم سے کمتر نہیں ہے۔

اور پھر مسیلمہ اس غرض سے مقفع و مسجع کلام کہنے لگا تاکہ اس کے ذریعے سے قرآن سے مشابہت اور مماثلت اختیار کرے اور لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے اور اس کی تصدیق کرنے کی دعوت دینے لگا اور اللہ نے جو چیزیں حرام کی تھیں ان میں سے اکثر کو اس نے ان کے لئے حلال کر دیا۔

پھر مسیلمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے دو قاصدوں کے ذریعے ایک خط بھیجا جس میں یہ لکھا تھا:

یہ خط اللہ کے رسول مسیلمہ کا، اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام ہے، آپ پر سلام ہو، بعد ازاں مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مجھے اس نبوت میں آپ

کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے اور آدھی سرزمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی لیکن قریش زیادتی کرنے والی قوم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خط کے مضمون کا علم ہوا تو آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے اور آپ نے ان دونوں قاصدوں سے فرمایا، تم دونوں کیا کہتے ہو؟ تو ان دونوں نے کہا، ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے ساتھی نے کہی ہے تو آپ نے فرمایا بخدا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ،

«إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ» — تمام سرزمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے۔

(الاعراف ۔ ۱۲۸)

جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے کا سلسلہ صرف اس جھوٹے شخص مسیلمہ کذاب پر ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اسی طرح کا جھوٹا دعویٰ اسود عنسی نے صنعاء میں اور نجد میں بنو اسد کے سربراہ طلیحہ نے بھی کیا تھا لیکن یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی اس جھوٹے دعویٰ کو کھلم کھلا علی الاعلان پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

ان لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلم کھلا مخالفت کی اور

آپ سے عداوت کا اعلان کیا تھا، نیز عامر بن طفیل بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے بئر معونہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دھوکہ دغا کیا تھا جو اہل نجد کو تعلیم دینے اور دین کے مسائل سکھانے جا رہے تھے تو اس عامر نے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا تھا اور اس طرح سے ان کو شہید کر دیا گیا تھا۔

عامر بن طفیل اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان ہونے کے لئے حاضر ہوا ان لوگوں میں ایک شخص اربد بن قیس نامی بھی تھا، عامر اور اربد کی نیت یہ تھی کہ اگر موقعہ مل گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دھوکہ کر کے آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔

لیکن جب ان کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور عامر اور اربد کو اپنے منصوبہ کامیاب بنانے کا موقعہ نہ ملا تو عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا ہوا روانہ ہو گیا کہ بخدا میں آپ کے خلاف پیادہ پا اور شہسواروں کی اتنی بڑی فوج لاؤں گا کہ آپ کا شہر اس سے کھچا کھچ بھر جائے گا۔

جب وہ چلا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر دعا مانگی، اے اللہ مجھے عامر بن طفیل سے محفوظ رکھ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور عامر اپنے شہر واپس نہ پہنچ سکا اور راستہ میں ہی اس کی گردن پر طاعون کا حملہ ہوا تو اس کے ساتھیوں نے بنو سلول کی ایک عورت کے گھر اسے اس لئے ٹھہرا دیا کہ وہ چلنے سے عاجز ہو گیا تھا اس پر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے بنو عامر کیا لیا غدود نکلا ہے جیسا اونٹ کے نکلتا ہے، اور میری موت بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں آئے گی۔ اور پھر جلد ہی اس طاعون کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

لیکن اربد اپنی قوم کے پاس پہنچ گیا، اس کی قوم نے اس سے پوچھا، اربد کیا خبر لائے ہو؟ ان کی مراد یہ تھی کہ ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کیا بات چیت ہوئی ہے؟ تو اس نے کہا: کچھ نہیں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ اس وقت میرے پاس ہوں، اور میں ان پر تیر برسا دوں تاکہ وہ ختم ہو جائیں۔

اربد یہ گفتگو کرنے کے بعد دو تین راتیں ہی زندہ رہا اس لئے کہ ہوا یوں کہ ایک روز وہ اپنے ایک اونٹ کو لے کر بیچنے کی نیت سے نکلا تو اس پر آسمان سے بجلی گری اور وہ جل کر مر گیا۔

اس قسم کے لوگ اس کی اہل اور حیثیت نہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کر سکیں اور نہ وہ اس حیثیت میں تھے کہ وہ اسلام پر ایسا اثر ڈال سکیں جس سے اسلام کو ان سے کوئی خطرہ ہو، اس لئے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیغام رسالت کو تمام لوگوں تک پہنچانے کے لئے چھوٹی چھوٹی جماعتیں غیر مسلموں کے پاس بھیجتے رہے اور جزیرۂ عرب کے مختلف اطراف میں وہاں کے باشندوں کے پاس اور اسلام کی تعلیمات پھیلانے کے لئے اپنے قاصدوں اور داعیوں کو بھیجتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داعی اور پیغامبر ادھر ادھر بھیجے اور ان میں سے ہر ایک کو ان چیزوں کی خصوصی وصیت کی جو انہیں ان قوموں کے ساتھ اپنانی تھیں جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا چنانچہ آپ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی جانب اسلام کی تعلیمات اور احکامات کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کی بھی آبادی تھی تو آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا: نرمی اور آسانی کرنا سختی نہ کرنا اور لوگوں کو خوشخبری سنانا متنفر نہ کرنا اور دیکھو تم اہل کتاب کی ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو تم سے یہ پوچھے گی کہ جنت کی چابی کیا ہے؟ تو تم کہنا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے ایک اللہ کے جو ایک اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔)

نجران کے عیسائیوں کے بہت سے آدمی مسلمان ہو گئے اور ان میں سے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا، چنانچہ وہ بھی

جلد ہی مسلمان ہو گئے اور ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے آپ کے پاس حاضر ہو کر اس بات کی شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اسی طرح آپ نے تین سو شہسواروں کے ساتھ حضرت علی کو یمن کی اس جماعت کے پاس بھیجا جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی کو ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا اور اس طرح سے اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاصدوں اور داعیوں کو بھیجتے رہے حتیٰ کہ جزیرۂ عرب میں اسلام اپنی بلندی کو پہنچ گیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا اس پر جب ایک سال کا عرصہ گذر گیا تو اب آپ کو حج کرنے لوگوں کے ساتھ نکلنا تھا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مناسک حج میں کیا کیا کرنا چاہیئے اور تمام مسلمان اسی کے مطابق مناسک حج ادا کرتے رہیں۔

سنہ دس ہجری میں جب ذوالقعدہ کا مہینہ آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حج کی تیاری کا حکم دے دیا۔ ابھی ذوالقعدہ کا مہینہ ختم نہیں ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کے

ساتھ بیت اللہ کی راہ سے روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی تمام ازواج مطہرات بھی تھیں اور ہدی کے طور پر ذبح کرنے کے لئے اونٹنیوں کی ایک بڑی تعداد بھی تھی۔

سبحان اللہ! وہ تمام مسلمان جو ہر جانب اور ہر جہت سے اس اجتماع کے لئے کھنچے ہوئے آتے تھے وہ کس قدر خوش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور صحبت میں حج بیت اللہ کے لئے جانے پر وہ کتنے مسرور ہو رہے ہوں گے!

اور پھر جزیرۂ عرب کے ان مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر فرحت محسوس ہو رہی ہوگی اور آپ کی دعوت و رسالت کے اس ثمرہ کو دیکھ کر آپ کو کتنا سرور حاصل ہو رہا ہوگا۔

ذوالحلیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمان جا کر اکٹھے ہو گئے جن میں سے اکثر اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لائے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ایک چادر باندھ کر اور ایک چادر اوڑھ کر احرام باندھا اور آپ کے ساتھ ہی تمام مسلمانوں نے بھی احرام باندھ لیا اور ذوالحلیفہ ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ نے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا اور آپ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے بھی اسے دہرانا شروع کر دیا:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ.

میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ کا

کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ

بے شک تمام تعریفیں، اور نعمتیں اور حکومت آپ ہی کی ہے آپ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ وَالشُّكْرَ لَكَ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔

بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں، اور شکر آپ ہی کے لئے ہے۔ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔

سبحان اللہ کتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کی آوازیں اس مبارک تبیہ کو دہرا رہی تھیں، اور کتنے ہی دل اس کی عظمت کے سامنے جھکے ہوئے تھے۔ اور کتنی ہی نفوس پر اللہ کی ہیبت طاری تھی۔

حجاج کرام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان کی مسافت طے کرتے گئے اور مسجد یا پڑاؤ میں نماز کے لئے اور شکر کے لئے اترتے اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے حتیٰ کہ ایک جگہ پہنچے جس کا نام سرف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے حج و عمرہ کی نیت کر لی اور اپنے صحابہ میں یہ اعلان کرا دیا کہ جس شخص کے پاس ذبح کرنے کے لئے کوئی جانور نہ ہو تو وہ عمرہ کا احرام باندھے حج کا احرام نہ باندھے۔

یہ مبارک قافلہ جب مکہ مکرمہ پہنچا تو ذوالحجہ کے چار دن گذر چکے تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سامنے تشریف لائے اور حجر اسود کا استلام کیا، اور پھر کعبہ کے ارد گرد طواف کیا۔ شروع کے تین چکروں میں رمل کر کے چلے تھے۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس آئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی اور پھر دوبارہ کعبہ کی طرف لوٹے اور حجر اسود کا استلام کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمر بن الخطاب کو حجر اسود کے استلام کی خاطر مزاحمت کرتے دیکھا تو آپ نے فرمایا اے عمر تم طاقت ور آدمی ہو اس لئے حجر اسود پر مزاحمت کر کے کمزوروں کو تکلیف نہ پہنچانا۔ —— اگر جگہ مل جائے تو حجر اسود کا استلام کر لینا اور اس کو بوسہ دے دینا ورنہ دور سے ہی اس کے سامنے جا کر استلام کر لو اور اللہ کا نام لے کر تکبیر پڑھ لو۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے نکل کر صفا کی جانب تشریف لے گئے اور اس پر چڑھے اور اللہ کی تکبیر اور توحید بیان کی اور پھر وہاں سے اتر کر مروہ کی جانب سعی کی اور لوگوں سے یہ فرمایا۔ اے لوگو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرو اس لئے کہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروہ پر چڑھے اور وہاں بھی وہی کیا

جو صفا پر کیا تھا، پھر وہاں سے مروہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تھی۔ سعی کے سات چکر پورے کر لئے اور پھر جب آپ اور تمام مسلمان سعی سے فارغ ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جس کے پاس ہدی (قربانی کا جانور) نہ ہو وہ اپنا احرام کھول لے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ تھی ان پر یہ بات شاق گذر رہی تھی کہ وہ اپنے عمرہ کا احرام کھول دیں اور ایک ساتھ حج و عمرہ نہ کریں اس لئے مناسک حج میں پہلے ایسا ہوا کرتا تھا کہ حاجی ایک ہی احرام میں عمرہ و حج کر لیا کرتا تھا چاہے اس کے ساتھ ہدی ہمراہ ہو یا نہ ہو، اس سے اب ان حضرات کو اس میں تردد ہوا کہ احرام کھولیں یا نہ کھولیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے اس تردد کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا۔ اگر میں اپنے اس کام کو از سر نو کرتا تو اب نہ کرتا اور اپنے ساتھ ہدی لے کر نہ آتا اور صرف عمرہ کر کے احرام کھول دیتا اور پھر ہدی خریدتا اور حج کے لئے احرام باندھ لیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس اس حالت میں تشریف لے گئے کہ آپ پر غصہ اور ناراضگی کا اثر نمایاں تھا اس لئے کہ مسلمانوں نے آپ کے حکم کو نافذ کرنے میں تردد سے کام لیا تھا، یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول آپ کو کس شخص نے غصہ

دلایا ہے! خدا اسے جہنم میں داخل کرے تو آپ نے فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے لوگوں کو ایک کام کا حکم دیا تھا لیکن وہ لوگ اس میں پس و پیش کر رہے ہیں!!

بہرحال جو لوگ مکہ مکرمہ بغیر ہدی کے آئے تھے انہوں نے احرام کھول دیا اور ان احرام کھولنے والوں میں امہات المومنین یعنی آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ بھی تھیں۔

ٹھیک اسی موقعہ پر حضرت علی بن ابی طالب یمن سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ اس ذمہ داری کو پورا کر کے پہنچے جس کی غرض سے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور وہ یہ تھی کہ وہ اہل یمن کی ایک جماعت کو اسلام کی دعوت دیں۔ ان لوگوں نے پہلے تو حضرت علی کی بات نہ مانی اور ان سے جنگ کی جس کی وجہ سے حضرت علی ان سے جنگ کرنے پر مجبور ہوئے اور ان کو ان پر فتح حاصل ہوئی اور بالآخر وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور جب یہ واپس لوٹے تو ان کو یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے جا چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر پر اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو مقرر کر دیا اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔

جب حضرت علی مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ کے پاس گئے اور دیکھا کہ انہوں نے احرام کھول دیا ہے اور رنگدار لباس سے آراستہ ہیں

تو انہوں نے ان سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا۔ مجھے میرے ابا جان نے اس کا حکم دیا تھا۔

حضرت علی نے اپنے سفر کے حالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے اور ان لوگوں کے اسلام کے بارے میں خبر دی جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر حضرت علی سے فرمایا، اے علی جاؤ اور جا کر بیت اللہ کا طواف کرو، اور جیسے تمہارے ساتھیوں نے احرام کھول دیا ہے تم بھی عمرہ کر کے احرام کھول دو حضرت علی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں نے احرام باندھتے وقت یہ کہا تھا کہ: اے اللہ میں وہ احرام باندھ رہا ہوں جو آپ کے نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: کیا تمہارے پاس ہدی ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: جی نہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی ہدی میں شریک کر لیا اور اس طرح سے حضرت علی نے اپنا احرام برقرار رکھا اور اس احرام سے مناسک حج ادا کرنے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حجاج کرام منیٰ کی جانب روانہ ہو گئے اور جنہوں نے اپنا احرام کھول لیا تھا انہوں نے دوبارہ احرام باندھ لیا۔

جب ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا سورج طلوع ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصوا نامی اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور آپ اور تمام مسلمان

جبل عرفات کے پاس تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے پہنچ گئے۔

اور عرفات کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ لگا دیا گیا، اور آپ زوال تک وہیں ٹھہرے، جب پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر وادی کے نچلے حصے میں پہنچ گئے، اور وہاں کھڑے ہو کر آپ نے مسلمانوں کی جماعت سے نہایت بلند آواز میں خطاب کیا جس کو آپ کے پیچھے سے حضرت ربیعہ بن امیہ بن خلف دہراتے جا رہے تھے تاکہ اس کو وہ تمام مسلمان سن لیں جو اس جیسے عظیم اجتماع میں آج تک کبھی اکٹھا نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ وقتی اسلام کا ایک دستور تھا جس پر عمل کرنا مسلمانوں پر واجب تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے خطبہ کی ابتدا فرمائی۔

اے لوگو میری بات غور سے سنو مجھے معلوم نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ میں اس جگہ تم سے اس کے بعد پھر کبھی نہ مل سکوں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو دین کی باتیں بتلانے لگے اور کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت پر عمل کرنے اور اس سے مضبوطی سے تھامنے کی دعوت دی، اور یہ بتلایا کہ لوگوں کے مال اور ان کی عزت و آبرو اور ان کی جان کی حفاظت کریں اور امانتیں ان کے مالکوں کو واپس

کردیں اور سود اور قتل سے بچیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں یہ بھی واضح فرمادیا کہ مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے کیسا تعلق ہونا چاہیئے اور انسانوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیئے اور آپ نے لوگوں میں مساوات کا اعلان فرمادیا اور واضح کردیا کہ انسان ہونے کے اعتبار سے حبشی غلام اور قریشی سردار میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا: اے لوگو تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقوی کے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پیغام سنا چکے تو آپ نے فرمایا اے اللہ کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا؛ تو لوگوں نے ہر طرف سے جواب میں کہا، جی ہاں اے اللہ کے رسول. تو آپ نے فرمایا: اے اللہ آپ گواہ بن جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ مکمل کر چکے تو ظہر و عصر کی نماز پڑھائی اور پھر لوگوں کو اللہ تعالٰی کا یہ فرمان مبارک پڑھ کر سنایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ	تمہارا دین اور پورا کیا تم پر میں نے
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا	اپنا احسان اور پسند کیا میں نے
(مائدہ - ۳)	تمہارے لئے اسلام کو دین۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت کے تلاوت کرنے سے انہوں نے یہ بخوبی سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت کا کام اب مکمل ہو چکا ہے اور اب آپ عنقریب دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

عرفات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان مزدلفہ کی جانب روانہ ہو گئے، اور مزدلفہ میں رات گزاری اور صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام گئے اور پھر منی کے راستہ میں جمرات کو کنکریاں ماریں۔

اور منی میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تریسٹھ اونٹنیاں ذبح کیں جو آپ کی عمر مبارک کے برابر تھیں، پھر اپنا سر منڈایا اور اس طرح آپ کے تمام مناسک حج پورے ہو گئے اور دوسرے تمام مسلمانوں نے بھی اپنے مناسک حج پورے کر لئے۔

پھر مدینہ منورہ کے حجاج کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وصحبت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے کے لئے رخصت ہو گئے۔

بعض حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حج کو "حجۃ الوداع" کہتے ہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ بیت اللہ اور جبل عرفات کو اس حج میں آخری مرتبہ دیکھا تھا۔

اور بعض حضرات اس کو "حجۃ البلاغ" کہتے ہیں اس لئے کہ اس حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام احکامات مکمل طور سے لوگوں تک پہنچا دیئے تھے جن کا اللہ تعالٰے نے آپ کو حکم دیا تھا اور وہ دین اسلام تھا۔

اور بعض حضرات اس کو "حجۃ الاسلام" یا "حجۃ التمام" بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس حج میں اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کے لئے ان کے دین کو مکمل اور اپنی نعمتوں کو ان پر تام و کامل کر دیا تھا۔

(۲۵)

کمالِ انسانیت

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج میں پورا کر چکا دین تمہارے لئے
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا احسان
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"	اور پسند کیا اسلام کو تمہارے لئے
(المائدۃ - ۳)	دین پسند کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج کے موقعہ پر مسلمانوں کو یہ آیت کریمہ تلاوت کر کے سنائی جس میں وہ سنہ دس ہجری کے اواخر میں آپ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ آپ نے حج میں جو جو کام کرنا چاہیئے وہ تمام مناسک حج ان کو سکھلا اور بتلا دیئے اور اس سے پہلے بیت اللہ کو بتوں اور مورتیوں سے پاک کر دیا تھا، اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا تھا جب آپ کی قوم کے وہ مکہ والے جنہوں نے آپ کو تکلیفیں پہنچائیں اور آپ سے جنگ کی تھی وہ اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور تمام جزیرۃ عرب اسلام کے سامنے سرنگوں ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکا اور اس کی تعلیمات کی پیروی کرنے لگا تھا اور اس نے یہ گواہی دے دی تھی کہ اللہ تعالٰے وحدہٗ لاشریک

ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور کو پورا اور مکمل اور دین اسلام کو مسلمانوں کے لئے کامل کر دیا تھا اور ان پر اپنی نعمتیں پوری کر دی تھیں اور رسالت اپنے منتہا کو پہنچ چکی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فریضہ کو ادا کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقصد کے لئے بھیجا تھا وہ پورا ہو چکا تھا اور جب دین کی دعوت کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا وہ مکمل ہو چکی تھی آپ تیئیس سال تک لوگوں کو اس کی دعوت دیتے رہے اور ایک ایسے علاقے میں جہاں کے لوگ بُت پرست تھے بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے اس طویل عرصے میں آپ ان کے ساتھ دین اسلام کے پھیلانے کے سلسلہ میں جہاد کرتے رہے۔

تیئیس سال کا وہ طویل عرصہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایذا و تکالیف پر صبر کیا اور ہر قسم کی تکالیف و پریشانی برداشت کیں اور اپنے گھر بار کو چھوڑا اور وہاں سے ہجرت کی اور بار بار موت سے ٹکرائے اور بڑی بڑی مصیبتیں اور آزمائشیں جھیلیں لیکن ان سب کے باوجود آپ کا نفس مطمئن اور دل پرسکون رہا اور آپ کو یہ مکمل یقین رہا کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور آپ کی مدد کرے گا اور خواہ مجاہدہ و جہاد کا رزمہ کتنا

ہی طویل کیوں نہ ہو جائے پھر بھی اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز نہ چھوڑے گا چاہے ان مشرکوں کی ایذائیں کتنی ہی کیوں نہ بڑھ جائیں چنانچہ آپ صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے رہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان تھے، لیکن آپ ایک ایسے انسان تھے جن کا کوئی اعلیٰ و بلند مقصد و ہدف ہوتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے اور ہدف تک پہنچنے میں آپ پر جو ایذائیں اور پریشانیاں آ رہی تھیں آپ ان کی مطلقاً پرواہ نہ کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس دنیا میں ایک کامل ترین مثالی زندگی تھی، آپ کی زندگی کسی ایسے انسان کی سی زندگی نہ تھی جو اس لئے جیتا ہے تاکہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے فائدہ اٹھائے، دنیا کی حلال و پاک چیزوں سے ناپسندیدگی یا ان سے بے رغبتی کی بنا پر دور رہے، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک ایسی شان زندگی تھی جو ہر اس شخص کے لئے نمونہ تھی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو آپ کی زندگی مسلمانوں کے لیے ایک مشعل نور اور کامل نمونہ تھی اور آپ کی زندگی ایک ایسی زندگی تھی جو ایسے رسول کے لائق تھی جسے اس دنیا میں ایسے پیغام اور رسالت کے پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہو جس کا پھیلانا اس کا فرض منصبی قرار دے دیا گیا ہو اور اس پر یہ واجب کر دیا گیا ہو کہ وہ اس پیغام کی طرف تمام ان طریقوں اور وسائل سے دعوت دے جو اس پر تردد

عالی روح اور ذات و نبیل نفس کے ساتھ متعارض نہ ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گر دنیا سے بے رغبتی اختیار کی تھی اور اس کی نعمتوں اور طیبات سے منہ موڑ لیا تھا تو وہ اس لئے کہ آپ کا مقصود و مطمح نظر دنیا سے وہ نہ تھا جو عام لوگوں کا ہوتا ہے اور آپ کا ہدف دوسرے لوگوں سے بالکل مختلف تھا۔

اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی نعمتوں میں سے کچھ حصہ لیا تھا اور اس کی تر و تازگی میں سے اپنے نفس کو کچھ حصہ دیا تھا تو وہ صرف اس غرض سے تھا تاکہ مسلمانوں پر وہ چیزیں حرام نہ ہو جائیں جو آپ نے اپنے لئے حرام کر دی تھیں اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اپنے صحابہ کے لئے وہ چیزیں مباح کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے مباح کر رکھی ہیں خواہ آپ نے خود اپنے آپ کو ان سے دور کیوں نہ رکھا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام زندگی دنیا کی زیب و زینت اور اس کے ظاہر کے بجائے اس کی حقیقت اور اس کے جوہر کی طرف متوجہ رہے اور آپ کے اس فعل دوری دنیا سے بے رغبتی اور زہد میں جو حکمت تھی اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے دنیاوی خواہشات کو چھوڑ دیا ہو اور اس کے سامنے سے دور رہا ہو اور دنیا کی جو چیزیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر استعمال تھیں جنہیں آپ دنیا کا ساز و سامان سمجھتے تھے اس کی حقیقت

کوئی شخص سمجھ سکتا ہے جو غور و فکر اور باریک بینی سے کام لینے والا ہو۔ اللہ کے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے منتخب فرمایا تھا وہ کیا نوش فرمایا کرتے تھے، اور کیا پہنا کرتے تھے! اور آپ کا بچھونا اور بستر کیا تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جو کھانا کھایا کرتے تھے وہ کھجور اور پانی یا کھجور اور دودھ تھا اور گیہوں یا جو کی روٹی بھی مسلسل دو دن سے زیادہ آپ نے نہیں کھائی اور آپ اور آپ کے اہل و عیال پر بسا اوقات پورا پورا مہینہ گذر جاتا تھا لیکن روٹی اور گوشت پکانے کے لئے چولہا جلانے تک کی نوبت نہ آتی تھی، اور آپ کو جو بھی کھانا پیش کر دیا جاتا آپ اس کی برائی کبھی بھی نہ کرتے تھے بلکہ اگر دل چاہتا تو اسے کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عام طور سے روئی یا اون یا جوٹ سے بنا ہوا کرتہ اور چادر ہوا کرتی تھی اور آپ کا جوتا معمولی سے ہلکے پھلکے چمڑے کا بنا ہوا ہوتا تھا اور آپ بوقت ضرورت اپنے کپڑوں میں پیوند لگانے اور جوتا ٹانکنے کو برا نہ سمجھتے تھے اور آپ کا بستر تہ کی ہوئی ایک بڑی چادر یا کھجور کی چھال بھرا ہوا گدا ہوتا تھا۔

ایک انصاری عورت ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو دیکھا تو ان کو

یہ پڑا معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معمول سے بستر پر آرام فرمائیں چنانچہ وہ اپنے گھر گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ایسا بستر لے آئیں جس میں اون بھرا ہوا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بستر کو دیکھا تو حضرت عائشہ سے پوچھا:

اے عائشہ یہ کیا ہے ؟! تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ایک انصاری عورت نے آپ کے آرام کرنے کے لئے یہ بستر بھیجا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا: یہ بستر ان کو واپس لوٹا دو حضرت عائشہ کو یہ بچھونا اچھا معلوم ہوا تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ یہ ان کو مل جائے اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرنے میں کچھ تاخیر کی حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کئی بار یہ فرمایا: اے عائشہ اس بستر کو واپس لوٹا دو اس لئے کہ بخدا اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آپ کے بستر کو اس طرح بچھایا کہ لیٹنے کے لئے جس کپڑے کی دو تہہ کر دیا کرتی تھیں اس کی چار تہہ کر دیں تاکہ سونے کے لئے اور زیادہ آرام دہ ہو جائے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام فرما ہوئے اور صبح ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا: تم نے میرے لئے رات کیا بچھایا تھا؟

حضرت حفصہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول وہ آپ کا بستر ہی تھا لیکن ہم نے یہ کیا تھا کہ بجائے دوہری تہہ کرنے کے چوہری تہہ کر دی تھی تاکہ وہ زیادہ نرم ہو جائے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بستر کو پہلے کی طرح ہی دوہرا بچھاؤ اس لئے کہ اس کی نرمی نے مجھے آج کو تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے سے روک دیا۔

ایسے موقف اور ایسے عظیم کردار کے بارے میں زبان کیا کہہ سکتی ہے اور قلم کیا لکھ سکتا ہے، نہ ہم زبان سے کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ قلم اس کی ترجمانی کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ عظیم الشان موقف اس عظیم ہستی کے تھے جو انسانیت کے کمال کو پہنچی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے پیارا رسول بنانے اور خاتم الانبیاء مقرر کرنے کے لئے منتخب فرما لیا تھا۔

لیکن اب ذرا اس پہلو کو بھی دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ اور قوم اور خادم اور غلاموں اور گھر والوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ اور کیا کیفیت تھی ؟!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور قوم پر نہایت مہربان، شفقت کرنے والے اور ہمدرد تھے۔ ان سے ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملتے اور خود سلام کرنے میں پہل کرتے اور بیماروں کی بیمار پرسی کرتے اور ان کی

ضروریات کا خیال کرتے رہتے، اور اگر کوئی ضرورت مند شخص آپ کے پاس کسی ضرورت سے آتا اور آپ نماز پڑھتے ہوتے تھے تو آپ اپنی نماز مختصر کر دیتے اور اس کی ضرورت دریافت فرماتے تھے اور جب اس کی حاجت پوری کر چکتے تو پھر دوبارہ نماز شروع کر دیتے۔ کسی کے ساتھ اس طریقہ سے ہرگز نہ ملتے جو اسے ناپسند ہو اور آپ کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ کے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لے کر آئے۔ آپ یہ فرمایا کرتے تھے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میں تمہارے پاس سے جاؤں تو میرے دل میں کسی کے متعلق کوئی بات نہ ہو۔

اور جب آپ کو یہ اطلاع ملتی کہ کسی شخص نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو آپ کو پسند نہیں ہے اور آپ اس بات کی تردید کرنا چاہتے اور اس کا عیب ہونا لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہتے تھے تو فرمایا کرتے: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس طرح کہتے ہیں، یوں نہیں فرمایا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس طرح کی بات کہتا ہے۔

آپ کو یہ بات قطعاً پسند نہ تھی کہ لوگ آپ کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جائیں۔ اور اس سلسلہ میں آپ یہ فرمایا کرتے تھے، تم لوگ اس طرح کھڑے نہ ہو جس طرح عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

ایک روز ایک شخص نے آپ کو یہ کہہ کر آواز دی: اے ہمارے سردار

اور ہمارے سردار زادے۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں ذات کا بندہ اور اس کا رسول ہوں لہٰذا میری تعریف و مدح میں اس طرح مبالغہ آمیزی نہ کرو جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ نہایت شفقت و رحمت سے پیش آیا کرتے تھے اپنے آزاد کردہ غلاموں سے محبت اور ان کی عزت کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی اولاد تک کی عزت کیا کرتے تھے اور اپنی دودھ پلانے والی آیا حضرت ام ایمن کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے، اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ۔ میری والدہ کے بعد میرے لئے ام ایمن معزز ہیں

اور ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: یہ میرے اہل و عیال میں سے باقی رہنے والوں میں سے ہیں۔

ایک روز حضرت ام ایمن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پیتے ہوئے دیکھا تو آپ سے فرمایا: مجھے بھی پانی پلا دیجئے۔

حضرت عائشہ کو ام ایمن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا اچھا معلوم نہ ہوا تو انہوں نے ام ایمن سے کہا کیا تم اللہ کے رسول سے ایسی بات کہتی ہو؟ تو ام ایمن نے یہ دیکھتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کس قدر خیال کرتے ہیں کہا: جو خدمت آپ کی میں نے کی ہے وہ بہت زیادہ ہے تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے ام ایمن تم نے بالکل سچ کہا، اور آپ ان کے لئے پانی لائے، اور ان کو پلا دیا، اور حضرت زید بن حارثہ جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے اور جن سے آپ محبت کرتے تھے وہ بالکل نوجوان اور کمسن ہوتی تھی آپ نے حضرت زید کا نکاح ام ایمن سے کر دیا تھا۔

اسی طرح آپ ان کے بیٹے اسامہ بن زید کے ساتھ بالکل اسی طرح محبت اور شفقت و الفت سے پیش آتے تھے جس طرح آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کے بیٹے سے پیش آیا کرتے تھے اور ان دونوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے آپ یہ فرماتے تھے: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں آپ بھی ان سے محبت رکھیئے۔

اور آپ حضرت اسامہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اسامہ بن زید سے محبت رکھے اور اس وقت ایسا ہوتا تھا کہ آپ اسامہ کو اپنے پیچھے اپنی سواری پر بٹھا لیا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع غزوہ خیبر میں آپ کے ساتھ تھے ایک رات سردی بہت شدید ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا، جس شخص کے پاس لحاف ہو تو وہ اپنے ساتھ کسی اور کو بھی اپنے لحاف میں شریک کر لے۔

حضرت ابو رافع کھڑے رہے اور کوئی ایسا آدمی نہ ملا جو ان کو اپنے لحاف میں لے لے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لحاف میں شریک کر لیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی لیکن اس طویل عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کبھی ناراض نہیں ہوئے اور اگر انہوں نے کبھی کوئی کام خلاف مرضی کر بھی لیا تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام کبھی نہ کر سکے تو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟ اور آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر جایا کرتے تھے اور ان کے چھوٹے بھائیوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو انہی کے گھر نماز پڑھ لیتے تھے اور تمام گھر والے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی اور دل لگی کی باتوں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ زاہر نامی ایک نہایت بدشکل دیہاتی تھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وقتاً فوقتاً آیا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے اور ان کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے تھے، اور جب وہ اپنے گاؤں واپس جانا چاہتے تھے تو آپ ان کی ضرورت کی چیزیں ان کو مہیا کر دیا کرتے تھے۔ ایک روز ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں سامان

بیچتے ہوئے دیکھا، چنانچہ آپ ان کے پیچھے سے آئے، اور ان کو جنبر طی سے دبوچ لیا۔ زاہر کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہیں کس نے دبوچا ہے اس لئے وہ یہ کہنے لگے:
کون صاحب ہیں؟، کون صاحب ہیں؟! مجھے چھوڑ دیجئے۔

جب زاہر متوجہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو انہوں نے اپنی پیٹھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر سے ملنے کو بہت بڑا اعزاز اور عظیم نعمت سمجھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دل لگی کرتے ہوئے فرمانے لگے:
اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اگر آپ مجھے بیچنا چاہیں گے تو پھر تو آپ مجھے کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے!!
آپ مسکرانے لگے اور فرمایا۔ لیکن تم رب العالمین اللہ کے ہاں تو بہت قیمتی ہو۔

اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال، خادموں، مددگاروں اور رفیقوں کے ساتھ بیٹھنے میں بھی کوئی فرق محسوس نہ کرتے تھے، اور نہ ان سے دل لگی اور مذاق کرنے میں کوئی عار محسوس کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوا کرتے تھے تو آپ بڑوں کے ساتھ رحمدل اور چھوٹوں کے ساتھ شفیق ہوا کرتے تھے، بیٹے نواسوں کے ساتھ دل لگی کرتے اور ان کے ساتھ نہایت پیار و محبت سے کھیل کرتے

تھے اور آپ کی الفت و محبت اور شفقت و رحمت کو دیکھ کر بچے آپ سے چمٹ جاتے اور آپ سے مانوس ہو جاتے تھے حتیٰ کہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کی بیٹی یعنی آپ کی نواسی امامہ تو یہ چاہتی تھیں کہ آپ ان سے دل لگی کرتے رہیں اور کھیلتے رہیں۔ ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے تو وہ آپ کے کاندھے پر چڑھ گئیں آپ انہیں لئے ہوئے نماز پڑھتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ بھی ایک معدل مثالی شوہر تھے اور ان کے لئے آپ ایک شریف جانی کے قائم مقام اور ایک محبت و احسان کرنے والے شفیق باپ کی طرح تھے۔

آپ کی ازواج مطہرات کو آپ کے یہاں وہ حیثیت حاصل تھی جو اس سے قبل نہ کسی بیوی کو اپنے شوہر کے یہاں حاصل ہوئی ہوگی اور نہ کسی بہن کو اپنے بھائی کے یہاں اور نہ کسی بیٹی کو اپنے باپ کے پاس، اس لئے کہ اسلام آنے سے قبل مرد عورت کی منزلت و حیثیت کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے اور نہ اس کی رائے کو کوئی حیثیت اور وزن دیتے حتیٰ کہ جب اسلام آگیا تو اس نے عورت کا اکرام کیا اور اس کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے مرتبہ کو بلند و بالا کیا اور اپنے اوپر ان کا حق لازم کیا اور ان کو اس درجہ تک پہنچا دیا کہ ان میں سے بعض آپ سے اپنی کسی بات کے بارے بحث مباحثہ تک کر لیا

کرتی تھیں اور بعض معاملات میں آپ سے بار بار مراجعت کرتیں حتیٰ کہ بعض دفعہ آپ اس پر ناراض بھی ہو جایا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت عمرؓ کی اہلیہ نے اپنے شوہر حضرت عمرؓ سے بحث کی اور ان کے سامنے کسی معاملہ میں اپنی رائے پیش کی تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟ میں جو کام کرنا چاہتا ہوں تم اس میں بیچ میں دخل کیوں دے رہی ہو؟!

تو ان کی اہلیہ نے ان سے کہا: اے خطاب کے بیٹے تعجب ہے آپ پر، آپ یہ پسند نہیں کرتے کہ آپ سے بحث کی جائے حالانکہ آپ کی بیٹی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کرتی ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورا پورا دن اس پر ناراض بھی ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے جیسے ہی اپنی بیوی کی یہ بات سنی فوراً اپنی بیٹی حفصہؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں ان کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے میری بیٹی کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتی ہو جس پر آپ پورا پورا دن ناراض رہتے ہیں؟

حضرت حفصہؓ نے فرمایا: بخدا ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے فرمایا: یاد رکھو میں تمہیں اللہ

اور اس کے رسول کی ناراضگی سے ڈراتا ہوں۔ اے میری بیٹی تم ان کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑنا جن کو ان کے حسن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے ناز میں مبتلا کر دیا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

یہاں سے حضرت عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری اہلیہ حضرت ام سلمہؓ جن سے ان کی رشتہ داری تھی، ان کے پاس گئے تاکہ ان سے حفصہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ و برتاؤ کے بارے میں دریافت کریں تو حضرت ام سلمہؓ نے ان سے فرمایا:

اے خطاب کے بیٹے تم پر تعجب ہے تم ہر چیز میں مداخلت کرتے ہو اور اب یہ چاہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج مطہرات کے معاملات میں بھی دخل اندازی کرو، حضرت ام سلمہؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ گفتگو فرمائی کہ جس سے حضرت عمرؓ کو جوش آگیا مگر پھر بھی حضرت عمرؓ اپنی بیٹی حفصہؓ کے بارے میں کب خاموش ہونے والے تھے جب کہ ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بھی بنتی ہیں اور نہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت جانے سے رک سکتے تھے اور نہ خاموش رہ سکتے تھے جب ان کو یہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اپنی اہلیہ کی طرف

سے کچھ اٹھا ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب عادت مسجد تشریف نہیں لائے تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے پاس داخلے کی اجازت چاہی تاکہ تحقیق کر سکیں کہ آپ مسلمانوں کے پاس کیوں تشریف نہیں لائے۔

جب ان دونوں حضرات کو داخلہ کی اجازت مل گئی اور یہ آپ کے پاس گئے تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تکدر رکے اثرات ہیں اور آپ کے ارد گرد آپ کی بعض ازواج مطہرات بیٹھی ہوئی ہیں تو حضرت عمر نے یہ سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پہ جو اثر ہے یہ ازواج مطہرات کی کسی بات کی وجہ سے ہے۔

لہذا حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تکدر کو ختم کرنے کے لئے یہ سوچا کہ کوئی ایسی بات کریں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس جائیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر میری بیوی خارجہ کی بیٹی مجھ سے نان نفقہ کا مطالبہ کرے اور میں اس کی گردن پر ایک ہاتھ مار دوں تو بتلائیے اس کا کیا حکم ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور آپ نے اپنی ازواج مطہرہ کی طرف اشارہ کرتے فرمایا: یہ دیکھو یہ میرے ارد گرد بیٹھی ہیں، اور نان نفقہ کا سوال کر رہی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر حضرت عائشہ کی طرف بڑھے اور ان کی گردن پر ہاتھ مارا اور حضرت عمر حفصہ کی طرف بڑھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ اختیار کیا اور وہ دونوں یہ کہنے لگے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو ان کے پاس موجود نہیں ہے؟!

تو ان سب نے کہا کہ بخدا اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی اس چیز کا سوال یا مطالبہ نہیں کریں گی جو ان کے پاس موجود نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بعض ایسی چیزیں مانگیں تھیں جو آپ کے پاس نہ تھیں یہ چیز اللہ تعالی کو پسند نہ آئی چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالی نے اپنے نبی پر یہ آیات نازل فرمائیں۔

"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا"

(احزاب - ۲۸، ۲۹)

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع (دنیوی) دے دوں اور خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو ان سب کی سب نے بلا کسی تردد کے اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کیا اور اسے ہی ترجیح دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا آپ سے اختلاف انہی باتوں پر نہیں رک گیا تھا بلکہ ان میں آپس میں بھی اختلاف ہو جایا کرتا تھا۔ مثلاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف اور برابری و مساوات کرنے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بعض بعض پر غیرت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف باہمی اتحاد کر لیا۔ اور یہ بھی ہوا کہ حضرت عائشہ اور حفصہ اور دوسری ازواج مطہرات نے حضرت زینب بنت جحش کے خلاف جماعت بنائی اور اسی طرح حضرت عائشہ و حفصہ نے مصر کے مقوقس نے باندی جو آپ کو باندی دی تھی اس کے خلاف جماعت بنالی اور ان حضرات کو اس بات پر بھی غیرت آتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ماریہ سے ہو جائے جب کہ ان میں سے کسی ایک سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

چنانچہ جب حضرت ماریہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا حضرت ماریہ نے حضرت ابراہیم کو جنا تو ان سب کی سب اس غیرت کو چھپانے کی طاقت نہ رکھتی تھیں

اور اس وقت ان کا شعور و احساس حد تو یہاں تک تھا یہ سامنے سے نہ چھپا سکیں باوجود اس کے کہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی پیدائش سے کس قدر خوشی حاصل ہو رہی ہے اور باوجود اس کے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھیں اور آپ کی خوشی سے نہایت خوش ہوتی تھیں، حتیٰ کہ یہاں تک ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کو حضرت عائشہ کے پاس دکھلانے کے لیے گئے اور آپ نے ان سے نہایت خوشی کی حالت میں یہ پوچھا۔

اے عائشہ کیا تم مجھ میں اور اس میں مشابہت نہیں دیکھ رہی ہو؟

جب آپ نے یہ فرمایا تو باوجود اس کے کہ حضرت عائشہ یہ سمجھتی تھیں کہ ان کی اس بات کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر برا اثر پڑے گا لیکن غیرت کی وجہ سے انہوں نے یہ جواب دیا کہ مجھے تو آپ دونوں میں کوئی مشابہت نظر نہیں آرہی ہے۔

اور پھر جب آپ نے ان سے بچے کے نشو و نما اور خوبصورتی وغیرہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا جو بچہ بھی وہ غذا حاصل کرے گا جو ابراہیم کو مل رہی ہے تو اس کا نشو و نما بھی اچھا ہو گا اور شکل و صورت بھی۔

حضرت ابراہیم کی پیدائش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو

دودھ پلانے کے لئے ایک دودھ پلانے والی کے پاس بھیج دیا تھا اور ان کو بکثرت بکریاں دے دی تھیں تاکہ ابراہیم کو ان کا دودھ پلائیں۔ اور حضرت ابراہیم کی پیدائش سے آپ کو اس قدر خوشی ہوئی تھی کہ آپ نے فقراء و مساکین پر صدقہ کیا اور اپنی آزاد کردہ باندی ام سلمی جنہوں نے حضرت ماریہ کی دائی کے فرائض انجام دئیے تھے ان کا خوب اکرام کیا اور ان کے شوہر جو آپ کے آزاد کردہ غلام ابو رافع تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی خوشخبری سنائی تھی ان کا بھی خوب اکرام کیا۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے نرمی محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اسی طرح آپ ان کے ساتھ عزم و ارادہ / حزم والا برتاؤ بھی کیا کرتے تھے اور بوقت ضرورت حکمت سے ان کے ساتھ سختی بھی کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ جو سب سے سخت برتاؤ کیا تھا وہ یہ تھا کہ آپ نے ان سب کو ایک مہینے تک چھوڑے رکھا۔ آپ معمول کے مطابق روزانہ ان کے پاس جاتے تاکہ ان کے حالات و ضروریات کو معلوم کریں۔ ورنہ ان دنوں میں آپ نے کسی کے گھر رات گذاری جیسا کہ آپ پہلے ان میں سے ہر ایک کے یہاں ایک رات گذارا کرتے تھے۔ بلکہ آپ نے ان میں سے ہر ایک سے کنارہ کشی اختیار کی اور خود ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں چلے گئے جس میں جانے کے لئے

کھجور کے ایک تنے پر چڑھنا پڑتا تھا اور جب آپ کوٹھڑی میں ہوتے تو اس کے دروازے پر آپ کا غلام رباح بیٹھا رہتے تھے، اور ان کے علاوہ کوئی اور آپ کے پاس نہ آتا تھا۔

ان دنوں مسلمان نہایت بے چینی اور تکلیف میں گرفتار تھے اس لئے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا دیکھ رہے تھے اور وہ یہ جرأت نہیں کر پاتے تھے کہ آپ سے آپ کی ازواج مطہرات کے سلسلہ میں کوئی بات کریں۔

جب اس حالت پر چند دن گذر گئے اور آپ اس طرح مسلمانوں کے معاملات پر توجہ دیتے رہے ان کی ضروریات پوری کرتے رہے اور آپ کی طرف سے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ اپنی ازواج کو معاف کرنے والے ہیں تو لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو طلاق دینے والے ہیں۔

مسلمان سخت پریشان ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے جب یہ بات سنی تو نہایت غمگین ہو گئے، بھلا بتائیے کہ جب عام حضرات کا یہ حال تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خسر تھے ان پر کیا بیت رہی ہوگی اور پھر خود ازواج مطہرات کی کیا کیفیت ہوگی؟

حضرت عمر بن الخطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ

اس حالت پر چھوڑ سکے۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر اس کمرے کی جانب گئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ نشین تھے اور حضرت عمر نے حضرت رباح کو جو حجرے کے دروازے پر بیٹھے تھے آواز دی تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے داخلہ کی اجازت مانگیں۔ حضرت رباح نے حضرت عمر کو کوئی جواب نہ دیا تو حضرت عمر سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ عمر نے دوبارہ آواز دی اور اجازت مانگی تو بھی رباح کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کو اجازت نہیں دیں گے؟!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت جو تکلیف پہنچ رہی تھی وہ کتنی شدید تھی، اور ازواج مطہرات کی طرف سے جو آپ کو دکھ پہنچا تھا وہ کتنا شدید صدمہ تھا۔

حضرت عمر نے اس ارادے سے کہ کسی طرح براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ جائیں بلند آواز سے یہ فرمایا: اے رباح تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے اجازت مانگ دو۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ نے یہ سمجھا کہ شاید میں حفصہ کی وجہ سے آیا ہوں۔ بخدا اگر آپ مجھے یہ حکم دیں کہ میں حفصہ کی گردن اڑا دوں تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اجازت دے دی اور حضرت عمر اس جگہ پہنچ گئے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کمرے پر نظر ڈالی تو حضرت عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس چیز نے حضرت عمر کو رلا دیا تھا۔

حضرت عمر کو رلانے والی چیز یہ تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشانات آپ کے پہلو پر بن گئے تھے، اور وہاں پر سوائے ایک مٹھی بھر جو اور ذرا سی سبزی کے اور کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا۔

اے عمر تمہیں رونا کیوں آ رہا ہے؟!

حضرت عمر نے آنسو بہاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں کیوں نہ روؤں جب کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے جسم مبارک پر اس چٹائی کے نشانات بن گئے ہیں اور آپ کی اس کوٹھری میں مجھے سوائے اس کے جو میرے سامنے ہے اور کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ہے اور یہ قیصر و کسریٰ پھلوں اور نہروں میں مزے کر رہے ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ آپ کی کوٹھری ہے؟!!

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر کیا تمہیں یہ پسند

نہیں ہے کہ ان کا فردوس کو دنیا مل جائے، اور آخرت ہمارے حصے میں آجائے؟!

حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ازواج مطہرات کی کون سی بات آپ پر شاق اور خلافِ طبع گذری ہے؟ گر بالفرض آپ نے انہیں طلاق دے دی ہے تو کیا ہوا اللہ، اس کے فرشتے اور حضرت جبرئیل و میکائیل اور میں اور ابوبکر اور تمام مسلمان تو آپ کے ساتھ ہیں۔

پھر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا۔

تو حضرت عمر نے فرمایا اے اللہ کے رسول میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مسلمان نہایت غم و پریشانی میں بیٹھے ہیں اور پریشانی کی حالت میں کنکریاں زمین پر مار رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو اے اللہ کے رسول کیا میں جا کر ان کو یہ بتلا دوں کہ آپ نے ان کو طلاق نہیں دی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، گر چاہتے ہو تو بتلا دو۔

پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے رہے حتیٰ کہ آپ ہشاش بشاش اور خوش ہو گئے اور مسکرانے لگے، اور آپ کا غصہ

ختم ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر اس کوٹھری سے نکلے اور سیدھے مسجد گئے اور نہایت بلند آواز سے مسلمانوں کو یہ اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی ہے۔

لوگوں نے یہ سن کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور وہ نہایت خوش ہوئے اور خوشی کی وجہ سے ان کے غم کا سارا بوجھ اتر گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی ازواج مطہرات کے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل فرمائیں جن کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اپنے کئے پر سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے پاس اس حالت میں تشریف لائے کہ وہ اپنے کیے پر نادم اور اللہ کے دربار میں سر بسجود توبہ میں مشغول تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ اور خاندان دونوں بلکہ اپنے گھر بار، اور خادموں اور غلاموں کے ساتھ یہ طریقہ تھا اور اسی طرح آپ کا برتاؤ تمام لوگوں کے ساتھ تھا۔ نرمی اور شفقت اور اچھا برتاؤ اور بردباری اور ضرورت پڑنے پر حکمت کے ساتھ گرفت اور سختی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نرمی، شفقت اور رحمدلی اور اچھا برتاؤ صرف لوگوں اور انسانوں کے ساتھ ہی خاص نہ تھا بلکہ حیوانات کے ساتھ بھی آپ اسی طرح کا نرمی، اور رحمدلی کا برتاؤ کیا کرتے تھے، چنانچہ

کئی مرتبہ یہ ہوا کہ آپ نے پانی کی تلاش میں آنے والی بلی کے لئے دروازہ کھول دیا اور کئی مرتبہ اپنے اونٹوں کی دوا دارو اور علاج کیا اور اپنے گھوڑے کو اپنے کرتے کی آستین سے کئی ہی مرتبہ صاف کیا۔ اسی طرح آپ اور لوگوں کو بھی حیوانات کے ساتھ نرم برتاؤ اور رحمدلی کا معاملہ کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ ایک کتیا کے پاس سے گذرے جو اپنے بچوں کی وجہ سے بھونک رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو حکم دیا کہ وہ اس کے پاس اس وقت تک کھڑا رہے جب تک تمام لشکر گذر نہ جائے تاکہ لشکر کا کوئی فرد اس کو یا اس کے بچوں کو تکلیف نہ دے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوئیں جس پر اس سے پہلے سفر نہیں کیا گیا تھا چنانچہ انہوں نے اس پر سختی شروع کر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہیں چاہیئے کہ اس کے ساتھ نرمی برتو۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کمال انسانیت کے چند نمونے ہیں جو علیحدہ علیحدہ پیش کر دیئے گئے۔

یہ ہیں وہ انسان کامل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہی وہ نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کی تبلیغ

کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ یہی وہ عظیم ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بچپن سے ہی عفت و پاکدامنی اور صداقت و امانت میں مشہور و معروف تھے۔ یہی وہ اللہ کے رسول ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کے لئے دشمنوں سے جہاد اور جنگ کی یہاں تک کہ وہ وقت آپہنچا جس میں ان کی جنگ و جہاد کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور انہوں نے خود اس اسلام کو جزیرۂ عرب میں پھیلا ہوا دیکھ لیا جس کے لئے انہوں نے مسلسل ۲۳ سال جدوجہد کی تھی، اور آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ لوگ دین اسلام میں فوج در فوج، جماعت در جماعت داخل ہو رہے ہیں جس سے آپ کے سینے کو ٹھنڈک اور نفس کو خوشی حاصل ہوئی اور دل اطمینان و سکون سے لبریز ہو گیا۔

یہ مدت جس میں فضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور رسالت کے لئے سازگار اور راہ ہموار تھی کیا یہ تمام مدت آپ کی نجی اور ذاتی زندگی کے اعتبار سے اطمینان بخش اور پرسکون تھی؟

یہ مدت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام رسالت کے اعتبار سے اطمینان و سکون کا سانس لیا تھا یہ مدت آپ کی نجی و خصوصی زندگی کے اعتبار سے پرسکون نہ تھی، اس لئے کہ اس عرصہ میں ایسے واقعات پیش آئے تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا اور آپ پر ایسے حادثات گذرے تھے جن

کی وجہ سے آپ جیسی ہستی کا اتنا وسیع اور عظیم دل بھی دہل گیا تھا۔

اس عرصہ میں جبکہ اسلام فتح مکہ کی وجہ سے چمک دمک رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح قدم قدم پر ساتھ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حمد و ثنا کی تسبیح پڑھ رہے تھے ٹھیک اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کا انتقال ہو گیا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت زینب اس وقت سے ہی بیمار، شکستہ جسم اور پریشان تھیں جس وقت ان کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا جب انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا چاہی تھی تاکہ اپنے والد ماجد کے پاس جا سکیں یہ واقعہ غزوۂ بدر کے بعد کا ہے۔ اس موقع پر اسلام نے ان کے اور ان کے شوہر ابو العاص بن الربیع کے درمیان تفریق اور علیحدگی کر دی تھی لیکن قریش نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے سے اس لئے روکنا چاہا تاکہ ان کے والد کو اس سے دکھ پہنچے۔ چنانچہ قریش کی ایک جماعت نے ان کو اس وقت مکہ واپس لوٹانا چاہا جبکہ وہ اپنے دیور کنانہ بن ربیع کے ساتھ مکہ چھوڑ چکی تھیں اور [illegible] کہ یہ ان کے سامنے اس جماعت کے افراد میں سے ہبار بن اسود نیزا لے کر آگے بڑھا اور ان کو خوف زدہ کیا جس کی وجہ سے حضرت زینب گھبرا گئیں، وہ اس وقت حمل سے تھیں، اس خوف و دہشت کی وجہ سے ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت زینب مدینہ منورہ ایسی حالت میں پہنچیں کہ وہ نہایت کمزور اور بیمار تھیں، ان کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ان کے شوہر بھی مدینہ منورہ آ گئے، اور اسلام قبول کر لیا۔ ابو العاص نہایت امانتدار آدمی تھے، قریش کے لئے سامان تجارت لے کر نکلے تھے جب تجارت سے فارغ ہوئے اور مکہ مکرمہ کی نیت سے واپس لوٹے تو ان کے راستے میں مسلمانوں کی ایک جماعت آڑے آ گئی اور چونکہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان دشمنی چل رہی تھی اس لئے مسلمانوں کی اس جماعت نے ان کا مال اور سامان تجارت لوٹ لیا۔ ابو العاص مسلمانوں کی قید و بند سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور رات کی تاریکی میں مدینہ منورہ پہنچے، اور حضرت زینب کے پاس آ گئے اور ان سے اجازت مانگی اور ان کی پناہ میں داخل ہونا چاہا چنانچہ حضرت زینب نے ان کو پناہ دے دی۔

حضرت زینب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو یہ بتلا دیا کہ انہوں نے ابو العاص کو پناہ دی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ان کے ابو العاص کو پناہ دینے کو منظور کر لیا اور ابو العاص سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اس جماعت کے پاس جس نے ابو العاص کا مال اور سامان تجارت لوٹ لیا تھا یہ پیغام بھیجا:

یہ شخص جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے ہمارے پاس ہماری پناہ میں ہے اور تم لوگ اس کے مال کو لوٹ چکے ہو۔ اگر تم اس پر احسان کرو اور اس کے مال کو واپس لوٹا دو تو ہمیں یہ بات پسند ہے اور اگر تم لوگ واپس نہ کرنا چاہو تو یہ اللہ کا انعام ہے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اور تم اس کے زیادہ حقدار بھی ہو، ان سب حضرات نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہم ان کا مال ان کو واپس لوٹاتے ہیں۔

مسلمانوں نے ابوالعاص کا مال واپس لوٹا دیا ابوالعاص وہ مال لے کر قریش کے پاس گئے اور جس جس کا مال اور سامان تجارت تھا وہ اس کو واپس لوٹا دیا اور پھر قریش سے کہا:

اے قریش کی جماعت کیا تم میں سے کسی شخص کا کوئی مال میرے ذمہ رہتا ہے جو اس نے اب تک مجھ سے نہ لیا ہو؟ ان سب نے کہا جی نہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے ہم نے آپ کو نہایت شریف اور دیانت دار ہی پایا ہے۔

یہ سن کر ابوالعاص نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، بخدا میں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو مجھے اسلام لانے سے سوائے اس کے کسی چیز نے نہیں روکا کہ تم لوگ یہ گمان کرو

کہ میں اسلام اس لیے قبول کر رہا ہوں کہ تمہارے مال و دولت کو ہضم کر جاؤں لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کو تم تک پہنچا دیا اور میں اس ذمہ سے سبکدوش ہو گیا تو اب میں نے اسلام کو قبول کر لیا ہے۔

اور پھر ابوالعاص وہاں سے رخصت ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اہلیہ حضرت زینب کو دوبارہ ان کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت زینب تکالیف اور بیماریوں کا مسلسل نشانہ بنی رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پڑوس کے لئے منتخب فرما لیا۔

اور اس طرح سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جا ملیں جن کا انتقال اس سے قبل اس وقت ہو چکا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے واپس ہو رہے تھے، اور ان کو ان کے والد کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، ان کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی شادی اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی۔

حضرت زینب کی وفات کے واقعہ سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو سخت صدمہ پہنچا تھا اور ان کے سانحۂ ارتحال کا آپ کی طبیعت پر گہرا اثر تھا اور وفات سے قبل انہوں نے جو تکالیف اور بیماریاں جھیلی تھیں اس کا بھی آپ کی طبیعت پر بہت اثر ہوا تھا۔

ابھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سانحۂ ارتحال کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سے دور نہ ہوا تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے آپ کا غم از سر نو تازہ ہو گیا۔

اللہ اللہ اس مختصر سے وقفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسی کیسی پریشانیاں آئیں اور آپ کے حساس اور پُر شفقت دل پر کیسے کیسے غموں کا حملہ ہوا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سوائے حضرت فاطمہؓ کے جو کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور آپ کے نومولود صاحبزادے حضرت ابراہیم کے اور کوئی موجود نہ تھا۔

کچھ دنوں تک وقت اس طرح گذرتا رہا کہ ان دنوں آپ ان جماعتوں اور وفود کے استقبال میں مشغول رہے جو جزیرۂ عرب کے اطراف سے اسلام قبول کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ جزیرہ عرب کے اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بھیجنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اجمعین میں سے ایسے لوگوں کو منتخب فرما لیا کرتے تھے جو ان کے ساتھ جائیں اور ان لوگوں میں کام کریں جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا تاکہ نومسلم وفود اور جماعتیں اسلام پر برقرار رہیں اور یہ حضرات ان کو دین کے مسئلے مسائل بتلاتے رہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کیا کہ بعض وہ قبائل جنہوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ان کی جانب بھیجیں تاکہ وہ لوگ یا تو اسلام قبول کر لیں اور یا مسلمانوں کے ماتحت جزیہ دے کر زندگی گذاریں اور ان لوگوں کا مسلمانوں پر کسی قسم کا اثر نہ پڑے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ایک بڑے لشکر کو لے کر غزوۂ تبوک کے لئے نکلے تاکہ رومیوں کے مقابلہ پر جزیرۂ عرب کی حدود محفوظ ہو جائیں، لیکن مسلمانوں کا لشکر بلا جنگ کئے واپس لوٹ آیا اور رومیوں کے لشکر نے اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا، جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ ان علاقوں میں معنوی اعتبار سے مسلمانوں کا رعب قائم ہو گیا اور ان کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔

درحقیقت اس وقت جب کہ اسلام اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نصرت و مدد سے پرسکون و مطمئن تھے۔ ان

دقات میں آپ اپنے بے شمار مشاغل اور درپیش مہمات میں سے کچھ وقت نکالنے کی کوشش فرماتے تھے تاکہ عالیہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں آپ نے حضرت ماریہ کو ٹھہرایا ہوا تھا جا کر اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا دیدار کر سکیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس بیٹے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت عطا فرمایا تھا جب آپ کی ان اولاد میں سے جو حضرت خدیجہ سے تھی سوائے حضرت فاطمہ کے اور کوئی بقید حیات نہ تھا آپ نہایت اہتمام سے اس کے نشوونما اور بڑھنے پلنے کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ اور آپ جب اس کو اپنی گود میں اٹھاتے تو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر خوشی سے آپ کا دل پھولوں نہ سماتا۔

حضرت ابراہیم نے اپنی زندگی کا ڈیڑھ سال یا اس سے کچھ اوپر کا عرصہ طے کیا اور اس تمام عرصہ میں آپ ان سے ملنے وقتاً فوقتاً جاتے رہتے اور ان سے پیار و دل لگی کرتے رہتے اور ان کو جو آپ سے گہری اور مکمل مشابہت تھی اسے نہایت خوشی سے ملاحظہ فرماتے۔

ایک سال اور چند ماہ کا وہ عرصہ جس میں حضرت ابراہیم زندہ رہے تھے یہ ایک ایسا روشن و شاندار وقت تھا جس سے آپ کی نفس کو بشاشت حاصل ہوتی اور دل اطمینان و سکون اور فرحت و خوشی سے لبریز ہو جاتا تھا لیکن قسمت نے بڑی جلدی کروٹ بدلی تاکہ یہ نور و سرور جلد ہی ختم ہو جائے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم بیمار پڑ گئے اور مرض اتنا شدید ہو گیا کہ ان کی زندگی کے لالے پڑ گئے اور جان بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی اور آپ کے اہل و عیال ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لئے ہر وقت ان کے چاروں طرف کھڑے رہتے تاکہ ان کی دیکھ بھال مکمل ہو اور ان کی بیماری میں کچھ تخفیف ہو لیکن تمام محنتیں رائیگاں گئیں اور مرض بڑھتا ہی گیا حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب سب کو یہ نظر آنے لگا کہ وہ ابراہیم جنہوں نے ایک عرصہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی اب وہ زندہ نہ رہ سکیں گے اور عنقریب اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔

جس وقت حضرت ابراہیم کی روح پرواز کر رہی تھی اور وہ اپنی والدہ کی گود میں تھے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لیا گیا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور ان کو اپنی گود میں لیا رنج و اندوہ کی وجہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا اور آپ اس چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھے جو آپ کو دیکھ کر ہر وقت ہشاش بشاش رہتا تھا اور اس منہ کی طرف دیکھ رہے تھے جو آپ کو دیکھ کر مسکرایا کرتا تھا اور آپ کے سامنے وہ آنکھیں تھیں جو آپ کی طرف اطمینان و سکون و پیار بھری نظروں سے دیکھا کرتی تھیں اور آپ اس وقت یہ فرما رہے تھے:

اے ابراہیم جو اللہ کی طرف سے تم کو پہنچنے والا ہے ہم تم کو اس سے

ہرگز نہیں بچا سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی گود میں ہی حضرت ابراہیم نے دم توڑ دیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین غم و اندوہ کی وجہ سے آہ و بکا اور رونے میں مشغول تھیں۔

حضرت ابراہیم کے جسم کی حرکت جب بالکل ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے اور آپ نے فرمایا:

اے ابراہیم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ موت کا آنا حق ہے اور موت اپنے وقت مقررہ پر ضرور آتی ہے اور بعد والوں کو پہلے والوں کے ساتھ ضرور ملنا ہے ——— تو ہم تم پر اس سے زیادہ غم کرتے۔ اے ابراہیم تیرے فراق کی وجہ سے ہم سخت غم و ملال میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جو کہ آپ کو دلاسہ دینے اور تسلی کی خاطر آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، آپ سے یہ عرض کرنے لگے:

اے اللہ کے رسول کیا آپ رونے سے منع نہیں فرماتے تھے؟!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے رونے اور غمگین ہونے سے ہرگز منع نہیں کیا تھا۔ میں نے تو زور زور سے آواز بلند کر کے رونے سے منع کیا تھا۔ آنکھ سے آنسو بہتے ہیں، اور دل غمگین ہوتا ہی ہے، اور ہم صرف وہی بات زبان پر لائیں گے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والی ہو، بے شک ہم سب

اللہ ہی کے ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ اللہ کے حق کو سب سے زیادہ پہچاننے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ پر جو کچھ اثر دیکھ رہے ہو یہ رحمت اور شفقت کا اثر ہے، اور جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہ کے پاس گئے اور ان کو تسلی اور دلاسہ دیا اور فرمایا: ابراہیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک دودھ پلانے والی مقرر فرما دی ہے۔

حضرت ابراہیم کو غسل دیا گیا اور جنت البقیع (قبرستان کا نام ہے) لے جانے کے لئے ایک چھوٹی سی چارپائی پر رکھ دیا گیا۔ اور آپ کے چچا حضرت عباس اور دوسرے مسلمان آپ کے ساتھ ہو لئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے حضرت ابراہیم کی نماز جنازہ پڑھی، اور ان کو دفن کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ان کی قبر کی مٹی برابر کی اور اس پر پانی چھڑکا اور اس پر نشانی لگا دی اور یہ فرمایا۔ اس سے نہ تو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ نقصان لیکن یہ زندہ رہنے والوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے

کہ انسان اسے مکمل اور اچھے طریقہ سے کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی قبر کی مٹی سے ہاتھ جھاڑ کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور آپ نے غم کے سامنے نہ ہتھیار ڈالے اور نہ صدمہ وغم کو اپنے اوپر سوار کیا اور اس دردناک حادثہ کی وجہ سے آپ نے دعوتِ اسلام سے کسی لمحہ بھی قطع نظر نہ کیا اور نہ مسلمانوں کے کاموں کے انجام دینے میں کسی قسم کی کمی کی، حالانکہ آپ اس چاند کو دفن کر چکے تھے جس کی شعاعیں آپ کی نفس و قلب کو ایک مختصر سے عرصہ تک منور و پرسکون بنا چکی تھیں اور پھر وہ چاند جلد ہی منہ موڑ کر روپوش ہو گیا تھا۔

جس دن حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اس روز سورج گہن ہوا اور مسلمانوں کے خیال میں اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہ تھی کہ حضرت ابراہیم دنیا سے رخصت ہوئے ہیں چونکہ انہوں نے کہا: یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے؟۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کی یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا:

إن الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ — بے شک چاند و سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں

لا تخسفان لموت أحد ولا لحیاته فإذا رأیتم ذلك فافزعوا إلی ذکر الله بالصلاة۔ — جو کسی کے مرنے یا جینے کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے ہیں جب تم یہ صورت حال دیکھو تو فوراً جلدی سے نماز کے ذریعہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جایا کرو۔

سبحان اللہ ایسے نازک موقعوں پر آپ کی ہستی کتنی عظیم الشان تھی اور سخت سے سخت موقع پر آپ کیسے جمیل، مقدر و باہمت تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(نسائی)

(۲۶)

رحلتِ نبوی

سنہ ۱۰ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ حج کی ادائیگی کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے مکۂ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ ایک لاکھ سے زائد جانثار مسلمان تھے۔

اس حج کو بعض مسلمان "حجۃ الوداع" کہتے ہیں، اس لئے کہ اس حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ مکۂ مکرمہ بیت اللہ مسجد حرام اور جبل عرفات کو دیکھا تھا۔ بعض مسلمان اس کو "حجۃ البلاغ" بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ اس حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ لوگوں تک پہنچا دیا تھا جس کے پہنچانے کا اللہ تعالے نے آپ کو حکم دیا تھا اور وہ دین اسلام تھا۔

اسی حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عظیم الشان خطبہ دیا تھا جو بجا طور پر اسلام کا دستور کہلاتا ہے جس کی ابتداء آپ نے اس فرمان مبارک سے کی تھی۔ اے لوگو، میری بات غور سے سنو اس لئے کہ مجھے معلوم نہیں ہے ہو سکتا ہے اس سال کے بعد اس جگہ تم سے پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکے اور اس وقت اللہ تعالے نے آپ پر یہ آیت قرآنیہ نازل

فرمائی تھی وہ تلاوت فرمائی

"الیوم اکملت لکم دینکم	آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا
واتممت علیکم نعمتی	دین اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا
ورضیت لکم الاسلام دینا"	احسان اور میں نے اسلام کو تمہارے
(المائدہ - ۳)	لئے دین پسند کیا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زاروقطار رونے لگے، اس لئے کہ انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری پوری ہونے والی ہے اور آپ بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مناسک حج ادا کر کے مدینہ منورہ واپس لوٹ گئے اور آپ مسلمانوں کو یہ بتا چکے تھے کہ شاید اس سال کے بعد دوبارہ ان سے ملاقات نہ ہو سکے اور ان کو وہ آیت بھی پڑھ کر سنا چکے تھے جو قرآن کریم کی وحی کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی تھی جس قرآن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دین کو کامل بنا دیا تھا اور اپنی نعمتوں کی تکمیل فرما دی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا کسی شک وشبہ کے یہ جانتے تھے کہ اللہ کی طرف سے جو پیغام رسالت کو پہنچانے کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے اور جس مقصد کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا آپ نے اسے پورا

کر دیا ہے اور آپ نے جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ نے دین اسلام کے نور کو کامل ومکمل کر دیا۔ چنانچہ اسلام جزیرۂ عرب میں پھیل چکا تھا اور اب وہ اس حالت میں تھا کہ اس پر شرک کے غلبہ یا منافقین کے نفاق کی وجہ سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ صورت حال بھی تھی جو آپ کو فکرمند کئے رکھتی تھی اور آپ اس کے سلسلہ میں غور وفکر کرتے رہتے تھے، اور وہ یہ کہ رومی جزیرۂ عرب کی شمالی حدود پر مسلط تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف سے فکر لگی رہتی تھی، اگرچہ وہ کسی موقعہ پر بھی مسلمانوں کے خلاف فتح حاصل نہ کر سکے تھے لیکن پھر بھی آپ ان کی طرف سے متفکر رہتے تھے۔

غزوہ موتہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ اور آپ کے چچیرے حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرات جام شہادت نوش کر چکے تھے جو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے پرچم تھامنے والے بنے تھے، لیکن اس صورت حال کے باوجود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نہایت ہوشیاری اور حسن تدبیر سے مسلمانوں کے لشکر کو لے کر اس طرح واپس ہوئے تھے کہ جس کی وجہ سے وہ عرب قبائل جو شام میں مقیم تھے بہت متاثر ہوئے جس کا بڑا اثر یہ ہوا کہ ان میں سے بیشتر

قبول اسلام میں داخل ہو گئے اور رومی لشکر مسلمانوں کے لشکر پر فتح و کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

غزوہ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل لشکر لے کر شام کی حدود کی طرف روانہ ہوئے، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ رومی عرب کی حدود پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ چنانچہ جب آپ ان سے مقابلہ کے لئے نکلے تو رومیوں کے لشکر نے مسلمانوں کے لشکر کے سامنے آنے کی جرأت نہ کی بلکہ اپنے شہر کے اندر ہی اپنے قلعوں میں بند ہو گئے جس کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے وہاں ٹھہرنے کو غیر ضروری سمجھا اور واپس لوٹ آئے۔

اس سب کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کے سلسلہ میں سوچتے رہتے تھے اور آپ عرب کے حدود کے سلسلہ میں ان کی طرف سے بے فکر و مطمئن نہ تھے اور نہ آپ ان کی حرص و لالچ سے بے فکر تھے اس لئے کہ آپ محسوس کر رہے تھے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام دوسرے ملکوں میں داخل ہو رہا ہے اور مختلف شہروں میں پھیل رہا ہے اور بہت سے بادشاہ اور حکام اور ان کی تمام رعایا خوشی خوشی اسلام قبول کر رہے ہیں اور جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے ہیں اسلام ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا ہے اور نہ ان کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی تعلیمات کی پیروی کرتے رہیں اور

مقرر کردہ جزیہ مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام بھیجنے کے لئے ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور اس کا امیر حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کو مقرر فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ چونکہ چھوٹی عمر کے تھے اس لئے مسلمانوں کی ایک جماعت نے آپس میں یہ سرگوشی کی۔

حضرت اسامہ مہاجرین و انصار کے امیر کیسے بن گئے؟! لوگوں کی یہ سرگوشیاں اور آگے بڑھیں اور آپس میں ایک دوسرے سے نہایت تعجب سے سوال کیا جانے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو محسوس کر لیا اور ان حضرات کی تردید کی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ بات بتلائی۔ یہ سن کر آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا۔ بخدا، اگر تم لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کیونکہ تم لوگ اس سے پہلے ان کے والد کی امارت پر اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ امیر بننے کے حقدار تھے اور ان کے بیٹے ان کے بعد امیر بننے کے حق دار ہیں۔ اس لئے ان کے بارے میں اچھا معاملہ کرنے کی وصیت قبول کرو، یہ تمہارے ممتاز و پسندیدہ اور اچھے لوگوں میں سے ہیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت اسامہؓ کو جھنڈا اٹھایا اور ان کو وصیت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ

سے اسامہ! اللہ کا نام لے کر اللہ کے رستے میں جنگ کرو اور تیزی سے چلنا تاکہ تم دشمن کے مطلع ہونے سے پہلے وہاں تک پہنچ جاؤ اور رہنماؤں اور راستہ جاننے والوں سے مدد لیتے رہنا اور حالات پر مطلع ہونے کے لئے جاسوس کو پہلے بھیج دینا اور آگے بڑھتے رہنا یہاں تک کہ تم اپنے گھوڑوں سے ان گھروں کو روند ڈالو جہاں تمہارے والد کو شہید کیا گیا تھا۔ دشمن پر صبح سویرے حملہ کر دینا اور غصہ سے بچنا اور کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و غلبہ عطا فرما دے تو واپس لوٹ آنا اور زیادہ عرصہ وہاں مت ٹھہرنا۔

حضرت اسامہ کے لشکر نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور مدینہ منورہ کے باہر پڑاؤ ڈالا تاکہ تمام لوگ مکمل طور سے تیار ہو جائیں اور اسلحہ وغیرہ اکٹھا کر لیا جائے۔

انہی دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک میں درد محسوس کیا جس کی وجہ سے آپ کو بے خوابی کی شکایت پیدا ہوئی اور آرام کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ ایک رات آپ اپنے حجرے سے اس ساعت میں نکلے کہ آپ کے ساتھ آپ کے غلام ابو موہیبہ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ گھر سے نکل کر آپ چلتے رہے اور مدینہ کے بقیع غرقد نامی مسلمانوں کے قبرستان میں آ گئے اور قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر قبر والوں سے خطاب کر کے آپ نے فرمایا:

السلام علیکم یا اهل المقابر لیهنئ لکم ما اصبحتم فیه مما اصبح الناس فیه اقبلت الفتن كقطع الليل المظلم يتبع آخرها أولها، الآخرة شر من الأولى۔

اے قبرستان والو! تم پر سلامتی ہو اور لوگوں کی نسبت جس حالت میں تم ہو وہ تمہیں مبارک ہو، فتنے تاریک رات کے حصوں کی طرح پے در پے ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں اور بعد والے پہلے کی بنسبت زیادہ برے ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان والوں کے لئے دعائے مغفرت مانگی اور پھر حضرت ابو موہیبہ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد ابو موہیبہ نے لوگوں کو یہ اطلاع دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع غرقد کے قبرستان والوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کے بعد انہیں یہ کہا تھا کہ ابو موہیبہ بے شک مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور دنیا میں ہمیشہ رہنے اور پھر جنت کے، منتخب کرنے کے درمیان اختیار دیا گیا تو ان سب کے درمیان اور اپنے رب کی ملاقات اور جنت کے درمیان اختیار دیا گیا ہے۔

تو ابو موہیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ دنیا کے خزانوں میں ہمیشہ رہنے کو چن لیجئے اور پھر آخر میں جنت کو پسند فرما لیجئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سنے فرمایا ہرگز نہیں اے ابو موہیبہ خدا کی قسم میں اپنے رب کی ملاقات کو ترجیح دیتا ہوں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، بیٹی علیہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ ان کو سر درد کی شکایت ہے اور وہ یہ کہہ رہی ہیں ہائے میرا سر!!

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ اپنے سر درد کو تو چھوڑو میرے سر میں شدید درد ہے تمہیں یہ بات کہنا چاہیئے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شکایت کو سن کر حضرت عائشہ نے دوبارہ اپنے سر درد کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل لگی کے طور پر ان سے فرمایا: اے عائشہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ اس صورت حال میں کیا تمہارا نقصان ہوگا کہ اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جاؤ میں تمہیں کفن دوں، تمہاری نماز جنازہ پڑھوں اور تمہیں دفن کر دوں۔

آپ کی یہ دل لگی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اثر کر گئی اور انہوں نے فرمایا کہ، آپ کی ازواج مطہرات میں سے دوسری بیویاں مجھ سے زیادہ اس کی مستحق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے درد کی شدت نے آپ کو حضرت عائشہ سے مزید دل لگی سے روک دیا، پھر کچھ وقت کے لئے آپ کا

درد ختم ہو گیا اور آپ ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے گئے اور جب آپ حضرت میمونہ کے گھر پہنچے تو دوبارہ سر درد کا حملہ ہوا اور مرض نے شدت اختیار کر لی اور جب تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلب فرمایا۔ بیماری کے دوران حضرت عائشہ کے گھر میں قیام کی اجازت طلب کی چنانچہ ان سب نے آپ کو بخوشی اس کی اجازت دے دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے سر پر پٹی باندھ کر اس حالت میں نکلے کہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور چچازاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب پر سہارا کیا ہوا تھا، اور اس حالت میں آپ حضرت عائشہ کے گھر پہنچ گئے۔

لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر پھیل گئی جس سے وہ شدید پریشان ہو گئے، اور ان پر اس سے سخت دکھ ہوا اور وہ نہایت بے چین و بے قرار ہو گئے، اس لئے کہ انہیں یہ بخوبی معلوم تھا کہ ساری عمر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی اتنی شدید بیماری لاحق نہیں ہوئی جس سے آپ صاحب فراش ہو گئے ہوں اور نہ انہیں یہ یاد تھا کہ کبھی آپ کو ایسا شدید بخار آیا ہو جس کی وجہ سے آپ کو اس جیسی تکلیفیں برداشت کرنا پڑی ہوں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری زندگی میں سنہ

چھ ہجری میں ایک مرتبہ ہلکی سی کمزوری ہوئی تھی جس کی وجہ سے ایک مختصر سے وقفہ کے لئے آپ کا کھانا پینا بند ہو گیا تھا اور پھر جلد ہی اس کا اثر ختم ہو گیا تھا اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری زندگی کبھی کوئی اور تکلیف نہ پہنچی تھی سوائے اس موقعہ کے جب آپ نے زہر یلا گوشت تناول فرمایا تھا جس کا اثر آسانی سے معمولی علاج سے دور ہو گیا تھا۔

ان دو واقعات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی قوت و طاقت اور صحت و نشاط کی زندگی تھی اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں اس لئے کہ آپ کی تعلیمات آپ کو اور ہر اس شخص کو جو آپ کی ان تعلیمات کی پیروی کرے بیماری سے دور کرنے والی تھیں۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس وقت کھایا کرتے تھے جب خوب بھوک لگی ہو اور جب کھانے بیٹھتے تو پیٹ بھر کر ہرگز نہ کھاتے تھے۔ اسی لئے آپ نے مصر کے مقوقس کے ہدایا میں سے ماریہ قبطیہ اور ماریہ اور سیرین نامی باندیوں کو قبول فرمایا تھا اور طبیب کو یہ فرما کر واپس کر دیا تھا کہ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو بلا بھوک کھاتے نہیں اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔

اس سب کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صاف ستھرے رہتے تھے دن میں پانچ مرتبہ وضو کرتے تھے اور اپنے کپڑوں کی صفائی

ستھرائی کا خیال رکھتے اور شکل و صورت کو درست رکھنے کی کوشش فرماتے تھے اور یہ فرما کر صفائی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

النظافة من الایمان — صفائی ایمان کا جزو ہے

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ چست اور مستعد رہتے تھے، عبادت میں لگے رہنا اور مسلمانوں کی ضروریات کے لئے جاگنا آپ کی عادت بن گئی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ساتھ نہایت عمدہ جوڑ قائم رکھتے تھے آپ مہلک اور نقصان دہ لذت آور اشیاء اور نقصان دہ کھیل کود سے دور رہتے تھے۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں جو اپنے کرنے والے کی صحت کی کامل ضمانت تھیں۔

جب صورت حال یہ تھی تو پھر مسلمان کیوں نہ بے چین اور مضطرب ہوتے جبکہ وہ اپنے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری میں مبتلا تکلیف جھیلتا ہوا دیکھ رہے تھے!!۔

بات بھی ٹھیک تھی اس لئے کہ آپ کے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل و عیال کیوں نہ پریشان ہوتے جنہوں نے ساری زندگی آپ کو صحت و تندرستی قوت و توانائی کے ساتھ رسالت و نبوت کے بوجھ کو اٹھاتے ہوئے اس طرح دیکھا تھا کہ بیماری آپ تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہی نہ پاتی تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت اسامہ کا وہ لشکر جو رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی تیاریوں میں مصروف تھا اس نے اپنی تیاری موقوف کر دی تاکہ آپ کی صحت کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی حالت پر چند روز اس طرح گذر گئے کہ آپ کا مرض بڑھتا ہی گیا اور حرارت کبھی زیادہ ہو جاتی اور کبھی کم، جب بخار تیز ہوتا تو اس کی زیادتی اور شدت کی وجہ سے آپ کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ اور جب بخار کم ہوتا تو آپ اپنے اوپر بوجھ ڈال کر ہمت کر کے مسجد تشریف لے جاتے اور اپنے محبین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہی آپ کو اس جدوجہد اور محنت پر اجر عطا فرمائے جو آپ مسلمانوں کے فائدہ کے لئے کرتے رہے ہیں۔

بیماری کی اس شدت کے دوران جس کا آپ پر حملہ ہوتا رہتا تھا آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا: مختلف کنوؤں سے سات مشکیزے منگا کر میرے اوپر بہا دو تاکہ میں لوگوں کے پاس جا کر انہیں نصیحت کروں اور ان سے عہد لے لوں، چنانچہ مطلوبہ پانی مہیا کیا گیا اور آپ کی ازواج مطہرات نے آپ کو ایک نشست پر بٹھا دیا اور آپ کے اوپر وہ پانی بہانا شروع کر دیا، حتیٰ کہ آپ نے خود ہی کہنا شروع کر دیا: بس کرو کافی ہے، بس کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے۔ آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور آپ نے وہاں پہنچ کر جنگ احد کے شہداء کے لئے دعا کی اور پھر فرمایا: اللہ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا میں رہنے اور جو اس کے لئے اپنے پاس تیار کر رکھا ہے اس کے درمیان اختیار دیا ہے اور اللہ کے اس بندہ نے اس کو پسند کیا ہے جو اللہ کے پاس ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کی حقیقت تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً پہنچ گئے اور رونے لگے، اور آپ سے عرض کیا: ہم آپ پر اپنی جانوں اور اولاد کو قربان کرتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اتنے زیادہ متاثر ہونے کو دیکھا تو فرمایا: اے ابوبکر ذرا نرمی برتو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ سوائے حضرت ابوبکر کے دروازے کے مسجد کی جانب کھلنے والے دوسرے تمام دروازے بند کر دئے جائیں، اور فرمایا: ان سے زیادہ کوئی افضل و اعلیٰ رفیق و ساتھی میرے علم میں نہیں ہے، اور اگر بالفرض ان لوگوں میں سے کسی کو میں اپنا خلیل اور جگری دوست بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن ہمارا اور ان کا تعلق رفاقت اور ایمانی اخوت کا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو آخرت میں یکجا اکٹھا فرما دے۔

پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا: اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دو۔ یہ آپ نے اس لئے ارشاد فرمایا کہ آپ نے حضرت اسامہ کے سفر میں تاخیر کرنے کو محسوس کر لیا تھا اور آپ یہ جان گئے تھے کہ لوگ لشکر کے روانہ ہونے کے سلسلہ میں متردد ہیں۔

پھر آپ نے انصار کے سلسلہ میں مہاجرین کو یہ فرما کر وصیت کی: اے جماعت مہاجرین! انصار کے ساتھ خیر و بھلائی کی وصیت قبول کر لو، اس لئے کہ اور لوگ تو بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اپنی اس حالت پر رہیں گے ان میں اضافہ نہ ہوگا۔ یہ لوگ میرے وہ معاونین ہیں جن کے پاس میں نے ٹھکانہ حاصل کیا، اس لئے ان میں سے جو اچھا کام کرے اس کو قبول کر لو اور ان میں سے کسی سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس سے درگزر کیا کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھکے ماندے واپس تشریف لائے اور آپ کا مرض اور شدید ہو گیا اور بیماری نے اور شدت پکڑ لی، دوسرے دن آپ میں اتنی قوت نہ رہی کہ حسب عادت نماز کے لئے دولت کدہ سے باہر تشریف لا کر سب کے ساتھ نماز پڑھیں، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ بات نہایت شاق گذری کہ آپ حسب عادت لوگوں کو نماز پڑھانے تشریف نہ لے جائیں چنانچہ انہوں نے

عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حضرت ابوبکر بہت نرم دل ہیں اور جب قرآن کریم تلاوت کرتے ہیں تو کثرت سے روتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ان کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حضرت عائشہ نے دوبارہ وہی بات دہرائی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود سخت تکلیف کے پھر یہی جملہ دہرایا کہ ابوبکر کو حکم دے دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت بڑھتی گئی اور سب گھر والے آپ کی بیماری کی اس شدت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن اس کے دور کرنے پر قادر نہ تھے۔

دردناک صورت حال یہ تھی کہ ان کے محبوب اور اللہ کے نبی ان کے سامنے بیمار پڑے تھے، بخار تیز ہوتا جا رہا تھا حتی کہ اس کی شدت کی وجہ سے آپ پر غفلت طاری ہو جاتی تھی، پھر آپ ہوش میں آتے اور کچھ افاقہ ہو جاتا پھر از سر نو آپ پر بے ہوشی کا دورہ پڑتا اور آپ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرتے کہ اپنے پاس رکھے ہوئے ٹھنڈے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبوتے اور اس کو اپنے چہرہ مبارک پر پھیرتے تاکہ اس کے ذریعہ سے بخار کی شدت سے آپ کو جو تکلیف پہنچ رہی تھی اس میں کچھ کمی آ جائے۔ آپ کی پیاری بیٹی حضرت

فاطمہؓ جو آپ کی اولاد میں سے تنہا اکیلی زندہ رہ گئی تھیں وہ جب بیمار پرسی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو آپ کھڑے ہو کر ان کو چوم لیا کرتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھال لیا کرتے تھے لیکن اب صورت حال یہ تھی کہ آپ نہ ان کے لئے حسب عادت کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ ان کو چوم سکتے تھے چنانچہ اب جب حضرت فاطمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے آپ کو بوسہ دیا اور آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھال لیا اور چپکے سے ان سے کوئی بات کہی جسے سن کر حضرت فاطمہؓ رونے لگیں، پھر آپ نے دوبارہ آہستہ سے کوئی اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جب اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر نہیں کر سکتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ سے جو بات چپکے سے کہی تھی اور انہوں نے وہ بات اپنے والد کی وفات ہو جانے کے بعد بیان فرمادی تھی وہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چپکے سے یہ فرمایا تھا کہ میرا انتقال اسی بیماری میں ہو جائے گا جسے سن کر وہ بے انتہا رونے لگیں، پھر آپ نے دوبارہ چپکے سے ان سے یہ فرمایا کہ وہ ان کے اہل و عیال میں سے سب سے پہلے ان سے ملیں گی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔

اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار کر اپنی ایک اکیلی بیٹی سے اس صدمہ کے غم کو کچھ ہلکا کر دیا جو آپ کی وفات کی شکل میں ان کو پہنچنے والا تھا اور اس کے لئے آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے ان کو اپنی وفات کی اطلاع دی اور پھر ان کو یہ اطمینان دلا دیا کہ وہ سب سے پہلے آپ سے جا کر ملیں گی۔

رومیوں سے جنگ کے لئے مسلمانوں کا جو لشکر رخصت ہونے والا تھا وہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الوداع کہنے کے لئے آیا اس لشکر میں حضرت عمر بن الخطاب اور ان جیسے دوسرے بڑے بڑے مہاجرین اور انصار بھی تھے لیکن سوال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شدید بیماری کی حالت میں چھوڑ کر کس طرح چلے جائیں اور ان حضرات کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ مدینہ سے کس طرح رخصت ہوں جبکہ ان کے دل اور عقلیں اور روح مدینہ منورہ میں تھیں۔

جس وقت حضرت اسامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الوداعی ملاقات کرنے کے لئے آئے تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور پھر ان کو حضرت اسامہ پر رکھ دیا جس سے حضرت اسامہ نے یہ اندازہ کر لیا کہ آپ ان کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ سے اس حالت میں رخصت

ہونے دان کی آنکھوں سے موتی جیسے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت اور تکلیف کو دیکھا تو وہ اپنے اوپر قابو نہ پا سکیں اور بے ساختہ کہنے لگیں کہ ہائے میرے بابا جان کی بیماری اور تکلیف۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی صاحبہ کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ آج کے بعد تمہارے والد پر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ آپ کا کوئی ایسا علاج کیا جائے جس سے آپ کی تکلیف میں کچھ کمی آ سکے آپ پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی چنانچہ حضرت اسماء بنت عمیس نے ایک مشروب تیار کیا جس کے بنانے کا طریقہ انہوں نے اس زمانہ میں سیکھا تھا جس زمانہ میں وہ اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ میں مقیم تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے وہ دوا آپ کے منہ میں اس وقت ڈالی جب آپ بیماری کی شدت کی وجہ سے بے ہوشی کے عالم میں تھے پھر جب آپ ہوش میں آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ اور تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ کے چچا حضرت عباس نے آپ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہمیں ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو

ذات الجنب کی بیماری ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسی بیماری ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ مجھے مبتلا نہیں کرے گا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ جو دوا آپ کے لئے بنائی گئی تھی، گھر میں موجود سب افراد کو سوائے آپ کے چچا حضرت عباس کے، چنانچہ سب نے اس کو کھایا حتیٰ کہ حضرت میمونہ نے بھی جو اس دن روزے سے تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے ان صحابہ سے جو آپ کی عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے ——— فرمایا لاؤ میں تمہارے لئے کوئی ایسی کتاب لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز بھی گمراہ نہ ہوگے حاضرین میں سے بعض حضرات نے یہ چاہا کہ قلم اور کاغذ لے آئیں تاکہ ان تعلیمات اور ارشادات کو لکھ لیا جائے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھوانا چاہتے ہیں لیکن بعض دوسرے حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت اور تکلیف کو دیکھتے ہوئے یہ چاہا کہ آپ پر بوجھ نہ ڈالا جائے اور قرآن کریم اور احادیث میں جو تعلیمات اور ارشادات اور نصیحتیں موجود ہیں ان پر اکتفا کیا جائے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ان سات دیناروں کے بارے میں دریافت فرمایا جو مسلمانوں کے مال میں سے آپ کے پاس تھے اور آپ نے اپنے گھر والوں کو بیماری کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ ان کو صدقہ کر دو۔ لیکن آپ کی بیماری کی مشغولیت نے ان کو آپ کے

اس حکم کے نافذ کرنے کو بھلا دیا تھا چنانچہ آپ نے ان سے پوچھا کہ ان سونے کے ان سات دیناروں کا کیا کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے اللہ کے رسول وہ تو اب تک موجود ہیں تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دینار لے آئیں چنانچہ جب وہ لے آئیں تو آپ نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فرمایا کہ اگر یہ میرے پاس موجود ہوں اور میں دنیا سے چلا جاؤں تو اپنے رب سے کیا کہوں گا۔ پھر آپ نے ان سب کو لے کر فقراء پر صدقہ کر دیا۔

اس رات جو کہ بارہ ربیع الاول سنہ گیارہ ہجری کی پیر کی شب تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت میں کچھ کمی آئی اور بخار کی شدت میں اضافہ ہوا اور یہ رات آپ نے سکون اور آرام سے گذاری جس کو دیکھ کر آپ کے اہل وعیال خوش ہو گئے اور انہوں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔

جب صبح ہوئی تو آپ میں اتنی قوت آگئی کہ آپ اپنے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب اور فضل بن عباس کے سہارے مسجد جا سکیں۔ آپ جب مسجد پہنچے تو اس وقت حضرت ابو بکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، لوگوں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو خوشی و مسرت کے مارے ان کی یہ کیفیت تھی کہ نماز توڑ کر آپ کے استقبال کو دوڑ پڑیں اس صورت حال کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے اشارے سے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی نماز میں مشغول رہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ جانا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تاکہ آپ امامت کر سکیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کے پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہو۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ان کے دائیں جانب بیٹھ کر آپ نے نماز پڑھی۔

جب نماز مکمل ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اتنی بلند آواز سے جسے مسجد کے باہر کے لوگ بھی سن لیں آپ نے ان سے فرمایا اے مسلمانو، خدا کی قسم میں نے وہی حلال کیا ہے جو قرآن کریم نے حلال کیا اور میں نے اسے ہی حرام قرار دیا ہے جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا اور خدا کی لعنت ہو اس قوم پر جس نے اپنی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

اے مسلمانو! میں نے جس کی پشت پر ناحق مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے اسے چاہیئے کہ اس کا بدلہ لینے کے لئے مجھے مار لے، اور جس کو میں نے برا بھلا کہا ہو اسے چاہیئے کہ وہ اس کے بدلہ میں مجھے برا بھلا کہہ لے اور میں نے جس کا مال لیا ہو اس کو چاہیئے کہ میرے اس مال میں سے لے لے جو اس کے لئے حاضر ہے۔

یہ سن کر مسلمانوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے

کہا: اے اللہ کے رسول میرے تین درہم آپ پر آتے ہیں، چنانچہ آپ نے ان کو تین درہم دے دیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ حضرت عائشہ کے گھر اس حالت میں واپس تشریف لے گئے کہ آپ مسلمانوں کو مسرور دیکھ کر خوش تھے گرچہ آپ یہ محسوس کر رہے تھے کہ آپ کا جسم نہایت کمزور ہو چکا ہے اور آپ اتنے نحیف و لاغر ہو چکے تھے کہ آپ کی ٹانگیں آپ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کی اس ظاہری حالت و کیفیت کو دیکھ کر مسلمان بہت خوش ہو گئے اور خوشی و سرور کی حالت میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے تھے اور سرور و خوشی ان کی نفوس و قلوب میں سرایت کر گئی تھی اور حضرت اسامہ بن زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں الوداع کہنے اور لشکر کے لیے جانے کی اجازت مانگنے کے لئے تشریف لائے۔

حضرت ابوبکر کے بعض اہل خانہ مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر رہتے تھے ان کے پاس جانے کے لئے حضرت ابوبکر اجازت مانگنے آئے۔

اور مسلمان اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے اور اپنی اپنی ضروریات کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس لئے کہ سب کے سب مطمئن ہو چکے تھے دلوں کو قرار اور نفوس کو آپ کی صحت کی طرف سے اطمینان نصیب ہو گیا تھا۔

اس اثناء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر میں رہ

کرتے تھے اور یک لمحہ آپ کا ضعف اور کمزوری بڑھ رہی تھی اور صحت کی وہ علامات اور عافیت و تندرستی کے وہ نشانیاں ختم ہوتی جا رہی تھیں جو صبح کو مسلمانوں نے آپ پر دیکھی تھیں۔

آپ آرام فرما رہے تھے اور آپ کے پاس ہی ٹھنڈے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا جس میں وقتاً فوقتاً آپ اپنا دست مبارک بھگو کر اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے اور اس طرح سے بخار کی شدت اور تیزی اور جلن کے جھلسا دینے والے تھپیڑوں سے کچھ نجات حاصل کر لیتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ ان کے ہاتھ میں مسواک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے دیکھا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ محسوس کر لیا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے آپ سے دریافت فرمایا: اے اللہ کے رسول کیا آپ یہ مسواک لینا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے اثبات میں جواب دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی سے وہ مسواک لے لی اور چبا کر نرم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ آپ نے مسواک لی اور اسے استعمال فرمایا اور پھر ایک طرف رکھ دی۔

اس کے بعد ایک روز نہایت خوفناک گھڑی گذری۔ حضرت عائشہ اس

وقت نہایت گھبراہٹ اور دہشت اور پریشانی کے عالم میں تھیں اور ان کی بانہیں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیے جا رہی تھیں۔ آپ نے اپنا سر مبارک ان کی گود
میں رکھا ہوا تھا اور حضرت عائشہ اس بات کی خواہشمند تھیں کہ کسی طرح اس
وقت بھی آپ کے چہرے پر صحت کے کچھ آثار نظر آجائیں اور دل کو اطمینان نصیب
ہو یا آپ کے منہ سے کوئی ایسی بات نکلے جس سے کچھ امید قائم ہو اور سہارا مل
جائے لیکن انہوں نے یہ محسوس کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری میں
اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور آپ کے منہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہ سنا کہ

اللّٰھم أعنی علی سکرات الموت   اے اللہ موت کی سختی پر میری مدد فرما

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ محسوس کیا کہ ان کی گود میں رکھا ہوا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بھاری ہوتا جا رہا ہے۔ چہرے پر
جب غور سے نگاہ ڈالی تو کیا دیکھا کہ آپ کی نگاہ اوپر کو اٹھی ہوئی ہے اور
آپ یہ فرما رہے ہیں:

بل الرفیق الأعلی من الجنۃ   بلکہ جنت میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں

خوف اور ذہول کے عالم میں حضرت عائشہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی
جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا آپ کو اختیار دیا گیا اور آپ نے رحلت پسند فرما لیا۔ صدمہ
کی شدت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک بھلا
دیا کہ:

"إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ"   آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ بھی مرنے والے ہیں۔

(الزمر - ۳۰)

چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو تکیہ پر رکھا
اور دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر رونے لگیں۔

یہ خبر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے کوچ فرما گئے
ہیں۔

یہ سوال ہر اس مسلمان کی زبان پر تھا جو اس غمناک و دردناک تکلیف دہ
خبر کو سنتا تھا جو لوگوں میں آناً فاناً پھیل چکی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھلا، اتنی جلدی کس طرح وفات پا سکتے
تھے جبکہ کچھ گھنٹے قبل وہ ان کے ساتھ مسجد میں تھے اور وہ آپ کا دیدار کر رہے
اور آپ کی گفتگو سن رہے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں؟!

وہ تو اللہ کے ایسے محبوب بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کے
پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا تھا اور آپ کے دست مبارک پر بہت سے
لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وفات پا سکتے ہیں؟! جبکہ وہ
اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایسی روحانی قوت کے مالک تھے جس نے تمام عالم کو

قبضہ کر رکھا تھا، اور جن کے ذریعے یہ عظیم الشان انقلاب آیا تھا جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کس طرح رخصت ہو سکتے ہیں؟ اس لئے کہ آپ تو وہ ذات ہیں جنہوں نے لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف نکالا اور گمراہی سے ہدایت کی جانب رہنمائی کی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وفات پا سکتے ہیں؟ اس لئے کہ آپ کی وفات سے وحی کا وہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا جو آپ سے قبل کسی بھی رسول کی وفات سے منقطع نہیں ہوا تھا۔

یہ دردناک خبر لوگوں میں پھیل گئی اور حضرت عمر بن الخطاب نے جب یہ خبر سنی تو انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی۔ اور جلدی سے حضرت عائشہ کے گھر آئے اور گھر میں داخل ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ میں کوئی حس و حرکت نہیں ہے تو وہ یہ سمجھے کہ آپ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہے جو کچھ دیر بعد ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ مسجد گئے اور وہاں موجود اور غم زدہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے، اور تلوار اٹھا کر ہر اس شخص کو قتل کی دھمکی دی جو یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمر نے بلند آواز سے یہ کہنا شروع کیا: اے لوگو بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول انتقال فرما گئے ہیں۔ خدا کی قسم ان کا انتقال نہیں ہو

سے بلکہ وہ حضرت موسیٰ بن عمران کی طرح چالیس دن تک غائب رہے۔ جیسے کہ وہ واپس لوٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کا [illegible] سزا دیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔

حضرت ابوبکر جو گھر تشریف لے گئے تھے، ان کو یہ خبر پہنچی اور وہ سیدھے واپس آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو سنا کہ حضرت عمر یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا ہے اور دیکھا کہ لوگوں پر دہشت کی کیفیت طاری ہے اور وہ [illegible] میں مبتلا ہیں مایوسی ان پر چھائی ہوئی ہے، اور کبھی کبھی ان پر امید غالب آجاتی ہے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابوبکر نہ مسجد میں ٹھہرے اور نہ حضرت عمر کی گفتگو کی طرف توجہ دی بلکہ جلدی سے حضرت عائشہ کے گھر گئے اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو ان سے کہا گیا کہ آج کسی کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑا پڑا ہوا ہے۔ فوراً آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑے کو ہٹایا اور آپ پر جھک کر آپ کو بوسہ دینے لگے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا اور یہ فرمانے لگے!

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں آپ زندگی میں بھی کتنے پاکیزہ اور اچھے تھے اور وفات کے بعد بھی کتنے

عمدہ اور پاکیزہ ہیں بے شک یہ موت، اللہ نے آپ کے لئے لکھی ہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اس کو جھیل لیا اب اس کے بعد آپ کو پھر کبھی بھی موت نہ آئے گی۔

وہاں سے حضرت ابوبکر مسجد نبوی تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عمر لوگوں سے گفتگو میں مشغول ہیں اور مسلسل یہ بات دہرا رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا ہے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو آواز دی، اور فرمایا اے عمر ذرا ٹھہرو مجھے بھی بات کرنے کا موقعہ دو اور تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہو۔

لیکن حضرت عمر پر کچھ اس قسم کی کیفیت طاری تھی کہ وہ خاموش نہ ہوئے اور لوگوں سے اسی موضوع پر گفتگو جاری رکھی تو حضرت ابوبکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو اشارہ سے بتایا کہ وہ ان سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں چنانچہ تمام حضرات ان کے اردگرد جمع ہو گئے تاکہ ان کی بات سن سکیں۔ انہوں نے فرمایا: اے لوگو جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت و پوجا کرتا ہو تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو اسے جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہے گا، اس پر کبھی بھی موت نہیں آئے گی۔

اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل کلام تلاوت فرمایا:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ (آل عمران – ١٤٤)	اور محمد ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے پھر کیا اگر وہ مر گئے یا مارے گئے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

اس دردناک و غمناک موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ پر حکمت خطبہ دیا، لوگوں نے جب یہ تقریر سنی تو انہیں اس تلخ حقیقت کا اندازہ ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کے وہ دل جو ایمان و اخلاص اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت اور وفاداری سے لبریز تھے انہوں نے شروع میں آپ کی وفات کا انکار اس دہشت اور غم و پریشانی کی وجہ سے کیا تھا جو کہ اس حادثہ جانکاہ کی وجہ سے چھا گئی تھی لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک کو تلاوت فرمایا تو وہ حق کی جانب لوٹ آئے اور ذہول کی کیفیت ان سے دور ہو گئی اور اس بات کو جان لیا کہ آپ کی وفات کا صدمہ ایک حقیقت ہے اور یہ حادثہ جانکاہ ایک شدید تلخ ابتلاء و آزمائش ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سنی اور ساتھ ہی وہ آیت بھی جو انہوں نے تلاوت فرمائی تھی تو انہوں نے نہایت وثوق سے یہ بات سمجھ لی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں چنانچہ وہ یہ کہتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم نے یہ آیت آج سے قبل کبھی نہ سنی تھی۔

اس صدمہ کی وجہ سے حضرت عثمان بن عفان بالکل گُنگ اور گُم صُم ہو گئے اور صدمہ کی شدت سے بات تک کرنے سے عاجز آ گئے حضرت عبداللہ بن عمر اس موقعہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے چہروں پر پردے ڈال دئیے گئے تھے اور پھر وہ ہٹا دئیے گئے۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم فضل و احسان تھا کہ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدم رہے اور اس دردناک تکلیف دہ واقعہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو بہت زبردست قوت و طاقت اور عظیم صبر و تحمل عطا فرمایا۔ یہ ایسا دردناک وقت تھا کہ جس میں قریب تھا کہ مسلمانوں کی عقلیں ماری جائیں اور افکار منتشر ہو جائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں سے زیادہ اس سانحہ جانکاہ کو برداشت کرنے کی قوت رکھتے تھے لیکن بات دراصل یہ تھی کہ انہوں نے اس واقعہ سے پہلے ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب

رخصت ہونے والے ہیں اور تمام مسلمانوں [illegible] اور آپ کی وفات سے قبل ہی وہ اس حادثہ کے تصور سے [illegible] آنسو بہا چکے تھے۔

مسلمانوں نے ایک دوسرے سے سوال کرنا شروع کیا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر زندگی کیسے گذرے گی؟ اور اب مسلمانوں کی کیا حالت ہو گی؟ اور مسلمانوں کے امور و معاملات کا ذمہ دار اور ان کا قائد و رہنما کون ہو گا؟ حضرت اسامہ اپنے اس لشکر کو لے کر واپس لوٹ آئے جسے انہوں نے مدینہ منورہ کے باہر ٹھہرایا ہوا تھا اور مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے اپنا جھنڈا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ کے سامنے گاڑ دیا اور اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ اب مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار کون ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال نے اس مکان کا دروازہ بند کر لیا تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے دوسری طرف ایک دوسرے سے سوال کرنے والے انصاری مسلمان حضرت سعد بن عبادہ کے پاس جمع ہو گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی ایک جماعت حضرت علی بن ابی طالب کے ارد گرد اکٹھا ہو گئی اور کسی کہنے والے نے حضرت ابوبکر و عمر سے کہا: اے ابوبکر و عمر انصار ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں تا کہ اپنے میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر منتخب کر لیں اگر آپ لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات سے کچھ لگاؤ ہے تو آپ لوگ بات بڑھنے سے

قبل ہی لوگوں سے رابطہ قائم کرلیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر اور بعض دوسرے مہاجرین اس جانب روانہ ہوئے جب انصار اکٹھے تھے وہاں دونوں فریقوں میں کچھ بحث مباحثہ ہوا۔ کچھ مناظرہ اور سوال جواب ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوبکر اپنا ہاتھ پھیلائیے۔ حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو حضرت عمر نے فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اور ان کے بعد دوسرے مہاجرین و انصار نے بھی بیعت کرلی۔

اور دوسرے دن تمام مسلمانوں نے مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر کی اس وفاداری، محبت، اخوت، طویل صحبت اور مشکل زمانے میں رفاقت کو مد نظر رکھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی، اور ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عہد کو بھی اپنے سامنے رکھا جو آپ نے نماز کے لئے ان کو آگے فرما کر تمام مسلمانوں سے لیا تھا (جس کا مطلب یہ تھا کہ جس شخص کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جیسے معاملہ میں اپنا نائب اور جانشین بنایا ہے وہی شخصیت خلافت و امارت میں بھی آپ کی جانشینی کا زیادہ حق رکھتی ہے)

اس کے بعد مسلمان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین و تدفین کو مکمل کر دیا جائے چنانچہ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس جگہ دفن کیا جائے؟ بعض صحابہ نے کہا کہ آپ کو آپ کی مسجد ہی میں دفن کر دیا جائے، اور بعض حضرات نے کہا کہ آپ کو آپ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی دفن کیا جائے بعض حضرات نے کچھ اور مشورہ دیا۔ آخر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا قطعی اور آخری فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی بھی نبی کی روح قبض نہیں کی گئی مگر یہ کہ اس کو وہیں دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض کی گئی تھی۔

یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بستر اٹھایا گیا جس پر آپ کی روح قبض کی گئی تھی اور اسی جگہ آپ کے لئے قبر کھودی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزوں نے آپ کو قمیص پہنے ہی غسل دیا۔ حضرت اسامہ بن زید اور آپ کے آزاد کردہ غلام شقران نے آپ کے اوپر پانی ڈالا اور حضرت علی نے غسل دیا اور وہ آپ کی خوشبو و مہک سونگھتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے تھے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندگی اور وفات دونوں حالتوں میں نہایت خوشبودار و معطر ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دیا جا چکا تو تین کپڑوں میں

آپ کو کفن دیا گیا اور پھر مسلمانوں کے لئے دروازے کھول دیئے گئے اور وہ فوج در فوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام والوداع کہنے اور نماز پڑھنے کے لئے داخل ہونے لگے۔

لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں جمع ہو گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔

اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں، ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دیا اور آپ نے مسلسل جہاد کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے نصرت و فتح مکمل کر دی اور آپ نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا اور ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں۔ تمام مسلمان حضرت ابو بکر کی بات سن کر آمین آمین کہہ رہے تھے۔

مردوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں اس حالت میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی کہ کوئی بھی شخص ان کا امام نہ تھا، جب مرد نماز سے فارغ ہو گئے اور اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری الوداع کہہ چکے تو عورتوں کو داخل کی اجازت دی گئی پھر بچوں کو آنے دیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرتے جاتے اور آپ کو الوداع اور سلام کرتے جاتے تھے اور پھر وہاں سے سب اس حالت میں باہر آ رہے تھے کہ ان کی آنکھوں سے

آنسو جاری تھے اور ان کے دل غم واندوہ کی وجہ سے پھٹے جا رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں اس کمرے کے برابر ہی میں رہیں جس کمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بنائی گئی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کی سعادت بخشی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم نافذ فرمایا جو رومیوں سے جنگ کے لئے حضرت اسامہ کی سربراہی میں لشکر بھیجنے سے متعلق تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کی زندگی میں تشریف لائے اور اس سے بالکل بے رغبت رہے اور اسی حالت میں اس دنیا کی زندگی کو خیرباد کہہ گئے اور اپنے عمل سے اپنے اس فرمان مبارک کو عملی جامہ پہنا گئے:

مالی و للدنیا، والذی نفس	میرا اور دنیا کا کیا تعلق اور جوڑ ہے،
محمد بیدہ ما مثلی ومثل	قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت
الدنیا إلا کراکب سار فی یوم	میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے
صائف، فاستظل تحت شجرۃ	میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح ہے،
ساعۃ من نھار ثم	جو گرم دن میں چلے اور پھر تھوڑی دیر

tooba-elibrary.blogspot.com

راحت در کھا۔ کے لئے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جائے اور پھر اسے چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو جائے۔

دینِ اسلام تمام ادیان و مذاہب کے بعد میں آنے والا اور ان کو ختم کرنے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامور کر کے بھیجا تھا وہ بھی تمام رسولوں کے بعد میں آنے والی اور تمام انبیاء و رسولوں کے لئے خاتمہ تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد میں آنے والے اور سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے رسول تھے اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا:

«مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ
مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ	نہیں ہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور
وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ»	(سب) نبیوں کے ختم (پر) ہیں

(الاحزاب - ۴۰)

اللہ جل شانہٗ ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے اور راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اس کتاب کو پڑھیے، بچوں کو پڑھائیے اور نونہالوں کو مستقبل کا صحیح معمار بنائیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین، والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین۔

کتبہٗ
محمد حبیب اللہ مختار
۲۲/۳/۱۴۱۳ھ
۲۱/۹/۱۹۹۲ء

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کی چند اہم تصانیف و تراجم

- [illegible] مومن باپ کے نام
- جمال [illegible]
- راہِ ہدایت و عمل
- مقدس باتیں
- [illegible]
- [illegible]
- جہاد
- اسلامی آدابِ معاشرت
- تعلیم الاسلام
- [illegible]
- [illegible]
- سنت نبویہ اور قرآن کریم
- السنة النبوية ومكانتها في ضوء القرآن الكريم
- كشف النقاب عما يقوله الترمذي وفي الباب
- [illegible] آداب الطہارۃ [illegible]
- القصائد النبوية
- [illegible] في صور [illegible]
- ثمرات [illegible]
- اسلام اور تربیت اولاد
- [illegible] النبوية
- جنت کی چالیس باتیں
- اسلام اور شادی
- [illegible] کے نام
- قلب
- اطاعت والدین
- جنت کی نعمتیں اور [illegible]
- اللہ تعالیٰ کے [illegible] پیارے نام
- [illegible]
- جنت
- دوزخ
- چالیس حدیثیں
- بصائر و عبر
- مجموعہ سیرت الرسول
- مسلمان نوجوان
- ہمارا معاشرہ
- کتاب الآثار
- منتخب [illegible] الصالحین
- والدین کو [illegible] کیجیے
- اسلام اور مزدور
- عورت اور معاشرہ
- غربت اور فقر و فاقہ
- دولت [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- حالات کی تبدیلی [illegible]
- تواضع اور گوشہ نشینی
- فضائل اعمال
- خطبات جمعہ، عیدین، نکاح

ناشر: دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

AF-646

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کی چند اہم تصانیف و تراجم

کشف النقاب عما یقولہ الترمذی وفی الباب	القصائد البنوریہ	المقامات البنوریہ	[illegible]
السنۃ النبویۃ ومکانتہا فی ضوء القرآن الکریم	[illegible] فی ضوء المقالات البنوریہ	اسلام اور تربیت اولاد (مکمل)	اصلاح معاشرہ اور اسلام
مقدس باتیں	سنت نبویہ اور قرآن کریم	جہاد	تعلیم الاسلام
مجربات بنوریہ	اسلامی آداب معاشرت	بصائر و عبر (۳ جلد)	مجموعہ سیرت الرسول
مسلمان نوجوان	[illegible]	اسلام اور شادی	کتاب الآثار
ہمارا معاشرہ	منتخب ریاض الصالحین	جنت کی چالیس [illegible]	قلب
[illegible] کے نام	[illegible]	اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے نام	[illegible]
جنت	دوزخ	اطاعت والدین	[illegible]
راہ ہدایت و عمل	[illegible]	[illegible]	چالیس حدیثیں
اسلام اور مزدور	عورت اور معاشرہ	[illegible]	دل کو موم کیجئے
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	تواضع اور گوشہ نشینی	فضائل اعمال	[illegible]

ناشر: دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵۸۰۰

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com